بسم الله الرحمن الرحيم

امر بمعروف

اور

نہی از منکر

تألیف

محسن قرائتی

کتاب کا نام..............امر بمعروف ونہی از منکر

تالیف..........استاد محسن قرائتی

ترجمہ..........سید قلبی حسین رضوی

اصلاح ونظر ثانی..........سید احتشام عباس زیدی

ناشر.......مرکز نشر واشاعت مجمع جہانی اہلبیت علیہم السلام

طبع..........اول

سال طبع..........شوال ۱۴۲۳ھ

تعداد..........۵۰۰۰

مطبع..........لیلا

ISBN: 964-7756-54-2

انتساب

☆-اس سورما کے نام جس نے فرمایا: "میں اپنے اہل وعیال کو کربلا کی قربانگاہ کی طرف لے جارہاہوں تاکہ امر بمعروف اور نہی از منکر کے ذریعہ دین کو زندہ کروں۔"

☆-اُن ابوذروں کے نام جو نہی از منکر کی خاطر جلاوطن ہوئے اور ربذہ میں غریب الوطنی کی حالت میں اپنی جان دیدی۔

اور

☆-اُن کے نام جنہوں نے معروف یعنی نیک کاموں کو رائج کرنے کے لئے اور منکرات یعنی برے کاموں سے لوگوں کو روکنے کے لئے جدوجہد کی اور، زندان، جلاوطنی، آزار واذیتیں اور صعوبتیں برداشت کیں اور اپنی جانیں تک نچھاور کیں، لیکن صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، جبکہ ہم آج اس راہ میں زبان کھولنے سے بھی ڈرتے اور پرہیز کرتے ہیں۔

فہرست

پہلی فصل

امر بمعروف ونہی از منکر کا مقام

دوسری فصل

امر بمعروف اور نہی از منکر کو ترک کرنے کے نتائج

تیسری فصل

امر بمعروف اور نہی از منکر کرنے والوں کے فرائض

چوتھی فصل

امر بمعروف اور نہی از منکر کا طریقہ کار

پانچویں فصل

قرآن مجید میں معروف ومنکر کی قسمیں

بسمہ تعالیٰ

پیش لفظ

الحمد للّٰہ ربّ العالمین وصلّی اللہ علیٰ سیّدنا ونبیّنا محمّد واھل بیتہ المعصومین ولعنۃ اللہ علیٰ اعدائھم اجمعین

سورۂ مبارکہ ''والعصر'' پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد ہم یہ سمجھتے ہیں کہ:

انسان کا یہ تصور کہ روز بہ روز اس کی عمر میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، اس کے برخلاف گزرنے والے ہر دن کے ساتھ اس کی پونجی گھٹتی جارہی ہے، بوڑھے حقیقت میں ''بچے'' ہوتے ہیں اور نومولود، جن کے سامنے ایک عمر ہوتی ہے، سب سے زیادہ سرمایۂ عمر کے مالک ہوتے ہیں۔ زمانے کی قسم کہ انسان برف کی طرح ہر لحظہ پگھل رہا ہے۔﴿**والعصر انّ الانسان لفی خسر**﴾ لہٰذا اس ضائع ہوتی ہوئی عمر کے بدلے میں اس سے بہتر کوئی چیز ہاتھ آنی چاہئے۔ مال ومقام اور تمغے عمر سے بہتر نہیں ہیں۔ جو چیز ہماری عمر سے بہتر ہے، وہ ایمان اور عملِ صالح ہے۔﴿**الّا الذین آمنوا وعملوا الصالحات**﴾۔ ایمان اور نیک عمل اگر روز بروز ترقی نہ کرے تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ دوسروں کو بھی ایمان وعملِ صالح کی طرف ہدایت کریں اور دعوت دیں۔﴿**وتواصوا بالحق**﴾۔ البتہ اس راہ کو طے کرنے میں چند مشکلات کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ یعنی اگر ہم لوگوں کو خیر و نیکی کی طرف دعوت دیں اور برے کاموں یا

انحرافات سے روکنا چاہیں تو ممکن ہے ہمیں نامناسب برتاؤ سے دوچار ہونا پڑے۔ لیکن بہر حال ہمیں ثابت قدمی کے ساتھ اس راہ کو طے کرنا چاہئے ﴿وتواصوا بالصبر﴾

مختصر یہ کہ موجودات کو ہمارے لئے تخلیق کیا گیا ہے، اور ہر دن جو ہماری عمر میں کمی واقع ہوتی جارہی ہے، اس کے پیش نظر اگر ہم کچھ حاصل نہ کریں گے تو گویا موجودات کے اس بازار میں ہم نے نقصان اٹھایا ہے اور سب سے بہتر ذخیرہ ایمان، عمل صالح اور لوگوں کو حق وصبر کی طرف دعوت دینا ہے۔ حق کی طرف ہدایت وہی امر بمعروف ہے جس میں فکر حق، کلمۂ حق، قانونِ حق، رہبرِ حق اور حکومتِ حق شامل ہیں۔ یعنی ہمیں چاہئے کہ نیک اعمال کو ہر روز وسعت بخشیں اور مفاسد و منکرات کو پھیلنے سے روکیں۔

عصر حاضر میں، امام خمینی (رضوان اللہ تعالیٰ علیہ) کی رہبری وقیادت اور شہیدوں کے خون کے طفیل سب سے بڑا منکر (شہنشاہی طاغوت اور امریکہ کا تسلّط) ٹل گیا اور سب سے بڑا معروف (استقلال، آزادی، جمہوری اسلامی) وجود میں آیا۔

لیکن اس عمارت کی حفاظت لازم ہے۔ اگر دیوار بناتے وقت سیمنٹ یا چونے کی بھرائی نہ کی جائے تو اس کی اینٹیں اور پتھر ایک ایک کرکے گر جائیں گے۔

بہر حال امام خمینیؒ اور ہمارے عزیز شہداء ایک نظام کو تشکیل دیکر ہمارے حوالے کر گئے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اس کی رکھوالی اور حفاظت کریں۔ جہاں کہیں بھی فساد اور غلط کام کا مشاہدہ کریں آواز اٹھائیں، اس کو بیان کریں۔ اسی طرح معروف یعنی نیک اعمال کو روز بروز وسعت بخشیں۔

معروف یا عمل صالح میں سے ایک مسئلہ نماز کو قائم کرنا ہے کہ الحمدللہ ہمارے معاشرے میں اس امر کو وسعت وترقی ملی ہے۔ اس وقت جبکہ میں ان جملوں کو ضبط تحریر میں لارہا ہوں، اداروں، کھیل کے میدانوں، فوجی چھاونیوں، دفتروں اور کارخانوں میں آزادانہ طور پر دسیوں ہزار نماز

جماعتیں قائم ہوتی ہیں۔

دوسرا معروف قرآن مجید کی طرف توجہ ہے۔ الحمد للہ جدید نسل کے لاکھوں نوجوانوں نے قرآن مجید کی تربیت، اس کو حفظ کرنے اور اس کے مفاہیم کو سمجھنے کی طرف دھیان دینا شروع کیا ہے۔

ایک اور معروف، سائنسی ترقی، جدّت، ایجادات، سائنسی مقابلوں میں کامیابی اور ان سب سے اہم مجاہدین اسلام کا ۸ سالہ مقدس دفاع میں فتح پاکر دشمنوں کے منصوبوں کو ناکام بنانا، کتب خانوں اور یونیورسٹیوں کو ترقی دینا، جہالت کو دور کرنا، حفظان صحت، علمی اور رفاہی خدمات کو بڑھاوا دینا ہے۔ لیکن ان سب مسائل کے باوجود کافی تعداد میں برائیاں بھی موجود ہیں، جن کی نابودی کے لئے کوئی تدبیر کرنا چاہئے۔

امر بمعروف کمیٹی:

میرے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا، اب جبکہ خدائے تعالےٰ نے ہمیں اقامت نماز کا مرکز تشکیل دینے کی توفیق بخشی اور ہم نماز سے متعلق مختلف سطحوں میں لاکھوں کی تعداد میں کتابیں شائع اور تقسیم کر کے نماز کی ثقافت کو وسعت دینے میں کامیاب ہوئے، تو اب چند ایسے دوستوں کی تلاش کی فکر ہوئی جن کی مدد سے زکات اور امر بمعروف کے سلسلے میں بھی ایک ثقافتی کام شروع کیا جائے۔

میں قم میں چند فاضل علماء کے پاس گیا، جو آیت اللہ بہشتی اور قدوسی کے شاگرد تھے اور اپنی آواز ان تک پہنچائی۔ خدا کے فضل وکرم سے کچھ ساتھی ملے ہم نے آیت اللہ جنتی کی حمایت وتعاون سے امر بمعروف کے مرکز کو قائم کر کے کام شروع کیا۔ اس مرکز میں ہر ایک دوست نے ایک کام اپنے ذمہ لیا، میرے ذمہ ثقافتی اور تبلیغی کام سونپا گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس موضوع پر ایک کتاب لکھوں۔ یہ کتاب میرے اُن ۱۵ قرآنی دروس پر مشتمل ہے جو امر بمعروف کے عنوان

سے ٹی وی سے ٹیلی کاسٹ ہو چکے ہیں۔ اس کتاب میں امر بمعروف کے موضوع کی اہمیت اور اس کو ترک کرنے کے برے اثرات کے علاوہ امر بمعروف کرنیوالوں کے طریقہ کار اور ذمہ داریوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس فریضہ سے متعلق آیات وروایات کے علاوہ اس سے مربوط اجتماعی، حکومتی اور نفسیاتی مسائل کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ ایک جماعت یا نظام کی اچھائیوں یا برائیوں کو اس نظام سے مربوط حقیقی مؤمنیں ہی بہتر جانتے ہیں، یعنی ایک فوجی کمانڈر ہی فوجی چھاونی کی اچھائیوں اور برائیوں کو بہتر سمجھتا ہے۔ اگر وہ معروف کے پھیلاؤ اور منکرات کو روکنے کے لئے اپنے ہم فکر مؤمنین کے ساتھ جلسے کرے تو خدا کی مدد سے پوری فوجی چھاونی کو ایک پاک وصاف ماحول میں بدل سکتا ہے۔ اسی طرح بازار کے قابل اعتماد افراد، کارخانوں کے منیجر، گاؤں کے بزرگ، ورزش گاہوں کے پہلوان اور کھلاڑی، یونیورسٹیوں کے اساتذہ، ہمدرد عوام اور نظام کے ذمہ دار، چاہے وہ جس منصب پر فائز ہوں، اپنی محبوبیت، تخصص، تجربہ اور جزئیات سے پوری آگاہی کی بناء پر کسی اور کے مقابلے میں بہتر طریقے پر معروف کو پھیلا سکتے ہیں۔ اسی لئے قرآن مجید نے امر بمعروف ونہی از منکر کو ان افراد کے ذمہ رکھا ہے جو خصوصی حیثیت کے مالک ہوں، کیونکہ معاشرے کے لوگ ایسے افراد کی بات پر زیادہ توجہ دیتے ہیں (۱)۔

میں خدائے متعال سے اس فریضہ کی انجام دہی میں تمام لوگوں کی کامیابی کا متمنی ہوں۔ اس تحریر میں ہر قسم کی سہو وخطا کے بارے میں خدائے تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں اور جن بزرگوں نے اس امر میں میری مدد کی ہے، ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

محسن قرائتی

۱۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ. (حج/ ۴۱)

پہلی فصل

امر بمعروف و نہی از منکر

کا

مقام

امر بمعروف ونہی از منکر کا مقام

امر بمعروف کا چہرہ

امر بمعروف، انسان کے اپنے مکتب سے عشق کی علامت ہے۔

امر بمعروف، لوگوں سے انسان کے عشق کی پہچان ہے۔

امر بمعروف، معاشرے کی سلامتی سے متعلق انسان کی ہمدردی، وفاداری اور دلچسپی کی علامت ہے۔

امر بمعروف، تولّی وتبرّیٰ کی علامت ہے۔

امر بمعروف، سماج میں آزادی کی نشانی ہے۔

امر بمعروف، لوگوں میں ایک دوسرے کے ساتھ رابطے کی علامت ہے۔

امر بمعروف، بیدار فطرت کی علامت ہے۔

امر بمعروف، واجبات کی حاضری وغیر حاضری ہے، نماز کیوں نہ پڑھی؟ روزہ کیوں نہ رکھا؟

امر بمعروف، تمام واجبات کے نفاذ کی ضمانت ہے اور نہی از منکر تمام محرمات کے ترک کی ضمانت ہے۔

امر بمعروف، معاشرے میں نیک انسانوں کی حوصلہ افزائی ہے۔

امر بمعروف، جاہل انسانوں کو آگاہ و متوجہ کرنا ہے۔

نہی از منکر، بدکرداروں کا قافیہ حیات تنگ کرنا ہے۔

امر بمعروف و نہی از منکر، معاشرے کی گاڑی کو چلانے اور روکنے کا وسیلہ ہے۔

یہ والدین کے امر بمعروف و نہی از منکر ہیں جو بچوں کی تربیت کی بنیاد تشکیل دیتے ہیں۔

امر بمعروف، ضعیف الارادہ لوگوں کے لئے اطمینان و تقویت قلب کا سبب ہے۔

امر بمعروف، میدان عمل میں حاضری کی نشانی ہے۔

امر بمعروف، خدا کی طرف سے اہل ایمان کو دیا گیا وہ حق و اختیار ہے جس سے وہ ایک دوسرے کے اعمال و کردار پر نظر رکھ سکیں۔

نہی از منکر، معاشرے کے بعض افراد کے تقویٰ کی کمی کو پورا کرنے کا سبب ہے۔

امر بمعروف، معاشرے کو بالیدگی بخشتا ہے اور نہی از منکر معاشرے کو زوال سے نجات دیتا ہے۔

امر بمعروف، انسانوں کے حدود و حقوق کا محافظ ہے۔ خاموش معاشرہ ایک مردہ معاشرہ ہے اور خاموش انسان سانس لینے والے جمادات کے مانند ہیں۔

امر بمعروف و نہی از منکر دینی غیرت اور ذمہ داری کے احساس کی علامت اور لوگوں کے مشکلات کو اپنے ذاتی مشکلات سمجھنا ہے۔

امر بمعروف و نہی از منکر، متعدی عیوب اور گناہوں کے مقابلے میں ایک قسم کی روحانی حد بندی ہے۔

امر بمعروف و نہی از منکر، ایک قسم کا سماجی نظم و ضبط ہے، یعنی شخصی اور نفسانی خواہشات کو اجتماعی مصلحتوں کے پیش نظر محدود کرنا اور حقیقت میں یہ لاپروا افراد کے لئے ایک قسم کی پابندی ہے۔

امر بمعروف ونہی از منکر، بالیدگی کی علامت ہے۔ حضرت لوط نے گناہگاروں کے گروہ سے پوچھا: کیا تم لوگوں میں ایک آدمی بھی رشید یعنی ہدایت یافتہ نہیں ہے جو تمہیں ان برے کاموں سے روک سکے؟(۲)

امر بمعروف ونہی از منکر کے ذریعہ معاشرے کے اندرونی مشکلات کو حل کر کے بیرونی دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

امر بمعروف کی اہمیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ علماء نے اس کے ساتھ انسان کے قلبی ارتباط (یعنی منکر اور برے کاموں سے قلبی نفرت) کی بناء پر اسے اصول دین میں اور اس کی عملی اہمیت نیز واجبات میں سے ہونے کی بناء پر اسے فروع دین میں شمار کیا ہے۔ شہید ثانیؒ فرماتے ہیں: ''امر بمعروف اور نہی از منکر کے بارے میں آیات وروایات اتنی زیادہ ہیں کہ کمر شکن ہیں۔''(۳)

آج ہی اگر کوئی بڑی طاقت یا کوئی مغرور جو کسی علاقہ پر بمباری کر کے سب سے بڑے منکر کا مرتکب ہوتا ہے، اگر خود کو تمام دنیا کے لوگوں کے اعتراض اور فریاد کے روبرو پائے تو ہرگز ایسا ظالمانہ قدم اٹھانے کی جرأت نہیں کرے گا۔ عالمی معاشروں کی خاموشی، حکام کا خوف وبزدلی اور عوام کی لاتعلقی ولاعلمی اس بات کا سبب ہوئے ہیں کہ دنیا کی سامراجی طاقتیں بڑے سے بڑے منکرات انجام دینے میں کسی قسم کی رکاوٹ اور خوف وخطر محسوس نہیں کررہی ہیں۔

اگر کسی کارخانے کو ماہر انجینئروں کے ذریعہ نظارت وجانچ پڑتال کی ضرورت ہوتی ہے تو انسانی معاشرے کو بھی اسلام شناس دانشوروں کے ذریعہ جانچ پڑتال اور نظارت ونگرانی کی ضرورت ہے۔

۲- اَلَیسَ مِنکُم رَجُلٌ رَشِیدٌ۔(ہود/۷۸)

۳- گفتار ماہ/ص ۸۰.

حدیث شریف میں آیا ہے کہ: سب سے اچھا دوست وہ ہے جو تمہیں برے کاموں سے روکے اور بدترین دوست وہ ہے جو تم کو اس کی یاددہانی نہ کرے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''میرا سب سے اچھا دوست وہ ہے جو مجھے میری کوتاہیوں اور عیب کے بارے میں یاددہانی کرے۔'' روایتوں میں آیا ہے: ''مؤمن ہمیشہ اپنے اعمال کے بارے میں چوکس رہتا ہے۔'' یعنی خود اپنے آپ سے حساب لیتا رہتا ہے۔

حقیقت میں اگر ہم خود اپنے آپ سے چوکس اور ہوشیار رہیں اور لوگ باہر سے ہمارے بارے میں محتاط رہیں اور مجموعی طور سے ایک سیاسی وحکومتی نظام لوگوں کی خوبیوں اور نیک اعمال کی حوصلہ افزائی اور برے کاموں سے روکنے کی ذمہ داری سنبھالے تو ہم سب سے اچھی امت بن سکتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کا فرمان ہے:

﴿کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ﴾(۴)

نہج البلاغہ میں آیا ہے کہ: ''تمام نیک اعمال حتیٰ خدا کی راہ میں جہاد بھی امر بمعروف کے مقابلے میں، سمندر کے پانی کے مقابل دہن کی تری کے مانند ہیں''۔(۵)

امر بمعروف اور نہی از منکر کی جبلّی وفطری بنیادیں

تاریخ بشر سے پتہ چلتا ہے کہ تمام ماں باپ اپنے بچوں کو کچھ کام انجام دینے کی ترغیب اور کچھ کاموں سے منع کرتے رہے ہیں۔ اس لحاظ سے امر ونہی، تشویق وتہدید ہر انسان کی فطرت

۴- سورہ آل عمران/آیہ ۱۱۰۔

۵- نہج البلاغہ، کلمات قصار، ص ۳۷۴: ''کنفثۃ فی بحر لجّی''۔

میں موجود ہے اور کسی خاص زمان و مکان یا کسی خاص نسل و علاقہ سے مخصوص نہیں ہے۔ پس جو مسئلہ اس طرح وسعت رکھتا ہو، یہی اس کے فطری ہونے کی نشانی ہے۔

خطرات کے مقابل حیوانات کا ردِّ عمل:

خطرات اور غلطیوں کے مقابل تہدید یا آواز اٹھانا صرف انسانوں سے مخصوص نہیں ہے۔ ہم قرآن مجید میں پڑھتے ہیں کہ: ''جوں ہی ایک چیونٹی نے دیکھا کہ حضرت سلیمانؑ اپنے لشکر کے ساتھ آ رہے ہیں تو اس نے چیختے ہوئے تمام چیونٹیوں سے کہا: اپنی بلوں میں چلی جاؤ تا کہ ان کے پیروں تلے روندی نہ جاؤ!'' (۶)

اسی طرح ہدہد نے جب ملک صبا کے اوپر سے اپنی پرواز کے دوران پایا کہ اس ملک کے لوگ سورج کی پوجا کرتے ہیں تو حضرت سلیمانؑ کے حضور آ کر اپنی فریاد کے ذریعہ اس گمراہی کی شکایت کی۔ (۷)

اس لئے، گمراہی کے خلاف فریاد بلند کرنا اور دوسروں کے بارے میں ہمدردی دکھانا صرف انسانوں کا فطری مسئلہ نہیں ہے بلکہ حیوانوں میں بھی اس قسم کے جبلّی ریشے پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ لاابالی انسان حیوان سے بدتر ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ البتہ امر بمعروف اور نہی ازمنکر کے بارے میں تمام لوگوں کی ذمہ داری یکساں نہیں ہے بلکہ علماء اور حکام کی ذمہ داری دوسروں کی نسبت زیادہ سنگین ہے۔ (۸)

۶-حَتّیٰ اِذَااَتَوْا عَلیٰ وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ یا اَیُّهَاالنَّمْلُ اُدْخُلُوا مَساکِنَکُم لا یَحْطِمَنَّکُم سُلَیمانُ و جُنُودُه وَهُم لا یَشْعُرونَ. (نمل/۱۸)

۷-وَجَدْتُهاوَقَومَها یَسجُدُونَ لِلشَّمسِ مِن دُونِ اللهِ...(نمل/۲۴)

۸-لَولا یَنْهٰا هُمُ الرَّبّانِیُّونَ وَالْاَحبارُ عَن قَولِهِمُ الْاِثْمَ.(مائده/۶۳)

عقلی بنیاد:

امر بمعروف اور نہی از منکر ایک عقلی ضرورت ہے۔ یہ مسئلہ اتنا واضح اور روشن ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ اگر اس کی وضاحت کروں تو خود یہ وضاحت آفتاب کے سامنے ابر کی مانند اس کی شفافیت کو کم نہ کردے۔

کونسا عاقل ہوگا جو خطرے اور گمراہی کے مقابل خاموشی اختیار کرنے کو پسند کرے اور اس کی مذمت نہ کرے؟

کونسی عقل ہے جو راہنمائی، ہمدردی، نیک کام کے لئے ہمت افزائی اور برے کاموں سے روکنے کو ضروری نہ سمجھے؟

چونکہ دین اسلام عقل وفطرت کے مطابق ہے، اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ امر بمعروف اور نہی از منکر سے متعلق تمام آیات وروایات ہمیں اسی عقلی فیصلے کی طرف راہنمائی اور ہدایت کرتی ہیں۔

قرآن مجید میں امر بمعروف

امر بمعروف کا مسئلہ پیغمبر اسلام کی بعثت کے ابتدائی دنوں سے ہی مکہ میں اسلام کی توجہ کا مرکز بنا تھا۔ مثال کے طور پر سورہ والعصر- جو مسلمانوں کے درمیان ایک دوسرے سے جدا ہوتے وقت کا نعرہ تھا- اور اوائل بعثت میں مکہ مکرمہ میں نازل ہوا ہے، اس کے جملہء :تواصوا بالحق وتواصوا بالصبر ، میں امر بمعروف کی طرف اشارہ ہے۔

انبیاء کا سب سے پہلا فریضہ

قرآن مجید امر بمعروف اور نہی از منکر کو انبیاء کا اولین فریضہ بیان کرتا ہے اور فرماتا ہے: ''ہم نے ہر امت میں ایک پیغمبر کو مبعوث کیا ہے اور ان کا سب سے اہم فریضہ

دو چیزوں پر مشتمل تھا: اول یہ کہ خدائے واحد کی عبادت کرنے کا حکم دیں جو سب سے بڑا معروف ہے (ان اعبدوا اللہ) اور دوسرا یہ کہ طاغوتوں کی اطاعت کرنے سے منع کریں جو سب سے بڑا منکر (اجتنبوا الطاغوت) ہے۔(۹)

سورۂ اعراف میں بھی بیان ہوا ہے: ''پیغمبر اسلامؐ -جن کا ذکر تورات اور انجیل میں آیا ہے- کا سب سے پہلا فریضہ امر بمعروف اور نہی از منکر ہے۔(۱۰)

بہترین امت کی علامت

قرآن مجید مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''تم لوگ بہترین امت ہو جو لوگوں پر ظاہر ہوئے ہو، اس شرط پر کہ امر بمعروف اور نہی از منکر کرو۔''(۱۱)

قرآن مجید، باوجود اس کے کہ بے جا تعصبات، تحریفات اور بیہودہ توقعات کے لئے اہل کتاب کی تنقید کرتا ہے، لیکن ان ہی میں سے بعض لوگوں کے ایمان، آیات الٰہی کی تلاوت اور امر بمعروف اور نہی از منکر کے لئے، ستائش و تعریف کرتا ہے۔(۱۲)

امر بمعروف ایسا کام ہے جسے خدائے تعالٰی انجام دیتا ہے: ﴿إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾(۱۳)

بیشک امر بمنکر کار شیطان ہے: ﴿الشَّيطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ﴾(۱۴)

۹- سورہ نحل، آیہ ۳۶: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولاً أَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ.

۱۰- اعراف/۱۵۷. اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُونَ.

۱۱- كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. (آل عمران/۱۱۰)

۱۲- لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللهِ... ★ يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ وَ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. (آل عمران/۱۱۳، ۱۱۴.)

۱۳- سورہ نحل/۹۰۔

۱۴- سورۂ بقرہ، آیہ ۲۶۸۔

امر بمعروف ایک عمومی فریضہ ہے، اس سلسلے میں قرآن مجید فرماتا ہے:

''مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں آپس میں سب ایک دوسرے کے ولی و مددگار ہیں کہ یہ سب ایک دوسرے کو نیکیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔'' (۱۵)

اس آیۂ شریفہ میں مندرجہ ذیل چند نکات قابل توجہ ہیں:

۱- تمام لوگ سن و قوم و رنگ و نسل کے استثناء کے بغیر، دوسرے مؤمنوں پر ولایت کا حق رکھتے ہیں۔ یعنی ان کا ایک دوسرے کو امر و نہی کرنا ولایت کے حق کی بنیاد پر ہے جسے خدا نے مقرر فرمایا ہے اور اس کام کو بے جا مداخلت، مزاحمت اور فضول کہنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔

۲- یہ حق ایمان کی بنیاد پر مسلمانوں کو دیا گیا ہے اور دیگر لوگوں کے لئے یہ حق نہیں ہے۔

۳- ہمیشہ امر بمعروف، نہی از منکر پر مقدم رہا ہے تاکہ ہمیں سمجھایا جائے کہ کام کو مثبت راہ سے شروع کریں اور معاشرے میں صرف تنقید کرنے والے نہ ہوں۔

۴- اس آیت میں امر بمعروف اور نہی از منکر کو نماز و زکات سے پہلے بیان کیا گیا ہے، کیونکہ نماز کے قیام اور زکات کی ادائیگی کے لئے ایک سلسلۂ تبلیغات کی ضرورت ہے اور یہ تبلیغات یہی امر بمعروف ہے۔ مثال کے طور پر جب نماز میں ہم بلند آواز سے کہتے ہیں ''حی علی الصلوٰۃ'' تو یہ کلمہ خود امر بمعروف ہے جو نماز پر مقدم قرار پایا ہے۔ قرآن مجید کی رو سے نماز کا قیام بذات خود نہی از منکر ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے:

''اِنَّ الصَّلٰوۃ تنھیٰ عن الفحشاء و المنکر'' (۱۶)

۵- اگرچہ ترجیحات کو درنظر رکھنا چاہئے، لیکن جو چیز اسلام کی پسند ہے وہ تمام معروفات کی

۱۵- وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. (توبہ/۷۱)۔

۱۶- سورۂ عنکبوت، آیہ ۴۵۔

سفارش اور تمام منکرات سے اجتناب ہے۔

دوسرے لفظوں میں ہم اسی صورت میں مطلوب و پسندیدہ سماج کو تشکیل دے سکتے ہیں جب:

۱) زن و مرد دونوں قیام کریں۔

۲) ولایت و محبت کی بنیاد پر امر و نہی کریں۔

۳) اچھائیوں اور مثبت کاموں سے شروع کریں۔

۴) تمام مثبت اور منفی نکات پر توجہ رکھیں۔

یہ عام مسلمانوں کا فریضہ تھا، لیکن بعض آیات سے پتہ چلتا ہے کہ ان دو عظیم ذمہ داریوں کے لئے ایک خاص جماعت کی بھی ضرورت ہے۔

مخصوص گروہ

قرآن مجید فرماتا ہے کہ:

''تم میں سے ایک گروہ کو نیکیوں کی طرف دعوت اور معروف کا امر اور منکر سے نہی کرنا چاہئے۔'' (۱۷)

عمومی فریضہ سے اس گروہ کا حساب جدا ہے۔ اس گروہ کو پوری طاقت اور وسائل کے ساتھ میدان عمل میں آنا چاہئے تاکہ منکرات یعنی برے کاموں کے لئے رکاوٹ بنیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی گاڑی کسی سڑک پر ممنوع سمت میں حرکت کرتے پائی جائے تو دو فرائض پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو عام ڈرائیوروں کا فریضہ ہے کہ اس کی خلاف ورزی کو ہارن بجا کر یا لیمپ روشن کر کے اسے سمجھائیں اور ایک فریضہ پولیس کا ہے کہ اسے جرمانہ کرے۔

۱۷- وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُونَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ. (آل عمران/۱۰۴)

امر بمعروف اور نہی از منکر کی اہمیت کے بارے میں یہ کم نہیں کہ قرآن مجید میں آمرین معروف کا نام انبیاء کے ساتھ لیا گیا ہے اور اُن کے قاتلوں کی سزا انبیاء کے قاتلوں کے برابر ہے۔(۱۸)

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کامیابی، خاموشی اور گوشہ نشینی میں ہے۔ حقیقت میں یہ درست نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس قرآن مجید ان لوگوں کو کامیاب و کامران جانتا ہے جو دوسروں کو نیکی کی دعوت دیتے اور امر بمعروف کرتے ہیں۔(۱۹)

لیکن امر بمعروف و نہی از منکر اسی صورت میں کرامت و فضیلت کا حامل ہوسکتا ہے جب یہ کام ایمان پر مبنی ہو اور الٰہی جذبہ کے ساتھ انجام پائے۔(۲۰)

اگر چہ علماء اور متقی و پرہیزگار لوگوں کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں لیکن امر بمعروف و نہی از منکر تمام لوگوں پر فرض ہے کہ ایک دوسرے کو حق اور صبر کی طرف دعوت دیں(۲۱)۔ایک دوسرے کو منکرات سے روکیں(۲۲)۔اور اس راہ میں مشکلات اور سختیاں برداشت کرنے کے لئے آمادہ رہیں۔

اگر چہ انسان میں خدا کی روح پھونکی گئی ہے۔ وہ زمین پر خدا کا جانشین ہے اور خصوصی کرامت و فضیلت کا حامل ہے، لیکن خواہشات کی سرکشیوں، شیطانی وسوسوں اور طاغوتوں کی استکباریت کو قابو میں رکھنے کی شدید ضرورت ہے۔اور خدائے تعالیٰ نے اسے قابو میں رکھنے کے لئے مختلف طریقے معین کئے ہیں، جیسے:

۱۸-یقتلون النّبیّین بغیرِ حقٍّ وَ یقتلون الّذین یأمرون بالقسط من النّاس فبشّرهم بعذابٍ الیم.(آل عمران/۲۱)

۱۹-یدعون الی الخیرِ ویأمرون بالمعروفِ...اولئک هم المفلحون.(آل عمران/۱۰۴)

۲۰-تأمرون بالمعروفِ وتنهون عنِ المنکرِ وتؤمنون باللّٰه. (آل عمران/۱۱۰)

۲۱-وتواصوا بالحقّ وتواصوا بالصّبر.(العصر/۳)

۲۲-کانوا لا یتناهون عن منکرٍ فعلوه...(مائده/۷۹)

۱)''عقل'' کا مقدس لفظ جس کے معنی عقال ہیں اور جو انسان کو قابو میں رکھنے کا وسیلہ ہے۔ اگر عقل کی یہ لگام نہ ہوتو انسان اپنے آپ کو بہت جلد نابود کر دے۔

۲)فطرت بھی انسان کو نیکیوں کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

۳)خدا کے پیغمبر اور انبیاء بھی اسی غرض سے مبعوث ہوئے ہیں۔(۲۳)

۴)امر بمعروف اور نہی از منکر بھی لوگوں کے لئے ہدایت کا بہترین وسیلہ ہے۔

حقیقت میں اگر انسان کے لئے یہ رکاوٹیں نہ ہوں اور وہ اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق قدم اٹھائے تو فتنہ وفساد آسمان سے باتیں کرتے نظر آئیں گے۔(۲۴)

زمانۂ جاہلیت میں نہی از منکر:

زمانۂ جاہلیت میں مشرک جوانوں کے ایک گروہ نے آپس میں عہد و پیمان کیا کہ مکہ کے مسافروں پر حملہ کرنے اور ان پر ظلم کرنے کی کسی کو اجازت نہیں دیں گے اور مظلوموں کی حمایت کریں گے۔ ان دنوں پیغمبر اکرمؐ ابھی پیغمبر کی حیثیت سے مبعوث نہیں ہوئے تھے، لیکن آپ نے مظلوم کی حمایت اور ظالم کے خلاف مکہ کے جوانوں کی اس تحریک میں شرکت فرمائی اور مبعوث ہونے کے بعد فرمایا: ''آج بھی اگر مظلوموں کے دفاع کے لئے مجھے دعوت دیں گے تو میں شرکت کروں گا''۔(۲۵)

امر بمعروف اور نہی از منکر سے توحید کا رابطہ:

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: ''کلمۂ لا الہ الا اللہ عذاب الٰہی سے انسان کو بچاتا ہے بشرطیکہ اس کلمۂ

۲۳-نہج البلاغہ، خطبہ ۱۔

۲۴-وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَائَهُم لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ.(سورہ مؤمنون/۷۱)

۲۵-ولو ادعی به فی الاسلام لاجبتُ۔(مختار ماہ، ج ۱، ص ۶۴، از مرحوم دکتر آیتی)

مبارکہ کی تحقیر و سبکی نہ کی جائے۔"

ایک شخص نے پیغمبر اکرمؐ سے پوچھا: "کیسے ممکن ہے کہ کلمۂ توحید کی سبکی کی جائے؟ آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا: "اگر گناہ کھلم کھلے انجام پائیں اور گناہگار کو کوئی منع نہ کرے اور اسے گناہوں سے نہ روکے، تو یہی توحید کی بے احترامی ہے"۔ (۲۶)

امر بمعروف و نہی از منکر سے نبوت کا رابطہ:

ہم سورۂ اعراف میں پیغمبر اسلام کی ذمہ داریوں کے بارے میں پڑھتے ہیں:

"وہ لوگوں کو امر بمعروف اور نہی از منکر کرتے ہیں" (۲۷)

خدائے تعالیٰ کی وحدانیت کی پرستش سے بہتر کون سا معروف اور نیک عمل ہوسکتا ہے اور طاغوت کی اطاعت سے بدتر کون سا منکر ہوسکتا ہے؟ قرآن مجید بیان فرماتا ہے:

"تمام پیغمبروں کا فرض یہ ہے کہ لوگوں کو خدا کی بندگی کی دعوت دیں اور انھیں طاغوت سے دوری اختیار کرنے کی ہدایت کریں" (۲۸)

امر بمعروف و نہی از منکر سے امامت کا رابطہ

امام حسین علیہ السلام اپنے قیام کے مقصد کے بارے میں فرماتے ہیں:

"کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور باطل کو روکا نہیں جا رہا ہے؟" (۲۹)

اور دوسری جگہ پر فرماتے ہیں:

"مجھے امر بمعروف اور نہی از منکر کرنا ہے، میں اپنے نانا کے دین میں اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔"

۲۶-میزان الحکمہ، ج۶، ص۲۶۶۔

۲۷-يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ. الاعراف/۱۵۷۔

۲۸-وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولاً أَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ. (نحل/ ۳۶)

۲۹-الاترون ان الحق لايعمل به و ان الباطل لايتناهى عنه.

امر بمعروف اور نہی از منکر کرنے والوں کا درجہ:

ہم سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۱ اور ۱۱۲ میں پڑھتے ہیں:

''بیشک اللہ نے صاحبان ایمان سے اُن کے جان و مال کو جنّت کے عوض خرید لیا ہے کہ یہ لوگ راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں۔ دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور پھر خود بھی قتل ہو جاتے ہیں۔ یہ وعدۂ برحق، توریت، انجیل اور قرآن میں ہر جگہ ذکر ہوا ہے اور خدا سے زیادہ اپنے عہد کا پورا کرنے والا کون ہوگا؟''

اس کے بعد فرماتا ہے:

''اب تم لوگ اپنی اس تجارت پر خوشیاں مناؤ جو تم نے خدا سے کی ہے کہ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے''

آگے چل کر فرماتا ہے:

''یہ سر بکف لوگ توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد پروردگار کرنے والے، راہ خدا میں سفر کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکیوں کا حکم دینے والے، برائیوں سے روکنے والے اور حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں''

مذکورہ دونوں آیتوں پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہمیں امر بمعروف کرنے والوں کے صفات معلوم ہو جاتے ہیں۔ یہ جان پر کھیلنے والے اور بہادر لوگ ہیں۔ دن میں ان کے جوشیلے نعرے، شب میں ان کے اشک و توبہ اور رکوع و سجود کے ساتھ ہوتے ہیں۔ وہ گمراہوں کو انتباہ کرتے ہوئے قانون الٰہی کی حفاظت و پاسداری کی بھی رعایت کرتے ہیں۔

حقیقت میں، خدائے تعالیٰ نے جس عظیم کامیابی کا ان کی ستائش کے ذیل میں وعدہ کیا ہے، لوگوں کے اسی گروہ سے مخصوص ہے، ان لوگوں کے لئے نہیں جو گمراہ ہیں اور خود تو قوانین کو رد

لائٹ سے گزرنے والوں کی طرح پامال کرتے ہیں، لیکن بے پردہ خواتین کو روکتے ٹوکتے ہیں۔

امر بمعروف، روایات کی روشنی میں:

پیغمبر اسلام نے فرمایا:

''امر بمعروف کرنے والے زمین پر خدا کے خلیفہ ہیں۔'' (۳۰)

ایک اور حدیث میں فرمایا:

''خدائے تعالیٰ، بے دین مؤمن کا دشمن ہے''

سوال کیا گیا، یا رسول اللہ! کیا مؤمن بھی بے دین ہو سکتا ہے؟

فرمایا: ''وہ مسلمان جو امر بمعروف نہ کرے، بے دین ہے۔'' (۳۱)

حضرت علیؑ نے فرمایا:

''نہی از منکر فاسقوں کی ناک زمین پر رگڑنے کے برابر ہے (۳۲) امر بمعروف اور نہی از منکر اخلاق الٰہی میں سے دو اخلاق ہیں، جو بھی ان دو خدائی فرائض کی نصرت کرتا ہے خدائے تعالیٰ اسے عزّت دیتا ہے۔'' (۳۳)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں ''اگر امر بمعروف اور نہی از منکر عام لوگوں کے لئے ایک مصلحت ہے (کار خیر کے بارے میں ان کے شوق کو بڑھاتا ہے) اور نہی از منکر کم عقل لوگوں کے لئے، جن میں گمراہی کے امکانات بیشتر ہیں، ایک قوی محافظ ہے۔'' (۳۴)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام شکایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۳۰۔پیغمبرؐ نے فرمایا: من امر بالمعروف ونهى عن المنكر فهو خليفة الله في ارضه (تفسیر نمونہ، ج ۳، ص ۳۸)۔

۳۱۔بحار، ج ۹۷، ص ۸۶

۳۲۔حضرت علیؑ نے فرمایا: من نهى عن المنكر ارغم انوف الفاسقين (غرر الحکم)۔

۳۳۔امالی الاخبار، ص ۲۷۰۔

۳۴۔ان الامر بالمعروف مصلحة العامة والنهى عن المنكر روعاً للسفهاء (کلمات قصار شمارہ ۲۵۲)۔

ایسے بھی لوگ ہیں کہ اگر نماز، ان کے مال و جان کو نقصان پہنچائے تو اسے ترک کر دیتے ہیں، جس طرح امر بمعروف و نہی از منکر کو جو عظیم اور شریف ترین واجبات میں سے ہے ترک کرتے ہیں۔'' (۳۵)

منکرات کو نہ روکنے والے کی مثال اس شخص کے جیسی ہے جس نے ایک زخمی کو سڑک کے کنارے چھوڑ دیا ہو، تا کہ وہ مر جائے۔ (۳۶)

بدکاریوں کے مقابلے میں خاموش تماشائی بن کر بیٹھنے والے زندوں میں مردوں جیسے ہیں۔

منکرات ایک ایسی آگ کے مانند ہے کہ اگر اسے نہی کے ذریعہ نہ بجھایا گیا تو وہ تمام چیزوں کو جلا کر راکھ کر ڈالے گی۔ (۳۷)

اگر تم ایک ڈسنے والے جانور کو کسی سوئے ہوئے شخص کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر شور نہ مچاؤ تو اس کے قتل میں شریک ہو۔ (۳۸)

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو برے کاموں کو روکنے کی طاقت رکھتے ہوئے ایسا کام نہ کرے تو وہ گناہکار ہے اور ایسے شخص نے خدا سے دشمنی کا اعلان کیا ہے۔ (۳۹)

حقیقت میں جو شخص گناہ کو کھلم کھلا انجام دیتا ہے، وہ خدا کے دین کو ذلیل کرتا ہے اور دشمنانِ خدا کو خوش کرتا ہے۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: '' کچھ لوگ نہ پیغمبر ہیں اور نہ شہید، لیکن جو رتبہ انہوں نے امر بمعروف

۳۵-ولواضرت الصلٰوة بسائر مايعملون باموالهم وابدانهم سرفضوها كما رفضوااسمى الفرائض واشرفها (فروع کافی ج ۴ص ۵۵ بہ نقل از میزان الحکمہ)۔

۳۶- کنز، ج ۳، ص ۷۰ا (متن عربی)۔

۳۷- بحار، ج ۱۴، ص ۳۰۸ (متن عربی)۔

۳۸- مستدرک، ج ۱۲، ص ۱۸۴ (متن عربی)۔

۳۹- مستدرک، ج ۲، ص ۳۵۷۔

کی وجہ سے پایا ہے اس پر لوگ رشک کرتے ہیں''۔ (۴۰)

قرآن مجید میں ہے: ﴿قُوا اَنْفُسَکُمْ وَاَهْلِیکُمْ نَاراً﴾ خود اور اپنے رشتہ داروں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

اس آیت سے متعلق روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جہنم کی آگ سے نجات، امر بمعروف اور نہی از منکر کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے۔

اگر لوگ منکر کے مقابلے میں خاموش رہیں تو سب کے سب خدا کے غضب کا شکار ہوں گے:

﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِیبَنَّ الَّذِینَ ظَلَمُوا مِنْکُمْ خَاصَّةً﴾ (انفال/۲۵)

''جو کوئی امر بمعروف و نہی از منکر پر ایمان نہ رکھتا ہو، وہ دین سے عاری ہے'' (۴۱)

''امر بمعروف و نہی از منکر اور حدود الٰہی کا نفاذ دین کا قلعہ ہے۔'' (۴۲)

''امر بمعروف و نہی از منکر اور حدود الٰہی کا نفاذ دین کی بنیاد ہے۔'' (۴۳)

خدائے تعالیٰ اس بات پر راضی نہیں ہے کہ روئے زمین پر گناہ اور معصیت ہوتی رہے اور اولیائے خدا خاموش تماشائی بن کر رہیں؟ (۴۴)

رسول خداؐ نے فرمایا: ''جبرئیل امین میرے پاس آئے اور کہا: اسلام کے دس حصے ہیں اور اس کا ساتواں حصہ امر بمعروف اور نہی از منکر ہے۔''

جو مسلمان نہی از منکر نہیں کرتا اسے روایت میں ضعیف اور بے دین کا لقب دیا گیا ہے اور اس

۴۰-مستدرک، ج ۲، ص ۳۵۸۔

۴۱-لادین لمن لایدین اللہ بالامر بالمعروف والنهی عن المنکر۔ (بحار، ج ۹۷، ص ۸۶)

۴۲-غایة الدین الامر بالمعروف والنهی عن المنکر واقامة الحدود (مستدرک، ج ۲، ص ۳۵۹)

۴۳-قوام الشریعة الامر بالمعروف والنهی عن المنکر واقامة الحدود (غرر الحکم بہ نقل از میزان)۔

۴۴-ان اللہ لم یرض من اولیائه ان یعص وهم سکوت ندعنون (نہج السعادۃ، ج ۲/۲۲۶)۔

پر غضب الٰہی نازل ہوتا ہے۔ (۴۵)

قرآن مجید فرماتا ہے:

''حضرت داؤد و حضرت عیسیٰ علیہما السلام جیسے پیغمبروں نے نہی از منکر نہ کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔'' (۴۶)

امر بمعروف و نہی از منکر انبیاء کا طریقہ، صلحا کی سیرت اور ایک عظیم واجب ہے۔ اس کی انجام دہی سے راستے پُر امن، آمدنی حلال اور لوگوں کے حقوق ادا ہوتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کے نہی از منکر سے چند سبق:

امام حسین علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ میں جب دیکھا کہ یزیدی لشکر اہل بیت کے خیموں کی طرف حملہ آور ہو رہا ہے تو، یہ آخری جملہ اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اگر تم لوگ دین نہیں رکھتے، تو کم از کم اپنی دنیا میں آزاد رہو!'' اس جملہ نے اتنا اثر کیا کہ جب تک امامؑ زندہ تھے فوج نے خیموں پر حملہ کرنے سے اجتناب کیا۔ ہم امام علیہ السلام کے اس آخر جملہ سے مندرجہ ذیل سبق حاصل کر سکتے ہیں:

۱) نہی از منکر زندگی کے آخری لمحہ تک واجب ہے۔

۲) نہی از منکر وحشی ترین افراد کے بارے میں بھی واجب ہے۔

۳) اگر چند منکرات انجام پاتے ہوں اور ہم ان میں سے ایک کو روک سکیں تو اس ایک کے بارے میں بھی قدم اٹھانا واجب ہے۔

۴۵-ان الله لیبغض المؤمن الضعیف الذی لادین له،فقیل من هو؟ قال الذی لاینهی عن المنکر (وسائل ۱۱، ص ۳۹۹)۔

۴۶-لُعِنَ الَّذِینَ کَفَرُوا مِنْ بَنِی إِسْرائِیلَ عَلیٰ لِسانِ داوُدَ وَعِیسَی ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَکانُوا یَعْتَدُونَ ۔ کانُوا لا یَتَناهَوْنَ عَنْ مُنْکَرٍ فَعَلُوه. (سورہ مائدہ، آیہ ۷۸، ۷۹)

۴)ممکن ہے بدکردار انسان بھی ضمیر کی ملامت سے متاثر ہوکر بعض منکرات سے ہاتھ کھینچ لیں۔

۵)اگر لوگوں کے دین سے نہی از منکر کے سلسلہ میں استفادہ نہ کرسکیں تو ان کے دیگر صفات، جیسے جذبات سے استفادہ کرنا چاہئے۔

۶)ناموس کا تحفظ بڑے واجبات میں سے ہے۔

انتہائی مشکل حالات میں نہی از منکر:

امام سجاد علیہ السلام کے سامنے اُن کے باپ، بھائی، چچا اور پیغمبر کی اولاد کو شہید کیا گیا اور خود ان کو قیدی بنایا گیا اور کوفہ و شام کے شہروں میں پھرایا گیا۔ جب آپ کو شام کی مسجد میں پہنچایا گیا اور آپؑ نے دیکھا کہ خطیب منبر پر یزید کی تعریفیں کررہا ہے تو آپؑ نے تن تنہا یزید کے سامنے فریاد بلند کرتے ہوئے فرمایا: ''اے خطیب! تو نے اس چاپلوسی اور ستایش سے یزید کی رضامندی کا خدا کے قہر سے سودا کیا ہے۔ تجھ پر خدا کا غضب ہے۔ مجھے ان لکڑی کے ٹکڑوں (منبر) پر چڑھ کر اس چاپلوس خطیب کی جگہ پر بیٹھنا چاہئے تا کہ سب سے بڑے معروف یعنی حضرت محمدؐ و اہل بیتؑ پیغمبرؐ کے اسلام کو زندہ کروں۔''

اس کے بعد امام سجادؑ منبر پر تشریف لے گئے اور اپنی تقریر کے ذریعہ فکری، ثقافتی، جذباتی اور سیاسی طور سے انقلاب برپا کردیا۔ (ملاحظہ ہو مقاتل)(۴۷)

خاموشی جائز نہیں، تحریک اور آواز اٹھانے کی ضرورت ہے!

ایک روز حضرت امام صادق علیہ السلام کسی کے ہاں دعوت پر تھے۔ ایک مہمان نے میزبان سے اشارتاً پانی مانگا۔ اُس نے شراب پیش کی۔ امام جوں ہی متوجہ ہوئے محفل سے اٹھ گئے اور

۴۷۔ ملاحظہ ہو مقاتل (لھوف سید بن طاووس)

فرمایا: ''جس محفل میں شراب نوشی ہوتی ہو، نہ یہ کہ شراب کو نہ پیا کریں بلکہ اس محفل کو ہی ترک کردینا چاہئے تا کہ دوسرے لوگ بھی سمجھ لیں کہ شراب پینا ایک برا کام ہے۔'' (۴۸)

تاریخ میں آیا ہے کہ: اسامہ بن زید- جو رسولؐ کی رحلت کے زمانہ میں ۱۸ سال کے تھے اور آنحضرتؐ نے آپ کو جنگ کا سپاہ سالار بنایا تھا- ایک روز امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور آپؑ سے کسی امر میں مدد چاہی۔ امام نے فرمایا: میں تمہاری مدد نہیں کرونگا!۔ اس نے کہا: میں وہی اسامہ، رسول خداؐ کا قریبی صحابی ہوں!۔ آپؑ نے فرمایا: یہ صحیح ہے، لیکن یاد ہے کہ جب ہم معاویہ سے نبرد آزما تھے تو تم نے خاموشی اختیار کی اور تمہاری یہ خاموشی معصیت تھی۔ اگرچہ تم نے معاویہ کا ساتھ نہیں دیا لیکن تمہاری خاموشی نے اس کی مدد کی۔ لہٰذا خاموشی کی منطق چاہے گناہ سے بچاؤ کے لئے ہو صحیح منطق نہیں ہے۔

اسلامی انقلاب سے پہلے، شاہ کے زمانے میں پارلیمنٹ کے ایک رکن نے امام خمینیؒ کی خدمت میں آ کر کہا: ''پارلیمنٹ میں ایک قانون کو پاس کرنا چاہتے تھے جو خلاف اسلام تھا لہٰذا میں نے اس کے حق میں ووٹ نہیں دیا''۔ امامؒ نے غصے کی حالت میں فرمایا: ''اتنا ہی کافی نہ تھا۔ آپ کو اس کے خلاف آواز اٹھانا چاہئے تھی اور پارلیمنٹ کو ترک کرنا چاہئے تھا۔''

لہٰذا نیک لوگوں کو کجرویوں اور انحرافات کے مقابل خاموش نہیں رہنا چاہئے۔ اگر نیک لوگ میدان عمل میں کود پڑیں گے تو آلودہ ماحول کو بدل سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر نیک اور اچھے لوگ اول ظہر اذان کہیں تو ماحول پوری طرح بدل جائے گا۔

۴۸- بحار، ج ۹۷، ص ۱۳۱/۵۴۔

امر بمعروف کی اہمیت

ظاہر ہے کہ امر بمعروف ونہی از منکر کا حساب نماز، روزہ وحج سے جدا ہے، کیونکہ یہ امور کسی دوسرے کو ضرر یا نقصان نہیں پہنچاتے۔ لہذا کسی کو ان سے اختلاف نہیں ہے۔

لیکن نہی از منکر، لوگوں کی گمراہیوں اور نفسانی خواہشات سے ایک ٹکر ہے، لہذا خود بخود کچھ لوگ اس کے مقابل کھڑے ہو جاتے ہیں۔

منکر و معروف کی پہچان ہر ایک کا کام نہیں اور مختلف افراد سے روبرو ہونے کے لئے بھی نفسیاتی تبلیغات کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن امر بمعروف اسی وقت موثر ثابت ہوتا ہے جب کہ امر بمعروف اور نہی از منکر کرنے والے بہترین اخلاق، کافی اطلاعات اور ضروری تربیت کے مالک ہوں۔

دوسری طرف حکومت اور عوام ہر قسم کی مالی اور قانونی حمایت سے دریغ نہ کریں۔ مثال کے طور پر ریڈیو اور ٹی وی کی تمام فلموں اور دیگر پروگراموں کا مقصد معاشرے میں نیک کاموں کی ترویج اور برے کاموں کو نابود کرنے پر مبنی ہو اس کے علاوہ عوام بھی امر بمعروف کو ایک اسلامی فریضہ سمجھیں نہ کہ مزاحمت و مداخلت۔ در و دیوار کے پوسٹروں میں بھی ایسے جملے لکھے جانے چاہئیں جو لوگوں کو کمال اور نور کی طرف دعوت دیں اور معاشرے کا ماحول اسلامی بالیدگی اور نیکیوں کے ماحول میں تبدیل اور برے کاموں سے پاک ہو جائے۔

روایات کے مطابق امر بمعروف خدا کی راہ میں جہاد سے بھی اہم ہے، کیونکہ جہاد پوری عمر میں ایک دوبار واقع ہوتا ہے جبکہ یہ الٰہی واجب شب وروز لوگوں کی نگاہوں کے سامنے آتا رہتا ہے۔

امر بمعروف اور نہی ازمنکر کی عدم موجودگی میں اسلامی معاشرہ کی کوئی ضمانت نہیں ہے، اور ہر روز سامری جیسا کوئی فنکار سونے کا ایک گوسالہ بنا کر آسانی کے ساتھ ہماری نوجوان نسل کو ثقافتی یلغار کا شکار بنا سکتا ہے۔علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امر بمعروف ونہی ازمنکر قطعی واجبات میں سے ہے اور یہ مسئلہ اس قدر اہم ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: ''میرا کربلا جانے کا مقصد امر بمعروف اور نہی ازمنکر ہے۔''

امر بمعروف کے ذریعہ معاشرے میں تمام واجبات رائج ہو سکتے ہیں۔ نہی ازمنکر کے ذریعہ تمام برائیوں پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ اگر دنیا بھر کے ایک ارب مسلمان ہر روز صرف ایک نیک کام کا امر اور ایک منکر سے روکیں تو دنیا کا چہرہ ہی بدل سکتا ہے۔

جس دن امریکہ اور اسرائیل مسلمانوں کے کسی علاقہ پر بمباری کرتے ہیں، اگر ایک عرب مسلمان اس کے خلاف آواز بلند کریں تو وہ ایسا کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔

ہم نے ابھی اتحاد وایمان اور متحد آواز اٹھانے کا مزہ صحیح معنوں میں نہیں چکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک قطرہ پانی کسی کام کا نہیں ہوتا، لیکن جب یہی پانی کے قطرات جمع ہو کر ایک نہر کی صورت میں اور اس کے بعد دریا کی صورت میں ایک بند کے پیچھے جمع ہوتے ہیں تو ان سے بجلی پیدا کی جاسکتی ہے اور اس بجلی سے ایک علاقہ روشن کیا جاسکتا ہے۔

مرحوم شہید مطہریؒ فرماتے ہیں: ''قرآن مجید میں امر بمعروف کی آیت سے پہلے مسلمانوں کے اتحاد کا مسئلہ بیان ہوا ہے، یعنی اگر برے کاموں پر قابو پانا چاہتے ہو تو پہلے طاقتور بن جاؤ اور طاقتور تب ہی بن سکتے ہو جب متحد ہو جاؤ گے۔''

مرحوم شیخ انصاری فرماتے ہیں: ''اگر امر بمعروف اور نہی از منکر کے نفاذ کے لئے طاقت، ولایت اور حکومت کی ضرورت ہو تو اس صورت میں طاقت کا تشکیل دینا اور حکومت کا وجود میں لانا واجب ہے۔''

کل کے مفاسد، جھوٹ اور غیبت تھے کہ ایک شخص سے سرزد ہوتے تھے اور دوسرا شخص اس کو منع کرتا تھا، لیکن آج کے مفاسد، کی صورت جدا ہے۔ آج مسلمان اچانک اپنے آپ کو ایسی بڑی سازشوں کے مقابل پاتا ہے کہ اگر مہارت، ٹیکنالوجی، طاقت، اتحاد اور مناسب اقتصاد کا مالک نہ ہو تو اس کا سب کچھ لٹ سکتا ہے۔ اسلئے اجتمائی اور بین الاقوامی سطح پر نہی از منکر کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی نظام تشکیل پائے۔

آخری مقصد:

امر بمعروف کا مقصد نیک کاموں کا رواج اور نہی از منکر کا مقصد برے کاموں کو ترک کرنا ہے۔ لیکن اس سے مراد سطحی اور بے نتیجہ برتاؤ کرنا نہیں ہے۔

قرآن مجید فرماتا ہے: ''اگر کسی مجلس میں قرآن مجید کی آیات کی بے حرمتی ہو رہی ہو تو اعتراض کے طور پر جلسہ کو ترک کردو، تاکہ بحث کا موضوع بدل جائے ﴿حتّیٰ یخوضوا فی حدیث غیرہ﴾ (۴۹) اور اگر مجلس ترک کرنے سے بحث کا موضوع نہ بدلے تو کسی دوسری تدبیر کو اپنانا چاہئے، کیونکہ قرآن مجید میں صرف انتباہ اور جلسہ ترک کرنے کو مقصد قرار نہیں دیا گیا ہے بلکہ مقصد بحث کے موضوع کو بدلنا قرار پایا ہے۔ لہٰذا اس مقصد تک پہنچنے کے لئے ہر ممکن طریقہ سے استفادہ کیا جانا چاہئے۔ ہم بعض روایتوں میں پڑھتے ہیں: گناہگار کو اذیت و آزار دو تاکہ برے کام کو ترک کرے'' (حَتّیٰ یَترُکَہُ)۔ (۵۰)

۴۹۔ نساء/۱۴۰، انعام/۶۸۔

۵۰۔ التھذیب، ج ۶ ص ۱۸۱۔

اگر انتباہ اور آزار سے بھی منکر پر قابو نہ پا سکے تو ہماری ذمہ داری ختم نہیں ہوتی، بلکہ اور دوسرے طریقوں سے مقصد تک پہنچنا چاہیے۔

جنگ سے مربوط آیات میں مقصد، فتنہ کا ختم ہونا بیان ہوا ہے ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّىٰ لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ (۵۱)۔ اسلئے اس مقصد کو حاصل کرنے تک مختلف صورتوں میں پیکار کو جاری رکھنا چاہیے۔ یہ، مقصد سے متعلق ہے۔

لیکن تلاش وجد و جہد کی حد: نماز، روزہ اور حج جیسی عبادتوں کے اعمال سو فیصد تعبدی ہیں اور ان کی مقدار اور ان کا زمان بالکل واضح ہے۔ لیکن امر بمعروف اور نہی از منکر کی کوئی خاص حد و مقدار معین نہیں ہے اور اس کی مثال ایک بیمار کے طبیب کے پاس جانے جیسی ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایک بیمار اپنی پوری عمر میں معالجہ کے لئے کتنے طبیبوں کے پاس جائے اور ہر طبیب کے پاس کتنا وقت صرف کرے یا دوائی خریدنے کے لئے کتنے پیسے خرچ کرے، مقصد، مریض کا صحت یاب ہونا ہے، وقت صرف کرنا، پیسے خرچ کرنا اور جد و جہد کی حد و مقدار کی کوئی محدودیت نہیں ہے۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام فرماتے تھے: ہم اصلاح کے لئے اپنی پوری طاقت کو بروئے کار لاتے ہیں۔ (۵۲)

امر بمعروف و نہی از منکر، واجب عینی ہے یا کفائی؟

یعنی: "کیا امر بمعروف و نہی از منکر مردہ کی تدفین جیسا واجب ہے کہ چند لوگوں کے ذریعہ یہ کام انجام پانا کافی ہے، یا نماز کے قیام جیسا ہے کہ ہر فرد پر عیناً واجب ہے؟"

ہر نظریہ کے کچھ طرفدار ہوتے ہیں۔ یہاں پر چند نکات ہیں، جن کا بیان شائد بے فائدہ نہ

۵۱- بقرہ/۱۹۳

۵۲- اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ (ھود/۸۸)۔

ہوگا۔مثال کے طور پر:

۱)''قلبی انکار'' کے نقطۂ نظر سے ہر فرد پر واجب ہے کہ دل سے گناہ کے بارے میں متنفر ہو، لیکن ''عملی اور بیانی اقدام'' کے طور پر اتنا ہی کافی ہے کہ اگر بعض لوگ اقدام کریں تو دوسروں پر سے ذمہ داری ساقط ہوتی ہے۔(۵۳)

۲)اگر معروف سے ہمارا مقصود معاشرے کی تمام خوبیوں کو زندہ کرنا ہے،تو تمام لوگوں کو اٹھ کھڑے ہونا چاہئے،لیکن اگر مقصود نماز، روزہ، حج و...کو زندہ کرنا ہے تو گروہی اقدام کافی ہے۔ اسی طرح اگر منکر سے ہمارا مقصود معاشرے سے تمام برائیوں کو ختم کرنا ہے تو سب لوگوں کو یہ اقدام کرنا چاہئے، بالکل اسی طرح جس طرح صفائی کی جاتی ہے، اگر ہمارا مقصود تمام سڑکوں، بازاروں، مدرسوں، کوچوں اور گھروں کی صفائی کرنا ہو تو یہ کام تمام لوگوں سے مربوط ہے۔لیکن اگر مقصود کچھ حساس جگہوں کی صفائی کرنا ہو تو بعض لوگوں کے ذریعہ اس کام کی انجام دہی کافی ہے۔

امر بمعروف اور حق کی دعوت ایک گروہ سے مخصوص نہیں(۵۴)۔

معاشرے میں افراد کے کردار سے ہمیں غافل نہیں رہنا چاہئے۔اگر ایک فٹ بال کا کھلاڑی کھیل کے میدان میں تمام لوگوں کے حضور میں خدا کو یاد کرے اور نماز جماعت کو کھیل کے میدان میں قائم کرے، اگر ایک یونیورسٹی کا استاد نماز کے وقت درس کو تعطیل کر کے اوّل وقت نماز پڑھے اور اگر ٹی وی کا پروگرام پیش کرنے والے اپنا پروگرام روک کر نماز کو اول وقت میں ادا کریں تو اول وقت میں نماز ادا کرنے کی ثقافت سماج میں رائج ہو جائے گی۔

ایک یاد:

جس دن شاہ، ایران سے بھاگا، امام خمینیؒ پیرس میں تھے۔سیکڑوں خبر نگار اور فلمبردار آپ

۵۳-صاحب جواہر

۵۴-آیت ا...نوری کی کتاب امر بمعروف اور میری ایک مثال۔

کے گرد جمع ہوئے تا کہ اُن کے بیانات کو براہ راست دنیا والوں کو ٹیلی کاسٹ کریں۔

وہ دن ایران کی تاریخ کا اہم دن اور وہ بیان امامؒ کا سب سے اہم بیان تھا۔ امامؒ نے کرسی پر تشریف رکھ کر دنیا والوں سے چند جملے بیان کئے، اچانک ساتھ میں بیٹھے ہوئے اپنے بیٹے سے سوال کیا کہ: کیا نماز کا اول وقت ہو گیا ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا: جی ہاں، اس وقت نماز کا اول وقت ہے۔

امام نے اپنے کلام اور بیان کو- جو تمام دنیا میں براہ راست نشر ہو رہا تھا- فوراً قطع کیا اور نماز پڑھنے کے لئے چلے گئے۔ تمام خبر نگار اور قلمبر دار تعجب میں پڑ گئے کہ اچانک یہ گفتگو کا سلسلہ کیوں ٹوٹ گیا؟ ان سے کہا گیا: امام نماز کے اوّل وقت خدا سے گفتگو کرتے ہیں لوگوں سے نہیں!'' (۵۵)

امر بمعروف میں تسلّط و طاقت کا کردار:

سورۂ حج کی آیت ۴۱ میں آیا ہے:

''وہ لوگ جنھیں ہم نے زمین میں اختیار دیا تو انہوں نے نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی، نیکیوں کا حکم دیا اور برائیوں سے روکا۔'' (۵۶)

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ امر بمعروف و نہی از منکر کا مسئلہ بدکاروں کے سامنے صرف ایک عاجزانہ موعظہ نہیں ہے بلکہ طاقت کے ذریعہ ادا کی جانے والی ایک ذمہ داری ہے۔ طاقت کے بغیر بہت سے منکرات، خاصکر بین الاقوامی منکرات پر قابو نہیں پایا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے: ''اگر ایک گروہ دوسرے پر ظلم کرے تو سب مل کر طاقت کے ساتھ زیادتی کرنے والے

۵۵- اس واقعہ کو امام کے فرزند حجۃ الاسلام مرحوم حاج آقای سید احمد خمینیؒ نے ۱۳۷۳ھ ش. میں ٹیکسی ڈرائیوروں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

۵۶- اَلَّذِینَ اِنْ مَکَّنّٰا هُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکَاۃَ وَ اَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ... (حج/۴۱)

گروہ کے سامنے ڈٹ جائیں یہاں تک کہ وہ بھی حکم خدا کی طرف واپس آجائے''(۵۷)

اگر معاشرے میں طاقت وتسلّط نہ ہو، تو حدود، دیات اور قصاص جیسے احکام الٰہی نافذ نہیں ہوسکتے۔

سستی، بے حالی اور ڈر، ایسی بیماریاں اور بلائیں ہیں کہ دعاؤں میں ان چیزوں کے بارے میں خدائے تعالیٰ سے پناہ مانگی گئی ہے۔(۵۸)

جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کی ایک وجہ ان کی سستی تھی۔(۵۹)

بلاشبہ یہ طاقت، یکجہتی واتحاد، ایک عادل، شجاع، دوراندیش، ہوشیار اور ان ہی جیسی گوناگون خصوصیات کے مالک رہبر کی اطاعت کے نتیجہ میں حاصل ہوسکتی ہے۔

امر بمعروف اقتدار و طاقت کا نتیجہ ہے، ضعف و کمزوری کا سرچشمہ نہیں:

قرآن فرماتا ہے:''امرونہی کا سرچشمہ ولایت واقتدار ہے نہ کہ ضعف، مؤمن مرد اور عورتیں ایک دوسرے پر ولایت رکھتے ہیں۔ اسی لئے ایک دوسرے کو امر بمعروف اور نہی از منکر کرتے ہیں۔(۶۰)

اسلامی معاشرے میں تمام لوگ ایک دوسرے کا جزء ہیں(۶۱) اور ایک دوسرے سے محبت

۵۷-فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰا هُما عَلَى الْاُخْرىٰ فَقاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيءَ اِلىٰ اَمْرِ اللّٰه (حجرات/۹)

۵۸-اللهم انی اعوذبک من الکسل والفشل (بحار ۹۸،ص۹۳، ج۲)

۵۹-حَتّٰى اِذا فَشِلْتُم...(آل عمران/۱۵۲)

۶۰-وَالْمُؤمِنُونَ وَالْمُؤمِناتُ بَعْضُهُم اَوْلِياءُ بَعْضٍ يَاْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهَونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ (توبہ/۷۱)

۶۱-بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ (آل عمران/۱۹۵)

کرتے ہیں۔مثال کے طور پر: انصار اور مدینہ کے لوگ مہاجر مسلمانوں کے مدینہ میں داخل ہونے پر خوش تھے (۶۲)، حتیٰ سخت ترین حالات میں بھی ان کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔ (۶۳)

پیغمبر اسلامؐ نے کئی بار اُن کے درمیان اخوت و برادری قائم کی: بیشک مؤمنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (۶۴)

اس بناء پر، اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو کسی منکر سے روکے یا کسی نیک کام کی ہدایت کرے، تو اسے ایک فضول کام یا مداخلت نہ سمجھنا چاہئے، بلکہ اسے ایسا ہمدرد جاننا چاہئے جسے خدا کی طرف سے محبت، ولایت، نگرانی اور امر و نہی کا حق عطا کیا گیا ہے۔

نہی از منکر کا ایک قرآنی نمونہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا کو بت پرستی کرتے ہوئے دیکھا تو سوال کیا: ''یہ مجسمے، جن کی آپ عبادت کرتے ہیں، ان کی کیا حیثیت ہے؟'' (۶۵)

اس مختصر بیان میں امر بمعروف و نہی از منکر کے چند اہم اصول سامنے آتے ہیں:

۱-امر بمعروف کرنے والا شخص بالغ نظر اور صلاحیت کا مالک ہونا چاہئے۔

۲-امر و نہی میں سن و سال کی کوئی شرط نہیں ہے۔﴿قال لابیه﴾

۳-امر و نہی کو اپنے رشتہ داروں سے شروع کرنا چاہئے۔﴿قال لابیه﴾

۴-نہی از منکر کرتے وقت، سب سے پہلے بڑے سے بڑے منکرات سے نہی شروع کرنا چاہئے۔﴿ماهٰذِهِ التَّماثِیلُ﴾

۶۲- یُحِبُّونَ مَنْ هاجَرَ اِلَیْهِم (حشر/۹)

۶۳- ویُؤْثِرُونَ عَلیٰ اَنْفُسِهِم (حشر/۹)

۶۴-اِنَّما الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ (حجرات/۱۰)

۶۵-اِذْقالَ لِاَبِیهِ وقَوْمِهِ ماهٰذِهِ التَّماثِیلُ الَّتِی اَنْتُم لَها عَاکِفُون (انبیا/۵۲)

۵-امر و نہی کرتے وقت لوگوں کی توجہ خود ان کی فضیلت و کرامت و شخصیت کی طرف مبذول کرنی چاہیے۔﴿انتم لها عاكفون﴾

۶- امر و نہی میں بعض اوقات ایک آدمی ایک گروہ کے مقابل قرار پاتا ہے۔﴿لابيه وقومه﴾

۷- امر و نہی کرتے وقت سوال کی صورت میں ضمیروں کو بیدار کرنا چاہیے۔﴿ماهذه التماثيل﴾

۸-امر و نہی کرتے وقت واضح اور فیصلہ کن بات کہنی چاہیے۔﴿انتم و آبائكم﴾

یہ چند اصول اور سبق تھے جو پہلی نظر میں میرے ذہن میں آئے۔ اگر آپ اس پر مزید غور کریں یا تفاسیر کا مطالعہ کریں تو شاید اور بھی مطالب ہاتھ آئیں گے۔

امر بمعروف و نہی از منکر کے آثار و برکات

الف-معنوی برکتیں:

۱-قہر خدا سے نجات:

امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے فرمایا: ''جو شخص کسی منکر اور بُرے کام کو دیکھ کر اس سے قلباً بیزار ہوا، اس نے بلاشبہ خدا کے غضب سے نجات پائی ہے، اور جو کوئی بُرے کاموں کو زبان سے منع کرے۔ اس نے صلہ پالیا''۔

۲-الطاف الٰہی کا فائدہ:

جو شخص کلمۃ اللہ کی عزت کے لئے شمشیر، قوت اور طاقت کے ساتھ اٹھے وہ الطاف الٰہی کی حقیقت کو پہنچا ہوا ہے۔ (۶۶)

جو کوئی کسی بدعت گزاری کو نہی از منکر کے ذریعہ ڈرائے، خدائے تعالیٰ اس کے دل کو ایمان سے پُر کر دیتا ہے، لیکن اگر بدعت کے مقابلے میں نرم رویہ اختیار کرے تو اس نے قانون الٰہی کی توہین کی ہے۔

۶۶-من رای منکراً فانکرہ بقلبہ فقد بری و سلم و من انکرہ بلسانہ فقد اجر فھو افضل من صاحبہ و من انکرہ بالسیف لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فذلک الذی اصاب (وسائل ۱۱، ص ۴۰۵)

۳-بہترین ہونے کی علامت:

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: ''بہترین لوگ وہ ہیں جو لوگوں کو نیک کاموں کی طرف دعوت دیں''۔(۶۷)

اس کے برعکس اگر کوئی معروف و منکر کے مقابل کسی قسم کا جذبہ نہ دکھائے تو اس کی انسانیت میں ایسی تبدیلی آجاتی ہے کہ پھر وہ کسی بھی اچھی بات کو قبول نہیں کرتا۔(۶۸)

۴-خود انسان پر امر بمعروف کا اثر:

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا: ''امر بمعروف کرو تا کہ تمہارا شمار اہل معروف میں ہو''(۶۹)

حقیقت میں جس طرح کپڑے دھونے والے کے ہاتھ خود بخود پاک ہو جاتے ہیں، اسی طرح لوگوں کو نیک کاموں کی طرف دعوت دینے والا بھی فطری طور پر کوشش کرتا ہے کہ وہ خود بھی نیک کاموں پر عمل کرے، جس کی وہ دوسروں کو تلقین کرتا ہے۔

۵-تمام ثوابوں میں شریک:

کئی ایک روایتوں میں آیا ہے کہ: ''جو کوئی لوگوں کو نیک کاموں کی طرف راہنمائی، دعوت اور تاکید کرتا ہے اور لوگ اس کی اس دعوت کی وجہ سے اس نیک کام کو انجام دیتے ہیں تو دوسروں کے اجر میں کسی قسم کی کمی واقع ہوئے بغیر، دعوت دینے والا بھی ان کے ثواب میں شریک ہوتا ہے۔ جو شخص دوسروں کو بدکرداری و گمراہی کی طرف دعوت دیتا ہے، وہ اس بدکرداری و گمراہی کے

۶۷- نہج الفصاحہ، جملہ ۱۴۹۹، خیر الناس... آمر هم بالمعروف۔

۶۸- جعل اعلاہ اسفله و لا یقبل خیراً ابداً (بحار ۹۷، ص ۷۲)

۶۹- وامر بالمعروف تکن اهله (نہج البلاغہ، نامہ ۳۱)

گناہ میں شریک ہوتا ہے۔اسی طرح امر بمعروف کرنے والا ان تمام نیک کاموں کے ثواب میں شریک ہوتا ہے جو اس کی دعوت پر لوگ انجام دیتے ہیں۔(۷۰)

ب-امر بمعروف ونہی از منکر کی اقتصادی برکتیں:

قرآن مجید فرماتا ہے:

''اگر علاقوں کے لوگ ایمان لائیں اور تقویٰ اختیار کریں (کہ تقویٰ کا ایک نمونہ امر بمعروف و نہی از منکر ہے) تو یقیناً ہم ان کے لئے زمین اور آسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دیں گے۔''(۷۱)

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

''امر بمعروف اور نہی از منکر سے کسب و کار، حلال اور زمینیں آباد ہوتی ہیں''۔(۷۲)

اور آپ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''ہر سال برسنے والی بارش کی مقدار یکساں ہے، لیکن اگر لوگ گناہ کے مرتکب ہو جائیں، تو خدائے تعالیٰ بارش کی راہ کو بدل دیتا ہے''۔اس کے بعد آپ نے ہر گناہ کے لئے اس کے آثار بیان فرمائے:

-اگر معاشرے میں زنا زیادہ ہونے لگے تو فالج اور ناگہانی موتیں زیادہ ہوتی ہیں۔

-اگر کم تولنا رائج ہو جائے تو قحط ہوتا ہے۔

-اگر زکات ادا نہ کی جائی تو زمینوں کی برکتیں کم ہو جاتی ہیں۔

-اگر وعدہ خلافی اور بے وفائی رائج ہو جائے تو دشمن غالب آ جاتا ہے۔

۷۰-بحار، جلد ۹۷، ص ۸۷-وسائل ۱۱، ص ۳۹۸، نہج الفصاحہ، جلد ۱۰۲۶ (من امر بمعروف ونہی عن منکر او دل علی خیر فهو شریک ومن بسوء اودل علیه او اشار به فهو شریک)۔

۷۱-اعراف/۹۶۔

۷۲-تحل المکاسب و تعمر الارض (تفسیر نمونہ، ج ۳، ص ۳۸)

-اگر صلہء رحم ختم ہو جائے تو مال و اسباب نااہلوں کے ہاتھ لگ جاتا ہے۔
-اگر امر بمعروف اور نہی از منکر کو چھوڑ دیا جائے تو شریر اور برے لوگ، لوگوں پر مسلّط ہو جاتے ہیں اور اس طرح فریادیں بے اثر ہو جاتی ہیں۔ (۷۳)

ج-امر بمعروف اور نہی از منکر کی معاشرتی برکتیں:

قرآن، ایسے معاشرے کو نجات یافتہ جانتا ہے جس میں ایک خاص گروہ امر بمعروف اور نہی از منکر کے لئے معیّن ہو۔ (۷۴)

ایک دوسری آیت میں فرماتا ہے: ''بہترین معاشرے کی پہچان یہ ہے کہ اس میں امر بمعروف و نہی از منکر رائج ہو'' (۷۵)

جن صالح لوگوں پر ہم ہر نماز میں ''**السلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین**'' کہکر سلام بھیجتے ہیں، وہ درحقیقت امر بمعروف و نہی از منکر کرنے والے ہیں۔ (۷۶)

ایک اور آیت میں بیان ہوا ہے: ''عذاب کے وقت صرف منکرات سے نہی کرنے والے افراد نجات پائیں گے اور باقی لوگ خواہ گناہ گار ہوں یا خاموش اور لاتعلق رہنے والے، خدا کے غضب میں مبتلا ہوں گے''۔ (۷۷)

۷۳-بحار، ج ۹۷، ص ۷۲۔

۷۴-وَلْتَكُنْ مِنكُم اُمَّةٌ يَدعُونَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ و يَنْهَونَ عَنِ الْمُنْكَرِ واُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران/۱۰۴)

۷۵-كُنتُم خَيْرَ اُمَّةٍ اُخرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُونَ بِالْمَعرُوفِ (آل عمران/۱۱۰)

۷۶-يَاْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ و يَنْهَونَ عَنِ الْمُنكَرِ و يُسارِعُونَ فِي الْخَيْراتِ و اُولٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ (آل عمران/۱۱۴)

۷۷-اَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ و اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوا (اعراف/۱۶۵)

حضرت امام محمد باقرؑ نے امر بمعروف ونہی از منکر کے بارے میں فرمایا: ''جو شخص ان دو چیزوں (امر بمعروف ونہی از منکر) کی مدد کرے، خدائے تعالیٰ اسے عزت بخشے گا اور جو انہیں ذلیل کرے خدا اسے ذلیل کرے گا۔'' (۷۸)

د- امر بمعروف اور نہی از منکر کی سیاسی برکتیں:

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''امر بمعروف ونہی از منکر مؤمنوں کی اساس اور ان کا سہارا ہے اور کفار کے لئے ذلّت ورسوائی کا سبب ہے''۔ (۷۹)

اگر امر بمعروف ونہی از منکر نہ کیا جائے تو رفتہ رفتہ شر پسند عناصر تم پر مسلّط ہو جائیں گے اور نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ تمہارے نیک افراد جتنی بھی فریاد بلند کریں جواب نہ سن پائیں گے۔ (۸۰)

ایک دوسری روایت میں آیا ہے: ''اگر نہی از منکر نہ کرو گے اور پیرو اہل بیتؑ نہ ہو گے، تو خدائے تعالیٰ اشرار کو تم لوگوں پر مسلط کر دے گا اور ایسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے کہ تم میں سے نیک لوگ جتنی بھی دعائیں کریں گے، وہ دعائیں مستجاب نہ ہوں گی''۔ (۸۱)

۷۸- من نصر هما اعزّه الله و من خذلهما خذله الله (بحار ۹۷ ص ۷۵- بنقل میزان الحکمہ)

۷۹- شد ظهور المؤمنین و ارغام انف الکافرین (نہج البلاغہ حکمت ۳۱)

۸۰- لیسلطن علیکم شرارکم فیدعوا خیارکم فلا یستحاب لکم (تہذیب ۶ ص ۱۷۶)

۸۱- اذا لم یأمروا بالمعروف ولم ینهوا عن منکر ولم یتبعوا الاخیار من اهل بیتی سلّط الله علیهم شرار هم فیدعوا عند ذلک خیار هم فلا یستحاب لهم (بحار ۹۷ ص ۷۶- بنقل از میزان الحکمہ)

امر بمعروف ونہی ازمنکر کے حدود

بعض افراد کے اس تصور کے برخلاف، جوامر بمعروف ونہی ازمنکر کولوگوں کے شخصی گناہوں کے بارے میں انفرادی یاددہانی تک محدود جانتے ہیں، یہ دوواجبات پورے دین کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہیں۔

لہٰذا تمام وزارت خانے، ادارے، عدلیہ، سرحدیں، فوجی چھاونیاں، ریڈیواور ٹی وی کے مراکز امر بمعروف اور نہی ازمنکر کے آزادی عمل کے دائرے ہیں۔ اس عظیم محور کو ہم ایک حدیث سے سمجھ سکتے ہیں جیسا کہ فرمایا ہے:

"بهما تقام الفرائض"

"واجبات کا استحکام امر بمعروف اور نہی ازمنکر پر ہے۔"

نماز کو زندہ اور قائم کرنا لوگوں کی دعوت پر منحصر ہے، وہ بھی ایک زیبا اور سا آواز میں، جو ہم ایک بلندی سے بار بار کہتے ہیں: حی علیٰ الصلوٰة، یہ جملہ بذات خود امر بمعروف ہے۔ مسئلہ جہاد میں اگر ایک طرف سے پبلیسٹی اور تبلیغات، دعوت اور حوصلہ افزائی اور دوسری طرف سے عملی منصوبہ بندی نہ ہو تو محاذ جنگ خالی ہو جائیں گے۔ زکات کے موضوع میں بھی اگر پے در پے یاددہانی نہ ہو تو خمس وزکات کو ادا کرنے کا محرک ہی مفقود ہو جائے گا۔ اس حدیث کے اگلے حصے میں

ہم پڑھتے ہیں:

"وتأمن المذاهب"

"یعنی امر بمعروف ونہی ازمنکر کے ذریعہ راہیں پرامن ہوتی ہیں"

یہی معمولی سائن بورڈ جو ہمیں سڑکوں پرنظر آتے ہیں، اور جن کے ذریعہ یاددہانیاں، خطرات سے آگاہی، انتباہ اور رفتار کی تعیین مشخص ہوتی ہے، ہزاروں خطرناک حوادث کو روکنے کا باعث ہوتے ہیں۔ اگر سڑکوں پر پولیس، پوچھ تاچھ، خطرات سے آگاہی، جرمانے اور کنٹرول اور نگرانی جیسی چیزیں نہ ہوتیں تو روزانہ گاڑیاں چرائی جاتیں، افراد اغوا کئے جاتے، گاڑیاں غیر قانونی رفتار کے ساتھ ایک دوسرے سے غیر قانونی سبقت لے جاتیں، منہ مانگے کرائے لئے جاتے، سڑکوں پر افراتفری پھیل جاتی اور ہر سفر کے لئے لوگوں کو پریشانی ہوتی۔

امر بمعروف کے برکات کے بارے میں حدیث کے ایک دوسرے جملے میں ہے:

"و تحلّل المكاسب"

یعنی امر بمعروف اور نہی ازمنکر کے ذریعہ کسب وکار اور سودوزیاں، حلال ہوتے ہیں۔

اگر کوئی دوکاندار بازار میں ناقص اور عیب دار مال داخل کرتا ہے تو تمام لوگ شور مچاتے ہوئے اعتراض کرتے ہیں۔ حکومت اس کی تنبیہ کرتی ہے اور اس طرح بازار کی اصلاح ہوتی ہے۔ اگر کم تولنے، گرانفروشی، سودخواری، حیلہ اور زور وزبردستی کے مقابلے میں تمام لوگ ردعمل کا مظاہرہ کریں تو بازاروں کی اصلاح ہو جائے گی۔

حضرت علی علیہ السلام ہمیشہ کوڑا ہاتھ میں لیکر بازار میں داخل ہوتے تھے اور اپنے مال کے نقائص کو چھپانے کے لئے سائے میں مال بیچنے والوں اور بہتر مال کے نیچے عیب دار مال کو چھپا کے رکھنے والوں کو تنبیہ کرتے تھے۔

اسی کتاب میں "طرز وطریقوں" کی بحث میں انشاءاللہ پڑھیں گے کہ:

رسول خداؐ نے ابن مسعود سے فرمایا: ''گناہگاروں کے ساتھ سودا نہ کرو''۔ اگر مسلمان اسی جملہ پر توجہ کرتے، یعنی مجرم تجار کا بائیکاٹ کرتے اور سب ان کے خلاف ہڑتال کرتے تو وہ لوگ اپنے آپ اور اپنی تجارت میں اصلاح کرنے پر مجبور ہو جاتے۔

بہر حال امر بمعروف اور نہی از منکر کے ذریعہ آمدنیوں کو حلال کیا جا سکتا ہے اور لوگوں کو حرام لقموں سے نجات دی جا سکتی ہے جو سنگدلی اور گوناگوں برائیوں اور گمراہیوں کا سبب ہوتے ہیں۔

حق، حقدار کو پہنچتا ہے۔

امر بمعروف اور نہی از منکر کا دوسرا جملہ عدلیہ کے تحفظ کے بارے میں ہے، جیسا کہ معصوم فرماتے ہیں: ''وتردالمظالم''۔ امر بمعروف و نہی از منکر کے ذریعہ حق حقدار کو پہنچتا ہے۔ حقیقت میں اگر لوگ شاہد اور گواہ کی حیثیت سے صحیح اور سچے معلومات جج اور سرکاری وکیل تک پہنچائیں اور عدلیہ کے ذمہ داروں کو حقائق سے آگاہ کریں تو بہت سے ظلم دور ہو سکتے ہیں۔

اگر ہر فرد ظالم کے مقابلے میں اپنی ذمہ داری کو نبھائے تو ظالم کے لئے ظلم کرنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی اور خود بخود حق، حقدار کو پہنچتا ہے۔

امام صادقؑ نے اپنے ایک دوست سے فرمایا: اگر تم لوگ بنی عباس کے گرد جمع نہ ہوتے تو وہ ہمیں خانہ نشین نہیں کر سکتے تھے۔ تم لوگوں کی خاموشی نے ہمیں خانہ نشین کر دیا۔'' (۸۲)

اگر آج غاصب اسرائیل کے خلاف تمام اسلامی ممالک ایک ساتھ آواز اٹھائیں تو وہ مقبوضہ علاقوں کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائے گا۔

۸۲- وسائل، ج ۱۲، ص ۱۴۴۔

زمین آباد ہوتی ہے:

حضرتؑ فرماتے ہیں:وتعمر الارض۔امر بمعروف اور نہی از منکر کی علامتوں میں سے ایک اور علامت زمین کا آباد ہونا ہے۔کیونکہ آباد کاری کے لئے جدوجہد،سرمایہ،دلچسپی،مہارت، رضا کارانہ خدمات اور باہمی تعاون کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ سب امور معروف ہیں،لہٰذا ان کا حکم دیا جانا چاہئے۔اسی طرح زمین کو جنگ وجدل سے فاسد کرنا،سرمایہ کو منجمد کرنا،فتنہ پیدا کرنا، اختلاف ایجاد کرنا،اسراف اور عیاشی وغیرہ منکرات ہیں اور ان کو روکا جانا چاہئے۔

دشمن سے انتقام:

امر بمعروف اور نہی از منکر کے ذریعہ دشمن سے انتقام لیا جاسکتا ہے۔حقیقت میں حق کو حاصل کرنے کیلئے معلومات،طاقت،ارادہ،اتحاد،شجاعت اور تبلیغات کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ چیزیں یاددہانی،حمایت اور حوصلہ افزائی یعنی امر بمعروف سے حاصل ہوتی ہیں۔اس سلسلے میں حضرتؑ کی فرمائش کیا خوب ہے کہ فرماتے ہیں:(وینصف من الاعداء)

نظام کا استحکام:

امر بمعروف ونہی از منکر کے ذریعہ نظم ونسق میں استحکام پیدا ہوتا ہے(ویستقیم الامر) کیونکہ اگر بہترین قانون اور نظام کی نگرانی نہ کی جائے تو وہ نظام متزلزل ہوسکتا ہے۔امر بمعروف ونہی از منکر نظام کے استحکام کی ضمانت بنکر نیک کردار انسانوں کا حامی اور بدکرداروں کے گلے کی ہڈی ہے۔

امر بمعروف اور نہی از منکر کے مراحل

نیک کاموں کی طرف دعوت یعنی امر بمعروف و نہی از منکر کے تین مرحلے بیان کئے گئے ہیں۔ ان کا سلسلہ وار خلاصہ حسب ذیل ہے:

پہلا مرحلہ: یہ ہے کہ انسان خدا کی نافرمانی اور گناہ سے قلباً نفرت کرتا ہو اور برے کام کو اپنے ضمیر میں منکر جان کر اس سے بیزار ہو۔ اس مرحلہ میں کوئی بھی فرد مستثنیٰ نہیں ہے، یعنی کمزور و ناتواں، گونگے، بہرے، غریب اور امیر، غرض سب لوگوں کو گناہ اور برے کاموں سے دل سے بیزار ہونا چاہئے۔

دوسرا مرحلہ: یہ ہے کہ معروف کا امر کرنے والا بدکردار کو زبان سے تنبیہ کرے اور اسے نیک کاموں کی دعوت دے۔ ہم قرآن مجید میں پڑھتے ہیں: ''اس سے بہتر کون ہے جو خدا کی طرف لوگوں کو دعوت دے اور خود نیک کردار ہو اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔'' (۸۳)

تیسرا مرحلہ: یہ ہے کہ اگر بات کا اثر نہ ہو تو طاقت کے ذریعہ برے کاموں کو روکا جائے۔

اصلِ تأثیر:

ایک اہم نکتہ جسے یہاں پر بیان کرنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ امر بمعروف اور نہی از منکر کا

۸۳۔ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّنْ دَعَا اِلَى اللهِ وَ عَمِلَ صَالِحاً وَ قَالَ اِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ (فصلت/۳۳)

محور اس کی ''تاثیر'' ہے۔ یعنی اصل یہ ہے کہ غلط کام کرنے والا کس طریقے سے بُرے کاموں سے ہاتھ کھینچتا ہے۔ مثال کے طور پر:

- اگر اشارہ مؤثر ہو تو، اشارہ واجب ہے۔
- اگر آواز اٹھانا مؤثر ہو تو، فریاد واجب ہے۔
- اگر دھمکی مؤثر ہو تو، دھمکی واجب ہے۔
- اگر بار بار یاد دہانی مؤثر ہو تو، اس کی تکرار واجب ہے۔
- اگر آہ وزاری، شکایت، طومار کے ذریعہ اور اجتماعی طور سے کہنا مؤثر ہو تو، ایسا ہی کرنا واجب ہے۔
- اگر ہماری بات مؤثر نہ ہو بلکہ کسی دوسرے شخص کی یاد دہانی مؤثر ہو تو ہمیں اسی شخص کے ذریعہ کہلوانا چاہئے۔

اس واجب امر میں بنیادی اصول اور محور یہ ہے کہ خدا کی نافرمانی نہ ہو اور یہ مقدس کام کسی خاص طریقے پر محدود و منحصر نہیں ہے، لیکن:

- اگر یاد دہانی ایک خاص وقت پر مؤثر ہو تو ہمیں اسی خاص وقت پر یاد دہانی کرنی چاہئے۔
- اگر یاد دہانی ایک خاص ماحول اور مکان پر مؤثر ثابت ہو، جیسے تفریح کی حالت میں کیمپ یا دعوت پر بات کا اثر ہو، تو ایسے ہی حالات پیدا کئے جانے چاہئیں۔
- اگر بات کا اثر اور منکرات سے مبارزہ کرنا طاقت اور حکومت ہاتھ میں ہونے کی صورت میں ہی مؤثر ہو تو ہمیں حکومت اور طاقت کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

اسلام ہم سے باطل کی نابودی، حق کا بول بالا، منکرات کی روک تھام اور نیک کاموں کی تاکید چاہتا ہے، لیکن اس کے طریقہ کار اور انجام دہی میں کسی قسم کا تعبد نہیں ہے، یعنی اس سلسلے میں کسی قسم کی پابندی نہیں ہے کہ یہ کام کس طریقے سے، کس وقت، کیسے، کس کی طرف سے اور کس

صورت میں انجام پائے۔

اسلام نے یہ سب امور عقل کے سپرد کیے ہیں اور عقل کی مرکزیت اور اس کی راہنمائی کو سب سے بہتر، سب سے زیادہ اور فوری طور پر مؤثر جانا ہے۔

آیت اللہ شہید صدرؒ کا نظریہ:

شہید باقر الصدرؒ نے امر بمعروف اور نہی از منکر کے بارے میں موجود آیات و روایات اور اس سے مربوط شرائط کے سلسلے میں حسب ذیل محققانہ نظریہ پیش کیا ہے:

''بعض اوقات امر و نہی سے ہماری مراد شخصی اور جزئی کاموں کے سلسلے میں انفرادی طور پر یاددہانی اور موعظہ کرنا ہوتا ہے، جیسے کوئی کسی کی غیبت کرتا ہے اور آپ اسے اس منکر سے منع کرتے ہیں۔ اس قسم کے امر و نہی میں اثر کا امکان اور جانی خطرات کا نہ ہونا قابل قبول ہیں۔

لیکن بعض اوقات امر بمعروف اور نہی از منکر کا مقصد، بدعتوں، معاشرے کی فکری، عملی اور سیاسی گمراہیوں اور مفسدین فی الارض کی روک تھام کرنا اور احقاق حق، معاشرے سے باطل کی نابودی اور فاسد نظام حکومت کو بدلنا ہوتا ہے۔ ایسے موارد میں زندگی کے تحفظ کی شرط کوئی معنی نہیں رکھتی اور قانون الٰہی کے نفاذ کے سلسلے میں اگر جان و مال بھی قربان ہو جائے تو اس کی قدر و منزلت ہے''۔ (۸۴)

اس بنا پر بعض اوقات حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرح امر بمعروف کے لئے اپنے آپ کو قربان کرنا چاہئے تاکہ لوگ نبوی کردار اور اموی کردار کے درمیان فرق کو پہچان سکیں۔

جی ہاں، اگر اقدار کی حفاظت میں افراد قربان بھی ہو جائیں، جائز ہے۔ حضرت علیؑ نے عثمان بن حنیف کو لکھے گئے ایک خط میں ان کی اس بنا پر سخت سرزنش کی کہ انہوں نے ایک ایسی

۸۴۔ شہید باقر الصدرؒ سے منسوب اس نظریہ کو آیت اللہ سید محمود ہاشمی شاہرودی نے بیان کیا ہے۔

دعوت میں شرکت کی تھی کہ جس میں صرف امیر لوگ جمع تھے اور غریبوں کا وہاں پر وجود نہ تھا۔ صدیاں گزر گئیں کہ اس ایک خط کی وجہ سے عثمان بن حنیف کی آبرو آج بھی خراب ہے، لیکن حضرت علیؑ نے کردار کی حفاظت کی۔ علیؑ کا راستہ زہد وتقویٰ اور محرومین کا خیال رکھنے کا راستہ ہے نہ کہ عیش وعشرت اور امیروں کے ساتھ دادِ عیش دینے کا راستہ۔ اقدار کی حفاظت افراد کی حفاظت سے اہم ہے فرد کو مکتبِ فکر پر فدا ہونا چاہئے نہ مکتب کو فرد پر۔

عدمِ تاٗثیر کے باوجود امر بمعروف ونہی از منکر کی انجام دہی:

علماء نے احتمالِ اثر کو امر بمعروف کے واجب ہونے کی شرط جانا ہے۔ یعنی اگر اثر نہ ہو تو امر بمعروف واجب نہیں ہے۔ ہم اس کلی اصول کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے قارئین کرام کی توجہ مندرجہ ذیل چند نکات کی طرف مبذول کرتے ہیں:

۱) ممکن ہے فوری طور سے اثر نہ کرے، لیکن کام کی اہمیت کے پیش نظر بعض افراد کو شہادت کی حد تک آگے بڑھنا چاہئے اور کلمہ حق بیان کرنا چاہئے۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: ''میں امر بمعروف اور نہی از منکر کے احیاء کے لئے کربلا جارہا ہوں''۔ اور اُس وقت امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے اور یزید اور اس کی فوج پر کوئی اثر رونما نہ ہوا۔ لیکن آخر انسانوں کی عمومی فطرت اور تاریخ میں بنی امیہ کے باطل پر ہونا اور اہل بیت پیغمبرؐ کی بے گناہی اور مظلومیت ثابت ہوگئی۔

قرآن مجید میں ہم بعض آیات کی تلاوت کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اوقات عدل وانصاف ومعروف رائج کرنے کے لئے شہید ہوجانا چاہئے۔

وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّيْنَ

وَيَقْتُلُونَ الْاَنْبِيَاء

وَيَقْتُلُونَ الَّذِيْنَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ

بہر حال اگر چہ عام لوگوں کے لئے امر بمعروف کے واجب ہونے کی شرط اس کی تاثیر ہے لیکن پیغمبروں، اولیاء اور علماء کے لئے بعض اوقات فریاد بلند کرنا ضروری ہے اور انہیں شہادت کی حد تک آگے بڑھنا چاہئے تاکہ سامراجی طاقتوں، بدعتوں اور گمراہیوں کے ذریعہ کردار و اقدار نابود نہ ہونے پائیں۔

۲) سازگار ماحول بنانا ایک اچھا کام ہے۔ مثال کے طور پر جو انفرادی طور نماز پڑھتا ہے، اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اذان کہے اور ''حی علیٰ الصلوٰۃ'' کی آواز بلند کرے۔ یہاں پر ہم دیکھتے ہیں کہ اس آواز کا بلند کرنا ایک مستحسن کام ہے چاہے اس کا کوئی سننے والا بھی نہ ہو کہ نماز کے لئے آمادہ ہو اور آئے۔ قانون کی حفاظت اور اسے نابودی سے بچانا بہترین کام ہے۔ اسی لئے اسلام ان خواتین کو، جن کے لئے مہینے میں چند روز نماز پڑھنا معاف ہے، حکم دیتا ہے کہ نماز کے وقت قبلہ کی طرف رخ کر کے بیٹھیں اور خدا کا ذکر بجالائیں تاکہ نماز پڑھنے کی رسم محفوظ رہے۔

زندگی میں پہلی بار حج پر جانے والے افراد کو اسلام نے حکم دیا ہے کہ عید قربان کے دن اپنا سر منڈوائیں۔

جن کے سروں پر بال نہیں ہوتے ان کے لئے حکم ہے کہ اپنے سر پر استرا چلائیں تاکہ اس سلسلے میں قانونی صورت کی رعایت کی جا سکے۔(۸۵)

اسی طرح اگر چوراہے یا سڑک پر کوئی گاڑی موجود نہ ہو تب بھی ریڈ لائیٹ پر رکنا لازم اور ضروری ہے تاکہ قانون پر عمل ہو۔

مذکورہ نمونے ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ اگر سب خاموش رہیں اور کہیں کہ: ''امر بمعروف کا کوئی

۸۵- ملاحظہ ہو مناسک حج کا مسئلہ حلق

اثر نہیں ہوتا'' تو معاشرے میں نیکیاں رفتہ رفتہ کم رنگ ہوتی جائیں گی، گناہگار روز بروز گستاخ ہوں گے اور مسلمان پسپا ہوتے جائیں گے۔ ایسے حالات میں امر و نہی پر بہر صورت عمل ہونا چاہئے چاہے اس کا کوئی اثر نہ ہو۔

۴) ممکن ہے امر و نہی کسی پر اثر نہ کرے، لیکن نہی از منکر کے ذریعہ گناہگار سے ہم گناہ کی لذّت چھین لیتے ہیں اور اسے اجازت نہیں دیتے کہ اطمینان سے گناہ انجام دے۔ نہی از منکر کے ذریعہ پیدا ہونے والا یہ خوف گناہگار کے قافیہ حیات کو تنگ کر کے رکھ دیتا ہے اور اس عمل کی بذات خود ایک قدر ہے۔ اسلام نے ہمیں تأکید کی ہے کہ گناہگار کے ساتھ ترش روئی اور غیظ وغضب کے چہرہ کے ساتھ ملو، تاکہ وہ تمہاری نظروں میں خود کو قابل نفرت سمجھے۔ اس بنا پر ممکن ہے کہ گناہگار گناہ سے ہاتھ نہ کھینچے لیکن اس کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔

نہی از منکر آزادی کی علامت ہے۔ اگر ہم عدم تأثیر کی وجہ سے نہی از منکر سے ہاتھ کھینچ لیں اور سب ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیں تو گویا ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے معاشرے کو خوف و وحشت اور ہلاکت وتباہی کے مرحلہ میں پہنچا دیا ہے۔ لہذا آزادی کے دفاع اور تحفظ کے لئے ہمیں آواز اٹھانا چاہئے، چاہے اُس وقت کوئی اس کی طرف کان بھی نہ دھرے۔

۵) امر بمعروف و نہی از منکر خود سازی کی طرف ایک قدم بھی ہے، کیونکہ یہ اپنے آپ کو ایک تلقین ہے، اپنے وجود کا اعلان ہے، بیداری کی علامت اور معرفت و پابندی عہد کی نشانی ہے۔ امر و نہی کا زبان پر لانا ہی کم از کم انسان کے اندر ان آثار کو پیدا کرتا ہے، چاہے گناہگار اس وقت اس کا کوئی ردّعمل ظاہر نہ کرے۔

۶) ممکن ہے میرا کہنا مخاطب پر اس وقت کوئی اثر نہ ڈالے، لیکن اس میں شک نہیں کہ اخروی اجر میرے لئے محفوظ ہے۔ خدا اور قیامت پر ایمان کی برکتوں میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ انسان کبھی اپنے آپ کو ناکام اور ہارا ہوا تصور نہیں کرتا ہے۔ اگر آپ خدا کے لئے مسجد کی طرف

جائیں گے تو جماعت کے ثواب کا اجر پائیں گے، چاہے مسجد کا دروازہ بند ہو۔ مخلص انسان خدا سے معاملہ اور سودا کرتا ہے، خدا کے لئے کہنا بہت اجر رکھتا ہے، چاہے ہمارا مخاطب اس پر کان دھرے یا نہ دھرے۔ قرآن مجید حق کی طرف دعوت کرنے والوں کو بہترین افراد قرار دیتا ہے(۸۶)، چاہے یہ دعوت ہر وقت مؤثر ثابت نہ ہو۔ مثال کے طور پر شاگرد اگر استاد کا پڑھایا ہوا سبق یاد نہ کرے تو اس سے استاد کی تنخواہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۷)ضروری نہیں ہے کہ فوری طور پر ہی اثر رونما ہو جائے۔ بعض اوقات آپ کا امر بمعروف اور نہی از منکر کرنا فوری اثر نہیں دکھاتا ہے، لیکن آپ مطمئن رہنے کہ مستقبل میں اثر دکھائے گا، کیونکہ بعض اوقات انسان پر ایسے حالات طاری ہوتے ہیں کہ وہ حق بات سننے کی تاب نہیں رکھتا، لیکن آپ کی یاددہانی ایک دوسرے مناسب وقت پر اس کی فکر و خیال پر اثر انداز ہو گی۔

۸)امر و نہی جرأت کی مشق ہے یعنی امر و نہی کرنا حوصلہ و جرأت کو باقی رکھتا ہے۔ اگر اثر نہ رکھنے کی بنا پر، امر و نہی سے اجتناب کریں گے، تو آپ میں آواز اٹھانے اور کچھ کہنے کی جرأت تدریجاً کم ہوتی جائے گی۔

۹)ضمیر کا سکون: گناہگار کو ٹوکنا اور اس کے خلاف آواز بلند کرنا، انسان کے لئے ضمیر و ایمان کے سکون کا سبب بنتا ہے۔ جو فریاد بلند کرتا ہے، وہ ہرگز اپنے ضمیر میں خود کو خوف، خاموش رہنے، ساز باز کرنے یا لاتعلقی پر ملامت نہیں کرتا۔

۱۰)امر بمعروف اور نہی از منکر قرآن مجید اور انبیا کا راستہ ہے، بے شک ہم انبیاء سے بہتر نہیں ہیں۔ وہ معصوم افراد استدلال و معجزہ اور بہترین اخلاق کے ذریعہ بار ہا نہی از منکر کرتے تھے، لیکن اکثر لوگ کان نہیں دھرتے تھے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:

﴿ وَاِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴾

۸۶-وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا اِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا (فصلت/۳۳)

''اگرانھیں یاددہانی کی جاتی تو وہ توجہ نہیں کرتے''

﴿وَلَقَدْ اَرَیْنَاهُ آیَاتِنَا کُلَّهَا فَکَذَّبَ وَاَبیٰ ﴾

''ہم نے فرعون کو اپنے تمام معجزات دکھائے لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آیا''

﴿وَاِنْ یَرَوا آیَةً یُعْرِضُوا وَیَقُولُوا سِحْرٌ﴾

''ہر معجزہ کو دیکھ کر اس سے منہ موڑتے ہیں اور کہتے ہیں یہ جادو ہے۔''

۱۱) ہمارے لئے عذر کا برطرف ہونا اور گناہگار کے لئے اتمام حجت: امر بمعروف و نہی از منکر گناہگار کے لئے اتمام حجت ہے تاکہ وہ یہ نہ کہے کہ کسی نے مجھے یاددہانی نہ کی۔ اور مؤمن کا عذر برطرف ہوجاتا ہے تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ اس نے کیوں آواز بلند نہ کی۔ قرآن مجید فرماتا ہے: ''آواز بلند کرنا، یاددہانی کا وسیلہ ہی ﴿عُذْراً اَوْنُذْراً﴾۔ احتمال اثر وجوب کی شرط ہے۔ یعنی اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اثر نہ ہوگا تو واجب نہیں ہے، منع نہیں ہے، جہاں تک خدا نے روکا نہ ہو آگے بڑھ سکتے ہیں، لیکن اگر مسئلہ یہاں تک پہنچے کہ خدا کی طرف سے رکنے کا حکم ملے، تو فریضہ بدل جاتا ہے، جیسا کہ حسب ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے:

''آپ ان سے کنارہ کش رہیں کیونکہ کوئی فائدہ نہیں ہے''۔(۸۷)

''بہروں کے کانوں تک توبہ کی آواز نہیں پہنچتی''۔(۸۸)

کچھ لوگ قبروں میں پڑے مردوں کے مانند ہیں کہ آپ انہیں کوئی آواز سنا نہیں سکتے۔(۸۹)

۸۷۔فَاَعْرِضْ عَنْهُم (نساء/۶۳و۸۱، انعام/۶۸)

۸۸۔فَاِنَّکَ لاتُسْمِعُ الْمَوْتیٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعاءِ (روم/۵۲)

۸۹۔اِنَّکَ لاتُسْمِعُ الْمَوْتیٰ (نمل/۸۰)

انھیں چھوڑ دیجئے۔(۹۰)

امر ونہی کو قبول کرنے کے لئے انسان کی باطنی طاقتوں کو زندہ کرنا

۱-خدا پر ایمان:

امر بمعروف اور نہی از منکر کا بہترین وسیلہ خدا اور قیامت پر ایمان ہے۔لہٰذا جو شخص لوگوں کو بنیادی طور سے معروف کی طرف کھینچنا چاہے اور منکرات سے روکنا چاہے،اسے لوگوں کے عقائد پر کام کرنا چاہئے۔مثال کے طور پر اگر کوئی فرد کسی کے گھر میں داخل ہوتا ہے،تو اسے اسی وقت کہا جا سکتا ہے کہ یہ کام انجام دو اور وہ کام انجام نہ دو،جبکہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اس گھر کا کوئی مالک ہے اور حساب و کتاب ہے۔اور اس گھر میں اس کے حرکات و سکنات کی عکاسی و نگرانی ہو رہی ہے و...

اس عقیدہ کے مطابق اسے صحیح راہ پر راہنمائی کی جا سکتی ہے،لیکن اگر اس نے کہا کہ:اس گھر کا کوئی مالک نہیں۔کوئی حساب و کتاب نہیں ہے۔میں آزاد ہوں اور کوئی جانچ پڑتال اور نگرانی نہیں ہے،تو ہم اس کو قابوں میں نہیں رکھ سکتے ہیں،کیونکہ وہ یہ سوچتا ہے کہ اگر لوٹ مار اور غارت نہ کرے تو گھاٹے میں ہے اور اگر عیش و عشرت نہ کرے تو گویا اس کی شکست ہے۔لہٰذا وہ اس بے مالک و بے حساب و کتاب گھر میں ہر چیز کو بری طرح تتر بتر کر کے رکھ دے گا۔

اس کے برعکس،اگر انسان اعتقاد پیدا کرے کہ یہ دنیا جو ایک بڑے گھر کے مانند ہے،خدا جیسی ذات اس کی مالک ہے،قیامت کے مانند حساب و کتاب کا ایک دن ہے،اور اس کے تمام اعمال درج ہوتے ہیں،حتیٰ اس کے افکار اور نیتوں پر بھی کسی کی نگرانی ہے،تو یہی ایمان اور اعتقاد اُسے اس دنیا میں ایک متقی و پرہیز گار انسان میں بدل دیتا ہے۔اس کے برعکس لا پروا انسان ایسے

۹۰-ذَرْھُم (انعام/۹۱،جز ۳)

سوکھے کنوے کے مانند ہے، جو دو بالٹی پانی ڈالنے سے بھر نہیں سکتا۔ قوانین، اس کے دفعات اور جرمانے، بے ایمان افراد کے لئے گویا سوکھے کنوے میں ایک بالٹی پانی ڈالنے کے مانند ہے۔ اس بناء پر نیکی کی دعوت اور گناہ سے روکنے کے لئے اہم ترین اور بنیادی وسیلہ، خدا اور قیامت پر ایمان واعتقاد ہے۔ انسان کے اندر ایمان کا وجود، کنوے کے اندر پانی ابلنے کے مانند ہے، جو انسان کو خود بخود برے کاموں سے روکتا ہے۔

خدا پر صرف ایمان کافی نہیں ہے، بلکہ یاد خدا بھی لازم ہے۔

بعض افراد ایمان رکھتے ہیں اور خدا اور قیامت کے ثبوت میں گھنٹوں تقریریں کر سکتے ہیں یا مقالے لکھ سکتے ہیں، لیکن فراموش کار ہیں، لہٰذا ایمان کے ساتھ ساتھ یاد دہانی بھی ضروری ہے۔

خدائے تعالیٰ قرآن مجید میں بعض لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے:

''یہ لوگ ایمان نہیں رکھتے ہیں'' (۹۱)

ایک دوسرے گروہ کے بارے میں فرماتا ہے:

''وہ خدا کو بھول جاتے ہیں'' (۹۲) اور یا ''قیامت کو بھول جاتے ہیں'' (۹۳)

نماز کا فلسفہ اور اس کا راز یہ ہے کہ مؤمن یاد خدا میں بھی مشغول رہتا ہے۔ (۹۴)

قرآن مجید سفارش کرتا ہے کہ انسان کو زندگی کے تلخ وشیرین حوادث یا مشکلات سے دوچار ہونے کی صورت میں زیادہ سے زیادہ یاد خدا کرنا چاہئے (۹۵)۔ اگر خدا پر ایمان، اس کی یاد اور ذکر کے ساتھ نہ ہو تو اس ایمان کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔ ہمیں پوری زندگی یادِ خدا میں

۹۱-لا یُؤمِنُ بِاللهِ العَظِیم (الحاقہ/۳۳)

۹۲-نَسُوا اللهَ (حشر/۱۹)

۹۳-نَسُوا یَومَ الحِسابِ (ص/۲۶)

۹۴-اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکرِی (طٰہٰ/۱۴)

۹۵-وَاذکُرُوا اللهَ کَثِیراً (انفال/۴۵)

رہنا چاہئے۔ جو کھانا ہم کھاتے ہیں، اس میں اس حلال گوشت حیوان کا گوشت ہونا چاہئے جسے خدا کا نام لیکر ذبح کیا گیا ہو۔ اپنی بیوی سے ہمبستری کے وقت بسم اللہ کہا جائے۔ مرکب پر سوار ہوتے، کپڑے پہنتے یا کوئی بھی دوسرا مادی یا معنوی کام انجام دیتے وقت، جیسے کسی شعر کی ایک سطر پڑھتے وقت یا خط پڑھتے وقت بھی بسم اللہ کہنا چاہئے۔

جو خدائے تعالیٰ کو حاضر و ناظر (۹۶)، اور اپنی تاک میں، (۹۷) اس کے فرشتوں کو اپنے ہر کام کا محاسبہ اور ثبت وضبط کرنے پر مامور (۹۸) جانتا ہو اور اس بات پر ایمان رکھتا ہو کہ اس کے ہر کام کا نہ فقط حساب وکتاب ہے بلکہ اس کے ہر کام کے آثار ورد عمل کا بھی حساب وکتاب اس کے نام پر لکھا جاتا ہے (۹۹)، اسے ماننا چاہئے کہ خدائے تعالیٰ اپنی مخلوق سے ایک لحہ بھی غافل نہیں ہے (۱۰۰)۔ ہر چھوٹی بڑی چیز مو بمو درج ہوتی ہے (۱۰۱)۔ قیامت کے دن خدائے تعالیٰ ہر ایک کے اعمال نامہ کو اس کے سامنے رکھ دے گا (۱۰۲)۔ اسے اپنے تمام اعمال، افکار اور نیتوں کا جواب دینا ہوگا (۱۰۳)۔ ایسا شخص ہرگز گناہ کی طرف نہیں بڑھتا اور اس طرح کا ایمان اور یاد انسان کو گناہ سے روکتے ہیں۔ امر بمعروف اور نہی از منکر کرنے والوں کو سب سے پہلے چاہئے کہ ایمان، یاد خدا اور قیامت کو لوگوں کے دلوں میں زندہ کریں۔ اسی لئے قرآن مجید گراں فروشوں کے بارے میں

۹۶- اَلَمْ يَعْلَم بِاَنَّ اللهَ يَرىٰ (علق/۱۴)

۹۷- اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَاد (فجر/۱۴)

۹۸- وَرُسُلُنا لَدَيْهِم يَكْتُبُون (زخرف/۸۰)

۹۹- نَكْتُبُ ما قَدَّمُوا وَآثَارَهُم (یٰس/۱۲)

۱۰۰- وَما كُنّا عَنِ الْخَلْقِ غافِلِين (مؤمنون/۱۷)

۱۰۱- وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَر (قمر/۵۳)

۱۰۲- ما لِهٰذا الْكِتابِ لا يُغادِرُ صَغِيرةً وَلا كَبِيرةً اِلّا اَحْصاها (کہف/۴۹)

۱۰۳- يَعْلَمُ خائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَما تُخْفِي الصُّدُورُ (غافر/۱۹)

فرماتا ہے: ''کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ قیامت کے دن زندہ ہوں گے اور انھیں گراں فروشی کا جواب دینا ہوگا؟'' (۱۰۴)

۲-خدا کا شکر:

نہی از منکر کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ گمراہ کو خدا کے لطف و کرم یاد دلائے جائیں، تاکہ وہ متوجہ ہو کہ خدا نے ہمارے ساتھ کس قدر مہربانی کی ہے اور اس کو ایک ذرّہ سے خلق کر کے ہر چیز کا مالک بنا دیا ہے، اس کے عیبوں کی پردہ پوشی کی ہے، اور اس کے نیک اعمال کا کئی گنا صلہ دیتا ہے، اسکی بیماریوں کو شفا بخشتا ہے، اسکی دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور اسکا بہترین دوست، مولا اور مددگار ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ''اگر خداوند تعالیٰ نے گناہ کے لئے کوئی جہنم خلق نہ بھی کیا ہوتا، تب بھی واجب تھا کہ اس کی مہربانیوں کے شکریہ کے لئے گناہ اور اس کی مخالفت سے دوری اختیار کی جاتی۔ (۱۰۵)

۳-اعمال کا پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ کی خدمت میں پیش ہونا:

گناہوں سے بچنے اور خوبیوں کی طرف مائل ہونے کا ایک اور وسیلہ، اعمال کا پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ کے حضور پیش کیے جانے کا عقیدہ ہے۔ حقیقت میں اگر ہمیں معلوم ہو کہ ہماری گفتگو کی ریکارڈ شدہ کیسٹ افسران بالا تک پہنچ جائے گی تو ہم اپنی گفتگو میں زیادہ احتیاط کریں گے۔

اصول کافی میں اس طرح کی متعدد روایتیں نقل ہوئی ہیں کہ تمہارے اعمال ہر ہفتہ امام

۱۰۴-الا یظنُّ اُولٰئکَ انّھم مبعُوثُون ، لیومٍ عظیم (مطففین/۴ - ۵)

۱۰۵-ولو لم یتواعد اللہ علی معصیۃ لکان یجب ان لا یعصی شکراً لنعمتہ (نہج البلاغہ، حکمت/۲۹۰)

زمانہ (ع) اور پیغمبر اکرمؐ کے حضور پیش کئے جاتے ہیں اور یہ اعمال اُن بزرگواروں کو خوشحال یا ناراحت کرتے ہیں۔

یہ عقیدہ، جو قرآن مجید (۱۰۶) اور روایات کے مطابق ہے، گناہوں سے بچنے کا بہترین وسیلہ ہوسکتا ہے۔ (۱۰۷)

۴- گناہوں کے بُرے اثرات کی طرف توجہ:

آیات و روایات میں اس حقیقت کی طرف بہت نشاندہی ہوئی ہے کہ گناہوں کی وجہ سے بلائیں نازل ہوتی ہیں۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

''جس مصیبت سے تم دوچار ہوتے ہو وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے'' (۱۰۸)

''اگر فلاں قوم ہلاک ہوگئی تو یہ اس کی بغاوت کا نتیجہ تھا'' (۱۰۹)

جب تک گناہگار نہ ہو غضب بھی نہیں ہوتا اور جہاں کہیں غضب پایا جائے اس کی دلیل یہ ہے کہ وہاں پر گناہ کا وجود ہے۔ (۱۱۰)

۱۰۶-قُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَ الْمُؤمِنُونَ (توبہ/۱۰۵)

۱۰۷-ایک حدیث میں آیا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے اپنے دوستوں سے فرمایا: کیوں رسول خداؐ کو ناراض کرتے ہو؟ ان میں سے ایک نے سوال کیا: ہم کیسے آنحضرت کو ناراحت کرتے ہیں؟ امامؑ نے جواب میں فرمایا جس گناہ کے تم مرتکب ہوتے ہو وہ رسول خداؐ کی خدمت میں پیش ہوتا ہے اور وہ ناراض ہوتے ہیں "لاتسوؤا رسول اللّٰہ" (بحار، ۲۳، ص ۳۴۹)

۱۰۸-وما اَصابكم مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُم (شوریٰ/۳۰)

۱۰۹-فَاُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ (الحاقہ/۵)

۱۱۰-فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوبِهِم (غافر/۲۱)

حضرت علی علیہ السلام دعائے کمیل کی ابتداء میں فرماتے ہیں:

''خدایا! شرم وحیاء کے پردوں کو چاک کرنے والے گناہوں کو معاف فرما۔ خدایا! نعمتوں کو بدل دینے والے گناہوں کو معاف فرما۔

خدایا! دعاؤں کی قبولیت میں رکاوٹ پیدا کرنے والے گناہوں کو معاف فرما۔'' ان جملوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک گناہ کا ایک خاص برا اثر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے گناہوں کے برے اثرات کو مدنظر رکھنا منکرات سے بچنے کا ایک وسیلہ ہے۔

۵- نیکیوں کی برکتوں اور آثار کو مدنظر رکھنا:

جس طرح گناہوں کے برے اثرات سے آگاہی، انسان کو برے اعمال ترک کرنے کے لئے آمادہ کرتی ہے، اسی طرح نیکیوں کے فوائد و اثرات سے آگاہی، انسان کو نیک اعمال انجام دینے کے لئے آمادہ کرتی ہے۔ جب بات یہاں تک پہنچی ہے تو مناسب ہے کہ اس سلسلہ میں چند نمونے بعنوان مشتے نمونہ از خروارے پیش کریں، کیونکہ ہمارے علماء نے صدیوں پہلے احکام کے فلسفہ کے بارے میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور جتنا علم ترقی کرے احکامِ اسلامی سے اور بھی پردے اٹھتے رہیں گے۔ مثال کے طور پر:

- روایتوں کے مطابق نوزائیدہ بچہ کے لئے بہترین غذا ماں کا دودھ ہے۔ آج جب سائنس نے ترقی کی تو ہم اس کا فلسفہ سمجھ گئے۔

- آج جبکہ پیشاب کی نلی کا ایکسرے لینا ممکن ہوا ہے، تب ہم اچھی طرح سمجھ سکے ہیں کہ اسلام نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو کیوں منع فرمایا ہے، کیونکہ اس حالت میں پیشاب کی نلی آسانی کے ساتھ نہیں کھلتی۔

- آج انسان کے جسم پر شراب کے بُرے اثرات پہلے کی نسبت بہتر صورت میں قابل تجربہ

اورمشاہدہ ہیں۔

-آج کی دنیا سور کے گوشت کے نقصانات کو صدر اسلام کے زمانے کی نسبت بہتر سمجھ سکتی ہے۔

اب ہم چند ایسے نمونے بیان کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ نیک کاموں (معروف) میں کچھ ایسے برکات ہیں کہ اگر انسان ان سے آگاہ ہوجائے تو ان کی طرف مائل ہوجائے گا۔حُسنِ اتفاق سے آج عیدنوروز (۱۹۹۹ء) کا دن ہے اور مجھے نئے سال کے تحویل کے لحظات میں حضرت امام رضا علیہ السلام کے جوار میں امر بمعروف اور نہی ازمنکر کی کتاب لکھنے کی توفیق ملی ہے۔کیا خوب ہے کہ اس موضوع پر حضرت امام رضاؑ کا ایک جملہ بیان کروں۔آپؑ نے فرمایا:

''اگر لوگ ہمارے کلام کی زیبائی کو جان لیں تو بے شک ہمارے پیرو بن جائیں گے۔''(۱۱۱)

امامؑ فرماتے ہیں:

''لوگوں کی گمراہی کی وجہ، ہمارے کلام کے راز ورمز سے بے خبری ہے۔''

ان برسوں میں بہت سے لوگ نماز کے بارے میں سست تھے اور اب نماز کی طرف مائل ہوئے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ اسلامی جمہوریہ کے مقدس نظام کے سائے میں اسرار نماز کے بارے میں مختلف سطحوں پر لاکھوں جلد کتابیں نئی نسل میں تقسیم ہوئی ہیں۔

اب ہم معروف یا نیکیوں کے اسرار کے بارے میں چند نمونے بیان کرتے ہیں جن کی آگاہی ہمیں معروف کی انجام دہی کی طرف مائل کرتی ہے:

۱۱۱-إنَّ النّاس لو علموا محاسن کلامنا لاتّبعونا(وسائل،ج۱۸،باب۸،ص۶۵)

نمونے:

-لوگوں کے ساتھ ہمارا احسان کرنا، ہم پر خدا اور لوگوں کے احسان کرنے کا سبب بنتا ہے۔(۱۱۲)

-صدقہ، بلا کو دور کرتا ہے۔(۱۱۳)

-حج، انسان کو فقر و تنگدستی سے نجات دیتا ہے۔(۱۱۴)

-زکات، مال کی ضمانت ہے۔(۱۱۵)

-لوگوں کو معاف کرنا، خدا کے عفو و بخشش کی کنجی ہے۔(۱۱۶)

-صلہء رحم، عمر کو دراز کرتا ہے۔(۱۱۷)

-نماز، انسان کو برے کاموں سے روکتی ہے۔(۱۱۸)

-تمہارے نیک اعمال، تمہارے گناہوں کو نابود کرتے ہیں۔(۱۱۹)

-عقیقہ، نوزائیدہ کو خطرات سے محفوظ رکھنے کا سبب بن جاتا ہے۔

-خدا کی بارگاہ میں توبہ اور دعا، انسان کو خطروں سے نجات دیتے ہیں۔(۱۲۰)

۱۱۲-اِنْ اَحْسَنْتُم اَحْسَنْتُم لِاَنْفُسِکُم (اسراء/۷)

۱۱۳-الصدقة تستدفع البلاءِ (رقم ۲/۱۶۶)

۱۱۴-خطبہ ۱۱۰

۱۱۵-حصنوا اموالکم بالزکاة (بحار ۱۰، ص ۹۹)

۱۱۶-وَلْیَعْفُوا وَلْیَصْفَحُوا اَلاَ تُحِبُّونَ اَنْ یَغْفِرَ اللهُ لَکُم (نور/۲۲)

۱۱۷-صلة الارحام تنسی الاجال (غرر)

۱۱۸-اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهیٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ (عنکبوت/۴۵)

۱۱۹-اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ (ہود/۱۱۴)

۱۲۰-بالدعاء یستدفع البلاء (غرر/۴۳۲۷، (۳/۲۱۳))

-ناز و ادا سے دوری، عورتوں کو بوالہوس اور شہوت پرست افراد کے گزند سے بچا سکتی ہے۔(۱۲۱)

-توحید اور حضرت علی ابن ابیطالب کی ولایت ایک ایسا قلعہ ہے جو انسان کو شیطانی کاموں سے نجات دیتا ہے۔(۱۲۲)

-روزہ، صحت و سلامتی کا سبب ہے۔(۱۲۳)

-قناعت، عزت کی کنجی ہے۔(۱۲۴)

-پرہیز گاری، رحمت کا راز ہے۔(۱۲۵)

-خدا کی یاد، سکون و اطمینان کا وسیلہ ہے۔(۱۲۶)

بہر حال معروف اور نیک اعمال کے پھیلاؤ اور رواج کے لئے ہمیں چاہئے کہ لوگوں کو ان کی دنیوی برکتوں اور آثار اور اخروی اجر و ثواب سے آشنا کریں۔

مکافات عمل کا بیان، گناہ سے روکنے کا ایک وسیلہ:

لوگوں کو منکرات و برے کاموں سے روکنے یا نیک اعمال انجام دینے کی تشویق کے لئے اعمال کی جزا و سزا کے بیان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔یعنی ہم لوگوں سے کہیں کہ نیک یا بد عمل کی جزا و سزا تم کو اسی دنیا میں بھی مل جائے گی۔اس سلسلے میں آیات و روایات کے چند نمونے حسب

۱۲۱-فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ (احزاب/۳۲)

۱۲۲-كلمة لا اله الاالله حصني، ولاية علي بن ابيطالب حصني.

۱۲۳-صوموا تصحوا (بحار/۶۲/۲۶۷،روایۃ ۴۵)

۱۲۴-القناعة عزّ (غرر/۹۰۰/(۳۵/۱))

۱۲۵-ازهد في الدنيا تنزل عليك الرحمة (غرر)

۱۲۶-اَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (رعد/۲۸)

ذیل ہیں:

۱-ایک نیک شخص نے اپنے چھوٹے بچوں کے لئے اپنی وراثت کا ایک حصہ ایک دیوار کے نیچے چھپا کے رکھا تھا۔ یہ دیوار خراب ہونے والی تھی۔ حضرت خضرؑ و حضرت موسیٰؑ بھوک کی حالت میں اس نیک شخص کے گاؤں میں داخل ہوئے اور لوگوں سے کھانا مانگا۔ لیکن اس گاؤں کے لوگوں نے خدا کے ان دو پیغمبروں کو کھانے کے لئے کچھ نہ دیا۔ اس دوران حضرت خضرؑ کی نظر اس گرتی ہوئی دیوار پر پڑی اور حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ ہمیں اس دیوار کی مرمت کرنی چاہئے۔

حضرت موسیٰؑ نے کہا: ان لوگوں کے لئے مفت میں کام کرنا کیا معنی رکھتا ہے، جنھوں نے ہمیں ایک لقمہ روٹی بھی نہ دی؟!''

لیکن حضرت خضرؑ نے کام شروع کیا اور دیوار کی مرمت کردی اور حضرت موسیٰؑ سے کہا: اس دیوار کے نیچے ایک نیک شخص نے اپنے بچوں کے لئے ایک خزانہ چھپا رکھا ہے اور اگر ہم اس دیوار کی مرمت نہ کرتے تو یہ گر جاتی اور نااہل و غیر مستحق افراد اس خزانے کو لے جاتے اور اس نیک شخص کے یتیم بچے فقیر رہ جاتے۔ (۱۲۷)

ایک باپ کے نیک اعمال کے نتیجہ میں خدائے تعالےٰ نے اپنے دو پیغمبروں کو ان کے لئے مفت کام کرنے پر مأمور فرمایا۔ یہ داستان، جو سورۂ کہف میں ہے، ہمیں اس امر پر تشویق کرتی ہے کہ ہر معروف اور نیک کام کا اجر، حتیٰ اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔ نیک کاموں کا اجر، یا ہمیں ملتا ہے یا ہماری اولاد کو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''خدائے تعالےٰ نے حضرت موسیٰ پر وحی کی: میں والدین کی جد و جہد کے سبب ان کے

۱۲۷-وَاَمَّا الْجِدارُ فَکانَ لِغُلامَیْنِ یَتیمَیْنِ فِی الْمَدینَۃِ وَ کانَ تَحْتَہُ کَنْزٌ لَھُما وَ کانَ اَبُو ھُما صالِحاً فَاَرادَ رَبُّکَ اَنْ یَبْلُغا اَشُدَّ ھُما وَ یَسْتَخرِ جا کَنْزَ ھُما رَحْمَۃً مِن رَبِّکَ (کہف/۸۲)

فرزندوں پر عنایت وکرم کرتا ہوں۔ اگر والدین نیک ہوں تو ان کے فرزندوں کو نیکی ملتی ہے۔ لیکن اگر بد ہوں تو ان کے فرزندوں کو بھی اس کا شر پہنچتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: زنا کے مرتکب نہ ہو، تاکہ تمہاری عورتوں سے زنا نہ کیا جائے...!!!(۱۲۸)

بے شک، اعمال کی جزا وسزا کو مدنظر رکھنا، نیک کام کو انجام دینے اور برے کاموں سے دور رہنے کا ایک اچھا وسیلہ ہے۔ ہم قرآن مجید میں ایک اور جگہ پڑھتے ہیں: جو لوگ اپنے بعد ضعیف وناتواں اولاد چھوڑتے ہیں اور ان کے مستقبل کے بارے میں پریشان رہتے ہیں، انھیں دوسروں کے یتیموں کے ساتھ ظلم کرنے سے ڈرنا چاہئے۔ (۱۲۹)

دوسروں کے یتیموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرو جیسا تم پسند کرتے ہو کہ تمہارے یتیموں سے سلوک کیا جائے۔ جو بھی آگ جلائے دھواں اس کی آنکھوں میں ضرور جاتا ہے۔ معاشرے کے یتیموں کے ساتھ روا رکھا گیا آج کا ہمارا ظلم، تدریجاً ایک رواج کے طور پر اُبھر کر کل ہمارے ہی یتیموں کے لئے مشکل بن سکتا ہے۔ مثنوی میں کہا گیا ہے:

این جهان کوه است و فعل ماندا   سوی ماآید صدا هاراندا

ازمکافات عمل غافل مشو   گندم از گندم بروید جوزجو

حدیث شریف میں آیا ہے:

جو کوئی کسی کو کسی عیب کی وجہ سے سرزنش کرتا ہے وہ تب تک نہیں مرتا جب تک اسی عیب سے دوچار نہ ہو جائے۔ (۱۳۰)

۱۲۸- بحار، جلد ۱۳، صفحہ ۲۹۶۔

۱۲۹- وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ...(نسا، ۹)

۱۳۰- بحار، جلد ۷۰، ص ۳۸۴۔

تاریخ:

امر بمعروف اور نہی از منکر کا ایک وسیلہ تاریخ بھی ہے۔ نیک و بد اقوام اور گروہوں کی زندگی کے حالت سے آگاہ ہونا انسان کے نیک اعمال انجام دینے اور برے کاموں سے دوری اختیار کرنے کا سبب بنتا ہے۔قرآن مجید میں اس موضوع پر سیکڑوں آیتیں بیان ہوئی ہیں، کہ :

۔ہم نے فلاں قوم کو اس کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔(۱۳۱)

۔لوگوں کی نابودی کا سبب ان کی بغاوت ہے۔(۱۳۲)

۔ہم نے ایک قوم کو پانی میں غرق کر دیا۔(۱۳۳)

۔ایک گروہ کو بجلی گرا کر نابود کر دیا۔(۱۳۴)

۔ایک جماعت کو سرد ہوا کے ذریعہ ہلاک کر دیا۔(۱۳۵)

۔ایک قوم کے شہر کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔(۱۳۶)

ان انتباہوں سے آگاہی بعد کی نسلوں کے لئے منکرات اور کفر و بغاوت سے دوری کا سبب ہوتی ہے۔ وہ ساری آیتیں، جو زمین پر سیر و سیاحت کر کے ہمیں عبرت حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہیں، اسی سبق کو حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ وہ تمام آیتیں جو ہمیں نیک آدمیوں کی جزا اور بدکاروں کی سزا کے بارے میں مطالعہ اور غور کرنے کی دعوت دیتی ہیں اسی مطلب کی حامل ہیں۔

۱۳۱۔فَاَهْلَكْنَا هُمْ بِذُنُوبِهِمْ (انعام/۶، انفال/۵۴)

۱۳۲۔فَاُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ (الحاقہ/۵)

۱۳۳۔وَمِنْهُم مَنْ اَغْرَقْنَا (عنکبوت/۴۰)

۱۳۴۔فَاَخَذَتْهُمْ صَاعِقَةُ الْعَذَابِ (فصلت/۱۷)

۱۳۵۔بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ (الحاقہ/۶)

۱۳۶۔جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا (ھود/۸۲)

تاریخ اور فلسفۂ تاریخ میں فرق

گزشتہ حوادث کو تاریخ کہتے ہیں۔ لیکن فلسفۂ تاریخ وہ قوانین، اصول، سبق، عبرتیں اور نصائح ہیں جو گزشتہ حوادث سے آیندہ کی زندگی کے لئے حاصل ہوتے ہیں۔

ایک سادہ مثال:

ایک ماں اپنے چھوٹے بچہ سے کہتی ہے: ''سڑک پر نہ جانا، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ فلاں شخص کا بچہ کل گاڑی سے ٹکرا کر حادثے کا شکار ہو گیا؟'' اس جملہ میں کل پیش آیا ہوا حادثہ تاریخ ہے اور جو نصیحت اس سے حاصل کر کے ماں آج اپنے بیٹے کو سمجھا رہی ہے، وہ فلسفۂ تاریخ ہے۔ قرآن مجید حضرت یوسفؑ کی داستان کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے آخر میں فرماتا ہے: ﴿کذٰلک نجزی المحسنین﴾ یعنی ''اس طرح ہم نیک انسانوں کو جزا دیتے ہیں۔''

یہاں پر جو کچھ کلمۂ ''کذٰلک'' سے پہلے ہے وہ تاریخ ہے اور خود کلمۂ ''کذلک'' فلسفۂ تاریخ ہے، یعنی: یہ خیال نہ کرو کہ یوسفؑ پر کی گئی ہماری مہربانی ایک شخصی مہربانی تھی۔ ہرگز ایسا نہ تھا بلکہ جو کوئی بھی تلخ و شریں مشکلات اور حوادث میں یوسفؑ کی طرح اپنے کو محفوظ رکھے ہم اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کریں گے جیسا یوسفؑ کے ساتھ کیا۔

حضرت یونسؑ کے مشکلات کے بارے میں ہم پڑھتے ہیں کہ انہوں نے خدائے تعالےٰ سے

عذر خواہی کی اور نجات پائی۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿و کذلک ننجی المؤمنین﴾ یعنی "جو کوئی ہم سے عذر خواہی کرے اسے ہم تاریکیوں، مصیبتوں اور بلاؤں سے نجات دے دیتے ہیں"۔

اس لحاظ سے، فلسفۂ تاریخ ایک الٰہی سنت اور قانون ہے اور ایک، پائیدار سلسلہ ہے نہ کہ وقتی اور عارضی۔ امر بمعروف اور نہی از منکر کے سلسلے میں اگر ہم لوگوں کو گناہگاروں اور نیک لوگوں کے اعمال کے نتائج سے آگاہ کریں اور یہ جان لیں کہ گزشتہ اقوام کی اچھی یا بری سرنوشت اور آج کے لوگوں کی سرنوشت میں کوئی فرق نہیں ہے تو یہ آگاہی ان کے کمال کی طرف ایک قدم ہوگا۔

گناہ پر مجبور کرنے والے اسباب:

جس طرح غلط عقائد بہت سے گناہوں کا سرچشمہ ہیں، اسی طرح گمراہ کن خیالات اور تصوّرات بھی بہت سے گناہوں کا سبب ہوتے ہیں۔ جب انسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ دوسروں سے بہتر ہے، تو دوسروں کا مذاق اڑاتا ہے، لیکن اگر یہ احتمال دے کہ دوسرے اس سے بہتر ہیں تو ان کا مذاق نہیں اڑائے گا۔ قرآن مجید فرماتا ہے: "ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے، شاید وہ قوم مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہو"۔ (۱۳۷)

"عورتیں بھی ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں، ممکن ہے جس عورت کا مذاق اڑایا جائے وہ تم سے بہتر ہو۔" (۱۳۸)

بعض اوقات انسان خیال کرتا ہے کہ حرص و تمع سے اس کا سرمایہ بڑھتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ رزق خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ممکن ہے، بہت سے لوگ دن رات حرص و تمع میں بسر کریں

۱۳۷- لاَ یَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسیٰ اَنْ یَکُونُوا خَیْراً مِنھُمْ (حجرات/۱۱)

۱۳۸- وَلاَ نِسَآءٌ مِن نِسَآءٍ عَسیٰ اَنْ یَکُنَّ خَیْراً مِنْھُنَّ (حجرات/۱۱)

لیکن کچھ حاصل نہ کر سکیں۔(۱۳۹)

کبھی انسان تصور کرتا ہے کہ خوش بختی مال و دولت میں ہے، اسلئے سرمایہ داروں کی طرف حسرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ قرآن مجید کے مطابق لوگ قارون کو دیکھتے ہی ایک سرد آہ کھینچ کر کہتے تھے: کاش! ہم بھی اس کی طرح مال دار ہوتے (۱۴۰) چند دنوں کے بعد جب قارون کو زمین نگل گئی تو لوگ کہنے لگے: کیا اچھا ہوا کہ ہم مال دار نہ تھے!

کبھی انسان تصور کرتا ہے کہ اگر فلاں خاندان کے ساتھ رشتہ جوڑے تو خوشبخت ہو سکتا ہے اور وہ اس مقصد تک پہنچنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ جبکہ وہ اس امر سے غافل ہے کہ خوشبختی شہرت و مقام سے حاصل نہیں ہوتی۔

اگر ہم فاسد خیالات، بیہودہ تصوّرات اور انسان کے ان گناہوں پر غور کریں جن کا وہ مرتکب ہوتا ہے، تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہمارے گناہوں کا ایک بڑا حصہ خود ہمارے خیالات اور تصوّرات کی دین ہے۔ اس لئے آیات و روایات میں ایسے بہت سے جملے پائے جاتے ہیں جو لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ نیکی اور خوشبختی فلاں چیز میں نہیں ہے بلکہ کسی دوسری چیز میں ہے۔

یہاں پر ہم مندرجہ ذیل چند نمونوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱-برّ اور نیکی اس امر میں نہیں ہے کہ ہمارا قبلہ کس طرف ہے، بلکہ خیر و نیکی ایمان، عمل صالح اور معاشرے کے محرومین کی مدد کرنے میں ہے۔(۱۴۱)

۲-ممکن ہے بعض چیزوں کو تم بُرا جانتے ہو لیکن وہی تمہارے لئے خیر ہے۔(۱۴۲)

۳-اُن کا مال و ثروت اور اولاد تمہارے لئے تعجب و حیرت کا باعث نہ بنیں، خدا نے ارادہ

۱۳۹-اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَآءُ وَ يَقْدِرُ (رعد/۲۶)

۱۴۰-يالَيْتَ لَنا مِثْلَ ما اُوتِيَ قارُوْنُ اِنَّهُ لَذُوحَظٍّ عَظِيمٍ (قصص/۷۹)

۱۴۱-لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ...(بقرہ/۱۷۷)

۱۴۲-عَسىٰ اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئاً وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسىٰ اَنْ تُحِبُّوا شَيْئاً وَ هُوَ شَرٌّ لَكُمْ (بقرہ/۲۱۶)

کیا ہے کہ انھیں اسی دولت اور اولاد سمیت عذاب کرے۔ (۱۴۳)

بہر حال ہمیں جلد بازی میں فیصلہ نہیں کرنا چاہے اور یہ یقین نہیں کرنا چاہئے کہ جو کچھ ہم سمجھتے ہیں وہی حقیقت ہے، کیونکہ ہمارے بہت سے تصورات اور یقینیات بے بنیاد ہیں اور وہم وخیال پر مبنی ہیں۔

قرآن مجید نے انسان کو حقیقت پسند بنانے اور اُس کے فکر وذہن سے بیہودہ خیالات اور بے بنیاد حساب وکتاب کو خارج کرنے کے لئے، بہت سی آیتوں کا ذکر کیا ہے۔

بہر حال امر بمعروف اور نہی از منکر میں مختلف اسباب ووسائل سے استفادہ کرنا چاہئے۔ مثبت اسباب وعلل کو بروئے کار لانا حتیٰ پیدا کرنا چاہئے اور منفی اسباب وعلل کو حذف کرنا چاہئے۔ (۱۴۴)

۱۴۳-وَلاَ تُعْجِبْكَ اَمْوالُهُم وَاَوْلاَدُهُم اِنَّما يُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الدُّنيا (توبہ/۸۵)

۱۴۴-کتاب ''گناہ شناسی'' میں گناہ اور گمراہیوں کے اسباب پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

چند مسائل

ہم امام خمینیؒ کی تحریر الوسیلہ میں پڑھتے ہیں:

۱- اگر کسی خاص شخص کی بات میں اثر ہو اور دوسروں کی بات میں وہ اثر نہ ہو تو اسی خاص شخص پر امر بہ معروف اور نہی از منکر واجب عینی ہے ورنہ واجب کفائی ہے، یعنی اگر کسی فرد یا گروہ نے اقدام کیا تو دوسروں پر واجب نہیں ہے۔

۲- امر بمعروف میں قصد قربت ضروری نہیں ہے، اگر ریا اور تظاہر بھی ہو جب بھی واجب ادا ہو جاتا ہے۔

۳- اگر فساد و بدکاری کو نابود کرنے کے لئے حکومت و ولایت کی ضرورت ہو تو طاقت اور ولایت کو ہاتھ میں لینا واجب ہے۔

۴- اگر کوئی اشارہ سے بُرے کام سے دوری اختیار کرتا ہے تو شدید برتاؤ اور اشارہ سے زیادہ عمل کا انجام دینا، جس سے اس کی توہین و بے احترامی ہوتی ہو، جائز نہیں ہے۔

۵- اگر نہی کرنے سے گناہ کی مقدار میں کمی واقع ہوتی ہو لیکن گناہ ختم نہ ہوتا، جب بھی نہی کرنا واجب ہے۔

۶- اگر ہماری نہی کی وجہ سے گناہگار گناہ کبیرہ نہیں کرتا، لیکن گناہ صغیرہ کو انجام دیتا ہے، تب بھی نہی از منکر واجب ہے۔

۷-اگر بار بار نہی کرنا مؤثر ہو تو، بار بار نہی کرنا واجب ہے۔

۸-اگر اجتماعی امر و نہی مؤثر ہو تو، اجتماعی طور سے نہی کرنا واجب ہے۔

۹-اگر ہماری خاموشی گناہگاروں کے لئے گستاخی کا باعث بنے تو یہ خاموشی حرام ہے۔

۱۰-اگر ہمارا امر و نہی کرنا بدکار پر کوئی اثر نہ کرتا ہو، لیکن دوسروں پر اثر کرتا ہو، تو امر و نہی واجب ہے۔

۱۱-اگر ہماری خاموشی اسلام کی توہین یا مسلمانوں کے عقائد میں سستی کا سبب بنے تو خاموشی حرام ہے۔ (۱۴۵)

۱۲-اگر گناہ کی روک تھام کے لئے جماعت، آرگنائزیشن، حزب (پارٹی)، حکومت اور طاقت کی ضرورت ہو تو ان کی تشکیل واجب ہے۔

۱۳-اگر معلوم ہو جائے کہ دو افراد میں سے ایک فرد یا ایک گروہ میں سے کوئی ایک بدکاری پر مصر ہے تو اس طرح نہی کیا جانا چاہئے کہ خطاب اسی پر منطبق ہو۔ مثال کے طور پر یہ کہے کہ: ''شراب پینے والا باہر چلا جائے''۔ لیکن سب کو یا ایک خاص جماعت کو نہی کرنا نہ صرف واجب نہیں ہے بلکہ جائز بھی نہیں ہے۔ نہی اس انداز میں نہیں کی جانی چاہئے کہ یہ تصور ہو کہ اس گروہ کے تمام افراد بدکار ہیں۔ (۱۴۶)

۱۴-اگر گناہگار کے ساتھ رفت و آمد گناہ کی مقدار، زمانِ گناہ یا گناہ کی قسم میں کمی واقع کرتا ہو تو ایسی رفت و آمد جاری رکھنا واجب ہے۔

۱۵-اگر گناہگار کے ساتھ آمد و رفت گھر کے بعض افراد پر وقتی طور سے بُرے اثرات پڑنے کا سبب بنے، پھر بھی واجب ہے۔

۱۴۵-حق کو چھپانے کا ذکر کرنے والی آیات، جن کے پیچھے خدا کا قہر وغضب ہے، انہی امور سے متعلق ہیں۔

۱۴۶-تحریر الوسیلہ، مسئلہ ۱۱ امر بمعروف

۱۶- اگر گناہگار سے رابطہ توڑنا گناہگار کو گناہ سے روکتا ہے تو یہ رابطہ توڑنا واجب ہے۔

۱۷- اگر کسی کے ساتھ رفت و آمد گناہ گار کو گناہ پر گستاخ بنائے تو یہ رفت و آمد حرام ہے۔

۱۸- اگر ہم کو اس میں شک ہو کہ گناہگار کے ساتھ رفت و آمد اسے گناہ سے روکتی ہے یا گناہ انجام دینے میں جسور و گستاخ بناتی ہے پھر بھی صلہ ارحام کے قانون کے تحت رفت و آمد کو جاری رکھنا چاہئے۔

۱۹- اگر کسی کو آزاد رکھنا منکر انجام دینے کا سبب بنے تو اسے جیل میں ڈالنا واجب ہے۔ایک شخص نے پیغمبر اکرمؐ کے حضور آکر عرض کی: میری والدہ بدکردار ہے۔کیا کروں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: اُسے قید کردو۔اس نے کہا: اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔آنحضرتؐ نے فرمایا: لوگوں کی آمدورفت پر پابندی لگاؤ۔اس شخص نے کہا کہ اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔آنحضرتؐ نے فرمایا: اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دو کہ والدین کے ساتھ بہترین نیکی ان کو گناہ سے روکنا ہے۔(۱۴۷)

۲۰- اگر کسی خاص مورد میں کسی شخص کو امر بمعروف یا نہی از منکر کرنا اسلام کی بے احترامی کا سبب بنے تو یہ جائز نہیں ہے، چاہے دوسری جگہ پر واجب ہو(۱۴۸)۔مثال کے طور پر ایک مشہور ومحبوب شخص منبر پر کوئی نامناسب بات کہے اور اگر اسے لوگوں کے سامنے نہی کیا جائے تو اس کی شخصیت کے ساتھ ساتھ اسلام بھی ہمیشہ کے لئے لوگوں کی نظروں سے گر جائے۔

۲۱- اگر امر بمعروف اور نہی از منکر کا اثر الٹا ہوتا ہو، تو واجب نہیں ہے، جیسے ہٹ دھرم اور ضدی افراد، کہ اگر انھیں برے کام سے روکا جائے تو بات اور بگڑ جاتی ہے۔(۱۴۹)

۱۴۷- وسائل الشیعہ ۱۸،ص۴۱۴

۱۴۸- تحریر الوسیلہ، ج۱،ص۴۴۸

۱۴۹- البتہ ایسے افراد کی سرکوبی کے لئے دوسرے طریقہ کار روبہ عمل لانے چاہئے، نہ یہ کہ اگر آج کچھ نہ کہا تو دوسرا کوئی قدم بھی نہ اٹھائیں۔

۲۲-امر بمعروف اور نہی از منکر میں ضروری نہیں کہ ہمیں سو فیصدی نتیجہ حاصل ہو جائے۔ اگر ایک فیصدی بھی اثر ہو جب بھی واجب ہے۔

۲۳-وہ حلال کام جو مقدسات کی توہین کا باعث بنے اسے انجام دینا جائز نہیں ہے۔ جیسے ایک مریض رمضان المبارک میں اس طرح کھائے پیئے جس سے روزہ کی یا دوسرے روزہ داروں کی توہین ہوتی ہو۔

چونکہ ہمارا مقصد مسائل بیان کرنا نہیں ہے اسلئے انہی چند نمونوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای مدظلہ العالی نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

''جہاں پر نظام، قانون اور حاکم اسلامی ہو اور معروف و منکرات کے بارے میں سرکاری سطح پر اہتمام ہوتا ہو، وہاں لوگوں کا فریضہ زبانی تذکر دینا ہے۔ اس سے آگے کے اقدام، اور انقلابی طریقۂ کار حکومت کے ذمہ ہے، لیکن ہمیں اس صورت میں اسلامی حکومت کو اطلاع دینے کے علاوہ خود کو حکومت کی حمایت کے لئے آمادہ رکھنا چاہیے۔ لیکن اگر کسی علاقہ میں اسلامی حکومت اور اسلامی حاکم نہ ہو یا ان کا اسلام ظاہری ہو اور وہ معروف و منکر کے سلسلہ میں غیرت نہ دکھاتے ہوں تو اس صورت میں لوگ خود زبانی تذکر کے بعد (مراحل و مراتب کی رعایت کے ساتھ) انقلابی اقدام بھی کر سکتے ہیں۔

دوسری فصل

امر بمعروف و نہی از منکر

کو

ترک کرنے کے نتائج

مردہ معاشرہ

قرآن مجید فرماتا ہے: ﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَاأُولِي الْأَلْبَابِ ﴾(1)

یعنی ''اگر تم قاتل کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے قصاص کے کیفر تک پہنچا دیا تو زندہ ہو (ورنہ مردہ)''

البتہ ایک انسان کا زندہ یا مردہ ہونا سبوں کے لئے واضح ہے، لیکن ایک معاشرے کی موت و حیات کو سمجھنے کے لئے عالی ادراک اور اجتماعی شعور کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لئے آیہ کریمہ کی آخر میں ارشاد ہوا: ''یااولی الالباب'' یعنی اگر تم صاحب فہم اور عالی ادراک کے مالک ہو تو اس حقیقت کو سمجھ سکتے ہو۔ جس معاشرے میں ہر شخص جو چاہے غلط کام انجام دے اور کوئی اس کا اعتراض نہ کرے، وہ معاشرہ مردہ ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ: ''نیک اور برے کاموں کے مقابل لاپروا شخص ایسا مردہ ہے جو زندہ لوگوں کے درمیان سانس لیتا ہے''۔ (۲)

۱۔سورۂ بقرہ، آیہ ۱۷۹

۲۔من ترک انکار المنکر بقلبه ویده ولسانه فهو میت بین الاحیاء (تہذیب ۱۸۱/۶)

گناہ کے مقابل خاموشی:

گناہ کے مقابل خاموشی، کمزوری، خوف اور ناامیدی نیز دین، معاشرہ اور اصلاحات کے سلسلے میں غیر ذمہ داری کی علامت ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کے ارشاد کے مطابق گناہ کے مقابل چپ رہنا ایک قسم کی بدعت ہے۔(۳)

گناہ کے خلاف چپ رہنے کا نتیجہ صرف نقصان ہے۔ سورۂ والعصر میں یہ بیان ہوا ہے:

''جو لوگ باایمان ہوں اور عمل صالح انجام دیتے ہوں، لیکن خاموش رہیں اور دوسروں کو حق واستقامت کی ہدایت ووصیت نہ کریں تو وہ خسارہ میں ہیں۔''

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''خدائے تعالیٰ نے ایک گروہ کے عذاب کے لئے چند فرشتوں کو بھیجدیا۔ جب وہ زمین پر اُترے تو دیکھا کہ لوگ دعاوگریہ وزاری میں مشغول ہیں۔ ان فرشتوں نے خدا سے اس عذاب کی وجہ پوچھی۔ خدائے تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہوا: یہ لوگ اہل گریہ ودعا ہیں، لیکن معاشرے کی برائیوں کے مقابل لاپرواہیں۔''

سکوت، زمین پر فساد پھیلنے کا باعث:

سورہ بقرہ کی ۲۵۱ ویں آیت میں بیان ہوا ہے: ''اگر کچھ لوگ دوسرے لوگوں کو فساد اور برائیوں سے نہ روکیں تو پوری زمین پر فتنہ وفساد پھیل جائے گا''(۴)

۳-السکوت عندالضرورة بدعة (بحار جلد ۷۷، صفحہ ۱۶۵)

۴-لَولا دَفعُ اللهِ النّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ (بقرہ/۲۵۱)

خاموش انسان پر خدا کی لعنت:

حضرت علی علیہ السلام نے خطبہ قاصعہ میں فرمایا: ''خدا نے گزشتہ امتوں پر اسی وجہ سے لعنت بھیجی کہ انہوں نے امر بمعروف اور نہی از منکر کو ترک کر دیا تھا'' (۵)

حدیث شریف میں آیا ہے: ''اگر گناہ پوشیدہ طور سے انجام پائے تو اس کا خطرہ عام لوگوں کو نہیں ہوتا، لیکن اگر کچھ افراد گناہ کو کھلم کھلا اور آشکار انجام دیں اور باقی لوگ اسے روکنے کی طاقت رکھنے کے باوجود اسے نہ روکیں اور خاموش بیٹھے رہیں، تو خدائے تعالٰی تمام لوگوں کو ایک ساتھ قہر و عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے'' (۶)

اور یہ وہی بات ہے جسے خدائے تعالٰی فرماتا ہے:

''اُن فتنوں سے ڈرو جن کی آگ تمام لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے'' (۷)

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جو اپنے دین کے سلسلہ میں لاپرواہو، وہ حقیقت میں بے دین ہے'' (۸)

خاموشی، بدکاروں کے تسلّط کا پیش خیمہ:

متعدد روایات میں آیا ہے: ''اگر تم لوگ امر بمعروف اور نہی از منکر کو ترک کر دو گے تو برے لوگ تم پر مسلط ہو جائیں گے اور پھر تمہاری آہ و فریاد کا کوئی اثر نہیں ہوگا''۔ (۹)

۵-انّ اللہ سبحانہ لم یلعن القرن الماضی بین ایدیکم الا لترکھم الامر بالمعروف والنھی عن المنکر (خطبہ ۱۹۲، صبحی صالح)

۶-کنز العمال حدیث/۵۵۱۵

۷-سورۂ انفال آیہ/۲۵

۸-کل من لم یحب علی الدین ولم یبغض علی الدین فلادین لہ (وسائل ۱۱، ص ۴۴)

۹-لاتترکوا الامر بالمعروف والنھی عن المنکر فیولی علیکم شرارکم ثم تدعون فلایستجاب لکم (نہج البلاغہ، خط ۴۷)

ہمسایہ کو ترجیح:

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اگر کسی کا ہمسایہ گناہ کرے اور وہ اسے منع نہ کرے تو وہ اسکا شریکِ گناہ شمار ہوگا''۔

راضی خاموش، شریک جرم ہے:

کبھی خاموشی کی وجہ لاعلمی، ڈر اور شرم وحیا جیسی چیزیں ہوتی ہیں لیکن انسان دل سے گناہ سے نفرت کرتا ہے۔

لیکن بعض اوقات گناہ کے خلاف خاموشی، اس سے رضامندی کی علامت ہوتی ہے اور آیات وروایات کے مطابق، اس قسم کے افراد درحقیقت گناہ میں شریک شمار ہوتے ہیں۔اس سلسلے میں حسب ذیل چند نمونے قابل ذکر ہیں:

۱- خدائے تعالیٰ پیغمبر اکرمؐ کے زمانے کے یہودیوں سے خطاب فرماتا ہے: ''تم نے گزشتہ نبیوں کو کیوں شہید کر ڈالا؟'' جبکہ ان کے اجداد نے پیغمبروں کو قتل کیا تھا لیکن ان کی نسل ان کے اس کام پر راضی تھی، لہٰذا خدائے تعالیٰ نے اجداد کے کردار کی وجہ سے ان کی نسل کو سرزنش اور تنقید کا نشانہ بنایا۔(۱۰)

۲- نہج البلاغہ کے بیسویں خطبہ میں آیا ہے: ''اگر چہ حضرت صالح کی اونٹنی کو ایک شخص نے مارا تھا لیکن قرآن مجید فرماتا ہے: ''لوگوں کی ایک جماعت نے اسے مارا اور عذاب الٰہی میں مبتلا ہوئے''۔ یہ اسی لئے ہے کہ وہ جماعت اس شخص کے عمل سے راضی تھی''(۱۱)

۱۰- فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُم (آل عمران/۱۸۳)

۱۱- فَعَقَرُوهَا (شمس/۱۴)

۳-اگرچہ حضرت علی علیہ السلام کا قاتل ابن ملجم نام کا ایک آدمی تھا۔لیکن ماہ رمضان کی ۱۹ویں شب کو تاکید ہوئی ہے کہ ۱۰۰ مرتبہ کہیں: خدایا! قاتلان حضرت علیؑ پر لعنت بھیج"۔(۱۲)

قیامت کے دن، خاموش رہنے والوں کی صورت:

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: "قسم اس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میری امت کے کچھ لوگ قبروں سے نکلیں گے اور ان کی صورت بندروں اور سوروں کی جیسی ہوگی۔ان کے چہرے اسلئے مسخ ہو چکے ہوں گے کہ وہ لوگ نہی از منکر کی طاقت رکھنے کے باوجود، گناہگاروں کے ساتھ ساز باز کرتے تھے۔(۱۳)

رسول خداؐ نے فرمایا: "میں نے معراج کی رات کو دیکھا کہ ایک جماعت کے ہونٹ قینچی سے کاٹے جارہے تھے۔ میں نے سوال کیا: یہ کون لوگ ہیں؟! کہا گیا: یہ وہ لوگ ہیں جو نہی از منکر کرسکتے تھے لیکن نہی نہیں کرتے تھے۔"(۱۴)

حضرت علی علیہ السلام سے نقل ہے: "اگر کوئی عالم اپنے علم کو چھپائے تو وہ قیامت کے دن بدبوترین افراد میں سے ہوگا۔"(۱۵)

خلاصہ یہ کہ بعض اوقات سکوت وخاموشی کو توڑ دینا چاہئے کیونکہ بے جا خاموشی بدعت ہے۔(۱۶)

۱۲-اللهم العن قتلة امير المؤمنين

۱۳-والذی نفسی بیده لیخرجن من امتی من قبورهم فی صورة القرود و الخنازیر بمداهنتهم فی المعاصی وكفهم عن النهی وهم يستطيعون(کنز العمال ۳،ص ۸۳)

۱۴-لئالی الخبار ۲،ص ۲۸۵

۱۵-وسائل ۸،ص ۵۱۰

۱۶-السكوت عند الضرورة بدعة(بحار ۷۷،ص ۱۶۷)

اگر:

-علماء کی خاموشی لوگوں کی بدگمانی کا سبب ہو۔

-علماء کی خاموشی ظالم کی گستاخی کا سبب ہو۔

-خاموشی ظالم کی تائید کی موجب ہو۔

-خاموشی کسی معروف کے منکر اور منکر کے معروف ہونے کا سبب ہو۔

-خاموشی مسلمانوں کے عقائد میں سستی کا سبب ہو۔

-خاموشی فکری گمراہی اور بدعت کو وسعت بخشنے کا سبب ہو۔

تو خاموشی حرام ہے اسے توڑ دینا چاہئے، چاہے انسان کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچے۔

جنہوں نے اپنی خاموشی توڑ دی:

ابن سکیت، حضرت امام رضاؑ، حضرت امام جوادؑ اور حضرت امام ہادیؑ کے دوستدار اور عباسی خلیفہ، متوکل کے بچوں کے معلم تھے۔

ایک دن متوکل نے اس سے پوچھا: ''میرے بیٹے بہتر ہیں، یا حضرت علیؑ کے دو بیٹے حسنؑ و حسینؑ؟''

ابن سکیت نے یہاں پر کئی برسوں کی خاموشی کو توڑتے ہوئی جواب دیا: ''حضرت علیؑ کا غلام قنبر تجھ سے اور تیرے بچوں سے بہتر ہے، حسنؑ و حسینؑ کی تو بات ہی نہیں!!''

متوکل، جو ایک طاغوت اور اپنے زمانے کا مطلق العنان حاکم تھا، اس جواب کی ہرگز اُمید نہیں رکھتا تھا، بہت غصے میں آیا۔ اس نے اپنے بچوں کے استاد کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ (۱۷)

۱۷-مستدرک سفینۃ البحار ۵، ۸۰

ایک اور نمونہ:

آل فرعون کا مؤمن، جس نے ایک طولانی مدت تک اپنے ایمان کو چھپا کے رکھا تھا، ایک مرتبہ کئی برسوں کی اپنی خاموشی کو توڑتے ہوئے بولا:

﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلاً اَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ ﴾(۱۸)

''کیا تم لوگ ایسے شخص کو مارنا چاہتے ہو، جو یہ کہتا ہے کہ: ''میرا پالنے والا خدا ہے۔''

ایک دوسرا نمونہ:

امر بمعروف اور نہی از منکر ایک ایسا کام ہے جسے حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے کوفہ، شام اور یزید کے دربار میں انجام دیا، یعنی اپنی خاموشی کو توڑ کر ساری باتوں کو کہہ ڈالا اور حقیقت بیان کر دی۔

۱۸-سورۂ غافر، آیہ ۲۸

امر بمعروف کو ترک کرنے کے لئے حیلہ گروں کے بہانے

روایتوں میں آیا ہے کہ آخری زمانہ میں کچھ لوگ امر بمعروف کو چھوڑ دیں گے اور اپنے لئے عذر و بہانوں کا سہارا لے کر اپنے اعمال کی توجیہ کریں گے۔ من جملہ:

۱۔ دوسروں کے گناہ سے ہمارا ربط نہیں:

بعض افراد اس دلیل کے تحت کہ "عیسیٰ اپنے دین پر اور موسیٰ اپنے دین پر" اور اس دلیل کے تحت کہ: "گناہگار کو اور مجھے ایک قبر میں نہیں ڈالا جائے گا"، باطل کے مقابل خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ جبکہ حضرت عیسیٰ کے زمانے میں بہر حال حضرت موسیٰ کے دین پر نہیں ہونا چاہئے اور اگر تمہیں گناہگار کے ساتھ قبر میں نہیں ڈالا جائیگا، لیکن دونوں کو ایک ہی معاشرے میں رکھا تو گیا ہے۔

جُرم، معاشرے میں پھیلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ایک شخص اگر ایک برا کام کرے تو پورے معاشرے پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک سگریٹ پینے والا پورے ماحول کی ہوا کو آلودہ کرتا ہے۔ ایک جھوٹ بھی تمام روابط کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ ایک بُری نظر، عیاشی، زنا اور حرام زادہ کی پیدائش کا سرچشمہ بنتی ہے اور وہ حرام زادہ ہر روز سیکڑوں فتنہ و فساد انجام دیتا ہے۔

بعض اوقات صرف ایک گناہ، دوسرے بہت سے گناہوں کا پیش خیمہ بنتا ہے۔ شراب خواری ایک ایسا گناہ ہے کہ انسان کومست کر دیتی ہے اور مستی کے عالم میں ہزاروں حادثے رخ دیتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے: ''معاشرے میں گناہ کی مثال کشتی میں سوراخ کرنے کے مانند ہے''۔ اگر کشتی میں سوار ایک شخص اپنی جگہ پر کشتی میں سوراخ کرے تو جیسے ہی کشتی میں پانی بھرے گا، کشتی میں سوار تمام مسافر غرق ہو جائیں گے۔

بہرحال، یہ سوچ صحیح نہیں ہے کہ کسی کا گناہ دوسروں کی سرنوشت پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا:

''پوشیدہ انجام پانے والا گناہ، صرف گناہگار کو نقصان پہنچاتا ہے، لیکن اگر سرعام انجام پانے والے گناہ کو روکا نہ جائے، تو اس کا نقصان تمام لوگوں کو پہنچے گا۔'' (۱۹)

۲- امر بمعروف اور نہی منکر کو مخالفِ آزادی جاننا:

آزادی، ایک مقدس لفظ ہے جس کے پس پردہ ہزاروں نامقدس کام انجام پاتے ہیں۔ آزادی کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہر شخص ہر وقت جو چاہے کرے، کیونکہ یہ نہ عقل کے ساتھ سازگار ہے اور نہ معاشرے کی کوئی فرد یا نظامِ حکومت اسے قبول کرتا ہے۔

آزادی، قانون الٰہی اور عقل و فطرت کے حدود میں صحیح ہے، ورنہ یہی آزادی، افراتفری، لاقانونیت، دوسروں کے لئے مزاحمت اور دخل اندازی جیسی سیکڑوں مصیبتوں کا سبب بن سکتی ہے۔

اگر بچوں کو آزاد رکھا جاتا تو زمین پر کوئی انسان باقی نہ رہتا، کیونکہ وہ سب اپنے آپ کو کسی نہ کسی طرح گوناگوں خطروں سے دوچار کر کے نابود کر ڈالتے۔ اگر آزادی پر قابو نہ پایا جائے تو کوئی

۱۹- بحار ۹۸، ص ۸۷ بہ نقل از میزان الحکمہ

کام صحیح ہو ہی نہیں سکتا۔ سماجی زندگی میں، آزادی، معاشرے کی سلامتی اور قانون کی بنیادوں پر استوار ہونی چاہئے اور کسی کی شخصی آزادی دوسرے لوگوں کی آزادی کو سلب کرنے کا سبب نہیں بنی چاہے۔ اگر کوئی اپنے اظہار نظر اور آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھائے، تو اس پر روک لگانا چاہئے۔

۳-شرم وحیا:

کبھی امر بمعروف ونہی ازمنکر کے سلسلہ میں خاموشی اور اس کو ترک کرنے کا سرچشمہ روحانی اور نفسیاتی مسائل ہوتے ہیں، انسان شرم وحیا کرتا ہے۔ اس طرح کی شرم وحیا کی اسلامی روایات میں مذمت کی گئی ہے اور جو بھی اس قسم کی صفت سے دوچار ہو، اسے مشق کرکے اس سے نجات حاصل کرنا چاہئے۔ اور اسے جاننا چاہئے کہ اس دنیا میں وقتی شرم وحیا قیامت میں ابدی جہنم کی صورت میں ظاہر ہوگی۔

۴-خوف:

کبھی انسان خوف اور ڈر کی وجہ سے امر بمعروف اور نہی ازمنکر نہیں کرتا ہے۔ کس چیز سے ڈرتا ہے؟ ڈرتا ہے کہ شاید اس کے گاہک اور خریدار کم ہوجائیں گے۔ لیکن اسے جاننا چاہئے کہ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق امر ونہی کسی کی روزی نہیں کاٹتی۔ انسان ڈرتا ہے کہ اپنے دوستوں سے ہاتھ دھو بیٹھے گا، لیکن اسے جاننا چاہئے کہ اس کا بہترین دوست خدائے تعالیٰ ہے، اس کے دوست بالاخر ایک دن اسے چھوڑ چلے جائیں گے۔

انسان ڈرتا ہے لوگ اس کی بات پر کان نہ دھریں گے، لیکن اسے جاننا چاہئے کہ وہ خدا کی جانب سے ایک عظیم انعام وصلہ کا مالک بن جائے گا چاہے لوگ اس کی بات پر کان نہ دھریں۔ وہ ڈرتا ہے کہ اسے ڈرایا دھمکایا جائے گا، لیکن اسے جاننا چاہئے کہ خدا اس کے ساتھ ہے اور موت

خدا کے اختیار میں ہے۔

وہ ڈرتا ہے کہ لوگ اس کی کارکردگی پر تنقید کریں گے، لیکن یہ بھی ان لوگوں کے لئے ایک کمال ہے جو خود کو بہتر بنانا چاہتے ہیں۔

حضرت رسول خداؐ، امام علی ابن ابیطالبؑ اور امام صادقؑ سے نقل شدہ بہت سی روایتوں میں آیا ہے: ''امر بمعروف اور نہی از منکر کرو اور ڈرو نہیں، کیونکہ اس سے نہ تمہاری روزی رُکے گی اور نہ تمہاری موت نزدیک آئے گی۔(۲۰)

۵-ایک پھول کے کھلنے سے بہار نہیں آتی!:

بعض اوقات دوسروں کی خاموشی انسان کو خاموشی اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اور انسان اپنے آپ سے کہتا ہے: ''ایک پھول کے کھلنے سے بہار نہیں آتی''۔ یہاں پر ایک مسلمان کو جرأت کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور مشکلات سے نہ ڈرنا چاہئے۔ اسے جان لینا چاہئے کہ ایک مناسب اور خطرناک ماحول میں امر بمعروف کرنا زیادہ اجر کا سبب بنتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں بیان ہوا ہے: ''بہترین جہاد کلمۂ حق ہے جو انسان ایک ظالم اور ستمگر حاکم کے سامنے کہتا ہے'' چونکہ ستمگر حکام کے اردگرد چاپلوس انسان ہوا کرتے ہیں جو طاغوت کے ہر کام کو خوشنما ظاہر کرتے ہیں اور ظالم حاکم تصور کرتا ہے کہ اس کے تمام کام صحیح ہیں ﴿زین لفرعون سوء عمله﴾ اس خاموشی اور چاپلوسی کی فضا میں اگر ایک بہادر پیدا ہو جائے اور خاموشی کو توڑ کر حق بات کہہ دے تو یہ اس کا ایک عظیم کارنامہ ہوگا اور وہ بڑے اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

۲۰-میزان الحکمہ، ج۶، ص۲۶۳ میں یہ روایت ذکر ہوئی ہے۔

۶۔فکری گمراہی:

کچھ لوگ فکری گمراہی کی وجہ سے مسائل کو جبری تصور کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''خدا نے چاہا ہے کہ یہ کام ہو۔ ہمیں کیا پڑی کہ اس میں رکاوٹ بنیں؟''

یہ منطق اُن افراد کی منطق ہے، جو اپنے شرک کو خدا سے نسبت دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ''اگر خدا چاہتا تو ہم اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرتے۔ اب جبکہ ہم بت پرست ہیں تو یقیناً خدا اس پر راضی ہے۔'' (۲۱)

یا یہ کہتے ہیں: ''اگر فلاں کام اچھا ہے تو خدا خود کیوں اسے انجام نہیں دیتا۔ مثال کے طور پر اگر بھوکوں کو کھلانا اچھا ہے، تو خدا کو چاہئے خود ان کو رزق دیدے، ہم کیوں یہ خرچ برداشت کریں؟ (۲۲)

گویا یہ لوگ اس امر سے غافل ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے لوگوں کو آزاد رکھا ہے اور نعمتوں کو عطا کرنے یا لے لینے کے ذریعہ ان کا امتحان لیتا ہے۔ خدا نے انسان کو عقل عطا کی ہے تا کہ وہ بتوں کے پیچھے نہ جائے، اسے رحم کا جذبہ دیا ہے تا کہ فقراء کو خیرات کرے اور اس طرح انسانی کمال حاصل کرے۔ افسوس یہ ہے کہ بعض افراد فلسفۂ ''انتظار'' کے بارے میں بھی فکری گمراہی سے دوچار ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر کہتے ہیں: ''ہم منتظر ہیں کہ حضرت مہدی علیہ السلام تشریف لائیں گے اور خود سب کچھ درست کر دیں گے۔''

ان لوگوں نے ''انتظار'' کو ''احتضار'' یعنی جان کنی سے تعبیر کیا ہے کہ انسان رو بہ قبلہ لیٹ کر ملک الموت کی آمد کا انتظار کرے کہ وہ آ کر اس کی قبض روح کر لے، یہ لوگ اس امر سے غافل

۲۱۔وَقَالَ الَّذِينَ اَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ (نحل/۳۵)

۲۲۔قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اَنُطْعِمُ مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهُ (یٰس/۴۷)

ہیں کہ انتظار کا مطلب تیار رہنا ہے نہ کہ لا ابالی ولا پرواہ رہنا۔ رات کی تاریکی میں سورج کے طلوع ہونے کا انتظار کرنے والا ہرگز رات تاریکی میں بسر نہیں کرتا، بلکہ چراغ یا شمع جلا کر روشنی میں صبح کا انتظار کرتا ہے۔

۷- بے جا توقع:

کچھ لوگ یہ توقع رکھتے ہیں کہ جو کچھ کہیں اس پر فوراً عمل ہونا چاہئے۔ یہ لوگ ایسے توقعات کی بنا پر امر بمعروف اور نہی از منکر نہیں کرتے اور کہتے ہیں: ''ہمیں اس بات کی فکر ہے کہ کہیں ہماری بات پر عمل نہ ہو''۔ اس قسم کے افراد بے جا توقع رکھتے ہیں، کیا لوگوں نے انبیاء اور معصومین علیہم السلام کی تمام باتوں پر کان دھرا ہے؟ ہمیں مسائل کا نسبی اور فیصدی کے اعتبار سے جائزہ لینا چاہئے اور اگر پورے مقاصد تک نہ پہنچیں تو اُسی چند فیصدی پر قناعت کرنی چاہئے۔ پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: ''خدا کی قسم اگر صرف ایک آدمی تمہارے ذریعہ ہدایت پا جائے، تو وہی تمہارے لئے ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں''۔

اس حدیث کی رو سے پیغمبر اسلامؐ صرف ایک شخص کی ہدایت پر بھی قانع ہیں۔

بے جا توقع کی ایک اور مثال یہ ہے کہ انسان اپنی تمام حیثیت و عزت کے تحفظ اور آرام و آسائش کے ساتھ آج ہی اور اسی لمحہ صرف ایک بار کی ہدایت کے ذریعہ چاہتا ہے کہ کام مکمل ہو جائے اور لوگ اس کی بات پر عمل کرنے لگیں اور اگر مندرجہ بالا مسائل یعنی اس کے آرام و عزت و حیثیت میں سے کسی ایک کو کوئی نقصان پہنچا تو کہتا ہے: ''میرا کوئی فریضہ نہیں ہے''۔

۸- دوسرے بھی تو موجود ہیں:

کچھ لوگ امر بمعروف و نہی از منکر نہیں کرتے اور کہتے ہیں: ''فلاں شخصیت یا مقام یا فلاں

انجمن اسلامی اور دیگر لوگ بھی تو موجود ہیں''۔ یہ لوگ اس امر سے غافل ہیں کہ امر بمعروف نماز کی طرح سب لوگوں پر فرض ہے، ممکن ہے جس بدکاری کا مشاہدہ آپ نے کیا ہے فلاں ذمہ دار اور سرپرست نے اسے نہ دیکھا ہو، یا ممکن ہے کہ وہ ذمہ دار یہ محسوس کرے کہ لوگوں کی حمایت سے محروم ہے اور اگر آپ جیسے افراد آواز اٹھائیں تو دوسرے بھی ان کے ہم نوا ہوکر ہاں میں ہاں ملائیں گے۔

حقیقت میں دوسروں کی غفلت اور لاپروائی ہماری غفلت کی وجہ اور دلیل نہیں بن سکتی۔

۹- آج اگر روک لیں، تو کل کیا ہوگا؟

بعض افراد امر بمعروف و نہی از منکر نہیں کرتے اور کہتے ہیں''فرض کیجئے آج ہم نے فساد کو روک لیا تو کل پھر سے فساد اور بدکاری شروع ہو جائے گی''۔ یہ ویسا ہی ہے کہ ہم کہیں:''اگر آج ہم نے گھر اور آنگن کی صفائی کرلی تو آئندہ ہفتہ گھر اور آنگن دوبارہ گندے ہو جائیں گے۔ آنے والے کل میں گناہ کی امکانی تکرار اس امر کا سبب نہیں بن سکتی کہ آج ہم اس سے چشم پوشی کرلیں۔

۱۰- ایک ناکامی پر میدان چھوڑ دینا:

کچھ افراد امر بمعروف و نہی از منکر تو کرتے ہیں، لیکن اس کام میں کامیاب نہیں ہوتے اور یہ ناکامی ان کی روح پر ہمیشہ کے لئے اس طرح منفی اثر ڈالتی ہے کہ کہنے لگتے ہیں:''اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ فلاں وقت ہم نے کہا تھا اور کوئی اثر نہ ہوا''۔

ایسے افراد کو بھی جاننا چاہئے کہ: آپ اسی وقت جب بظاہر ناکامی سے دوچار ہوئے، خدا کی طرف سے ایک بڑا اجر و صلہ پاچکے ہیں۔

دوسرے یہ کہ ممکن ہے آپ کی یاددہانی پر عکس العمل دکھا کر اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی جائے، لیکن جلد یا دیر آپ کی بات ان پر اثر ڈالے گی۔

اس کے علاوہ ایک یا دوبارنا کامی سے دوچار ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ اس فریضہ الٰہی کو ترک کردیا جائے۔ اگر آپ کسی ڈاکٹر کے نسخہ پر عمل کر کے صحت یاب نہیں ہوتے تو کیا آپ ہمیشہ کے لئے اس بیماری کو برداشت کرتے رہتے ہیں؟ یا ڈاکٹر اور نسخہ کو اس قدر بدلتے رہتے ہیں کہ صحت یاب ہوجائیں؟!

۱۱-خودسازی کے خیال سے فریضہ کو ترک کرنا:

بعض افراد خود اپنے آپ کو بہتر بنانے کے خیال سے معاشرے میں گزرنے والے خیر وشر اور دیگر مسائل سے لاپرواہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال جنگ تبوک کے فراریوں جیسی ہے جو پیغمبر اسلامؐ سے کہتے تھے کہ: ''ہم اپنے تقویٰ کی حفاظت کے لئے جنگ میں آپ کے ساتھ نہیں آرہے ہیں کیونکہ تبوک کی طرف سفر کرنے اور رومیوں سے جنگ کرنے کے سلسلہ میں اس بات کا خدشہ ہے کہ ہماری نگاہیں نامحرم لڑکیوں پر پڑیں گی اور ہم گناہ کے مرتکب ہوجائیں گے۔ اس لئے ہم آپ کو جنگ میں تنہا چھوڑ رہے ہیں۔''

۱۲-بات حد سے گزر چکی:

کچھ لوگ امر بمعروف ونہی از منکر نہ کرنے کا بہانہ یہ بناتے ہیں کہ: ''ہمیں اس سلسلے مین اساسی طور پر غور وفکر کرنا چاہئے، کیونکہ یاددہانی، موعظہ اور امر بمعروف کا طریقہ تو اب ایک گئی گزری بات ہوگئی''۔ حقیقت میں یہ بھی ایک شیطانی وسوسہ اور حیلہ ہے، بالکل اسی طرح جیسے کوئی ایک پیاسے کو دیکھ رہا ہے اور یہ اختیار رکھتا ہے کہ فوری طور تھوڑا سا پانی دیکر اسے موت سے نجات

دے سکے، لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ: ''ہمیں پینے کے صاف اور صحتمند پانی کی فراہمی کے لئے ایک اساسی فکر کرنی چاہئے۔''

اگر چہ اساسی طور پر کسی مسئلہ کے سلسلہ میں منصوبہ بندی کرنا ایک اچھی اور منطقی بات ہے لیکن یہ فکر امر بمعروف کو ترک کرنے کا بہانہ نہیں بننا چاہئے۔

۱۳۔ طمع:

بعض اوقات مال دنیا کی طمع میں، انعام وہدیہ یا عیدی حاصل کرنے اور خریدار کو جذب کرنے یا دوسروں کی خوشی کے لئے منکرات سے چشم پوشی کر لی جاتی ہے۔ (۲۳)

۱۴۔ آرام پسندی:

بعض آرام پسند افراد تجاہل عارفانہ کے طور پر ذمہ داریوں سے پہلوتہی کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے: ''تم لوگ آرام پسند زندگی سے دلچسپی رکھنے اور ذمہ داریوں سے غفلت کی بنا پر امر بمعروف ونہی از منکر سے پہلوتہی کرتے ہو''۔ (۲۴)

۲۳۔فلا ینھونھم عن ذلک رغبۃ فیما کانوا ینالون منھم ورھبۃ ممایحذرون (وسائل ۱۱، ۳۹۵)

۲۴۔قال رسول اللہؐ غشیتکم سکرتان، سکرۃ حب العیش و حب الجھل فعند ذلک لاتأمرون بالمعروف و لاتنھون عن المنکر (نہج الفصاحہ، حدیث ۲۰۳۲)

منکرات کے منحوس اثرات

اگر ابتداء سے ہی منکرات کی روک تھام نہ کی جائے اور خاموشی اختیار کر لی جائے تو مسلسل خطرات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل مراحل قابل غور ہیں:

پہلا قدم۔ گناہ کو دیکھ کر بے توجہی برتنا اور نہی از منکر نہ کرنا۔

دوسرا قدم۔ گناہ کا عادی اور معمول ہو جانا۔

تیسرا قدم۔ گناہ کو انجام دینے میں رضامندی کا اظہار۔

چوتھا قدم۔ گناہ کو انجام دینے میں مدد کرنا۔

پانچواں قدم۔ گناہ کا مرتکب ہونا۔

چھٹا قدم۔ گناہ کو انجام دینے پر اصرار کرنا اور اس کا عادی بن جانا، حتیٰ گناہ انجام دیتے وقت لذت محسوس کرنا۔

ساتواں قدم۔ دوسروں کو گناہ کی دعوت دینا۔

آٹھواں قدم۔ گناہ کو انجام دینے اور اس کی تبلیغ پر پیسے خرچ کرنا۔

نواں قدم۔ گناہ اور بدکاری سے اجتناب کرنے والوں سے لڑنا جھگڑنا، انھیں اذیت و آزار دینا اور جلاوطن کرنا۔

دسواں قدم۔ بے رحم اور قسی القلب ہو جانا (نعوذ باللہ)

اگر قرآن مجید فرماتا ہے کہ :

''شیطان کے نقش قدم پر نہ چلنا'' (۲۵)۔ تو یہ اسلئے ہے کہ شیطان انسان کو قدم بہ قدم فساد کی طرف کھینچتا ہے۔ (۲۶)

ایک جج صاحب نے مجھ سے یہ بیان کیا: ''ہم نے ایک قاتل منافق کو پکڑا جس نے سترہ افراد کو قتل کیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ: ''قتل کرتے وقت تمہیں کوئی دکھ نہیں ہوتا تھا؟'' اس نے جواب میں کہا: ''پہلے مؤمن کو شہید کرتے وقت میں لرز گیا تھا، لیکن اس کے بعد میرے لئے یہ کام معمول بن چکا تھا''۔

شیطان کے رفتہ رفتہ اور قدم بہ قدم اثر کو نہج البلاغہ میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

-''فَبَاضَ'' پہلے شیطان ان لوگوں کی روح میں انڈے دیتا ہے۔

-''وَفَرَّخَ فِي صُدُورِهِمْ'' پھر چوزے نکالتا ہے۔

-''وَدَبَّ'' اس کے بعد شیطان کے چوزے انسان کی روح میں چاروں ہاتھ پاؤں سے حرکت کرتے ہیں۔

-''وَدَرَجَ فِي حُجورِهِمْ'' پھر یہ چوزے انسان کی گود میں ادھر اُدھر پھرنے لگتے ہیں۔

-''فَنَظَرَ بِاَعْيُنِهِمْ'' اس کے بعد شیطان ان لوگوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا ہے اور وہ ''عین اللہ'' کے بجائے ''عین الشیطان'' ہو جاتی ہیں۔

-''وَنَطَقَ بِاَلْسِنَتِهِمْ'' اس کے بعد شیطان ان کی زبان سے بولنے لگتا ہے۔

-''فَرَكِبَ بِهِمُ الزَّلَلَ'' پھر شیطان ان ہی افراد کے ذریعہ دوسروں کی لغزش کا سامان بھی فراہم کرتا ہے۔ (۲۷)

۲۵-وَلاَ تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ (بقرہ/۱۶۸و۲۰۸)

۲۶-وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَاِنَّهُ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْكَرِ (نور/۲۱)

۲۷-خطبہ/۷، نہج البلاغہ

منحوس اثرات:

ہر گناہ دوسرے گناہ کا سبب بن جاتا ہے۔ اگر انسان اپنے اور دوسروں کے حرکات و سکنات کے بارے میں ہوشیار نہ رہے اور اپنے آپ اور دوسروں کو آگاہ نہ کرتا رہے تو بعض اوقات ایک حادثہ یا گناہ بہت ہی برائیوں کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔

حضرت یوسفؑ کی داستان پر ایک نظر:

حضرت یوسفؑ کے بھائی حسد کے شکار ہوئے تھے اور اسی ایک گمراہ جذبے کے تحت بہت سی برائیوں سے دوچار ہوئے، جیسے:

۱- اپنے والد پر گمراہی کی تہمت لگانا۔

۲- کھیل اور تفریح کے بہانے اپنے بھائی کو اغوا کر کے اسے اپنے باپ سے جدا کرنے کا منصوبہ بنانا۔ (۲۸)

۳- اپنے بھائی کو کنویں میں گرا دینا۔ (۲۹)

۴- یہ جھوٹ بولنا کہ اسے بھیڑیا کھا گیا۔ (۳۰)

۵- یوسف پر چوری کا الزام لگانا۔

اس لحاظ سے ممکن ہے ہر گناہ دوسرے گناہوں کا وسیلہ وسبب اور زمینہ ساز بن جائے۔ اسلئے ضروری ہے کہ پہلے ہی گناہ سے روکا جائے تا کہ دوسرے گناہ نشو ونما نہ پائیں۔

ظاہر ہے کہ منکرات یا برے اعمال کے برے آثار مختلف پہلوؤں میں ہوتے ہیں، چاہے

۲۸- اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَداً يَرْتَعْ وَ يَلْعَبْ (یوسف/۱۲)

۲۹- اَلْقُوهُ فِى غَيٰبَتِ الْجُبِّ (یوسف/۱۰)

۳۰- فَاَ كَلَهُ الذِّئْبُ (یوسف/۱۷)

نقصان اور خطرہ کے خوف کو کیا کریں؟

اگر چہ ''اہم ومہم'' کے قاعدے کے مطابق ہر اقدام کے وقت سوچ سمجھ کر عمل کرنا چاہئے اور معمولی فائدے کے لئے زیادہ طاقت ووسائل صرف نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم امر بمعروف اور نہی از منکر کے سلسلہ میں کسی کو یہ ضمانت دے دیں کہ تمہاری جان ومال محفوظ ہے۔ ہمیں ان دو عظیم فرائض کو انجام دینے میں بعض اوقات خطرات سے دوچار ہونے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں اس قدر تاکید اور اتنے زیادہ اجر وثواب ان لوگوں کے لئے نہیں ہیں جو کسی دردسری کے بغیر امر بمعروف کریں اور یقینی طور پر نتیجہ بھی حاصل کرلیں۔

کبھی انسان نتیجہ تک نہیں پہنچتا، پھر بھی اسے امر ونہی کرنا چاہئے۔ حضرت نوحؑ کس قدر نتیجہ تک پہنچے؟ امام حسین علیہ السلام نے عاشور کے دن لوگوں کو سب سے بڑے منکر (امامؑ کو شہید کرنے) سے روکنے کے لئے موعظہ کر کے کتنا نتیجہ حاصل کیا؟ ہمیشہ تاثیر ضروری نہیں ہے۔ بعض اوقات ضروری ہے کہ ہم اتمام حجت کے لئے موعظہ کریں۔ جیسے قرآن مجید کا فرمان ہے:

﴿عذراً او نذراً﴾(۳۱)

بہر حال، ایسا لگتا ہے کہ ان دواہم فرائض، یعنی امر بمعروف اور نہی از منکر کو ترک کرنے کا

۳۱-مرسلات/۶

سبب ہماری یہی بے جا توقع ہے جو رفتہ رفتہ ہم میں پیدا ہوئی ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ "ہماری بات کا آج ہی اثر ہونا چاہئے اور ہمیں کسی قسم کا صدمہ وگزند بھی نہیں پہنچنا چاہئے۔"

حدیث شریف میں آیا ہے: "اگر نماز لوگوں کے مال و جان کو صدمہ پہنچاتی تو اسے لوگ اسی طرح چھوڑ دیتے جس طرح بڑے بڑے اہم واجبات کو گزند پہنچنے کے سبب چھوڑ دیتے ہیں۔ (۳۲)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں خطرہ مول لینا چاہئے۔ اگر قرآن مجید بعض افراد کی ستائش میں فرماتا ہے کہ: "وہ کسی بھی قسم کی ملامت سے نہیں ڈرتے" (۳۳) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فریضہ کو انجام دینے میں ملامت وسرزنش کا سامنا ہوتا ہے اور ہمیں اسے برداشت کرنا چاہئے۔

قرآن مجید فرماتا ہے: "اگر مجرمین، اہل ایمان پر ہنستے ہیں اور جب کبھی ان کے پاس سے گزرتے ہیں تو ادائیں دکھا کر گزرتے ہیں۔ اگر باہم جمع ہوتے ہیں تو اہل ایمان کے پس پشت ان کا مذاق اڑاتے ہیں ان سے گمراہی اور کج فہمی کو نسبت دیتے ہیں، بہر حال مضحکہ، طعنہ زنی اور چغل خوری کے ذریعہ مؤمنین کی تحقیر کرتے ہیں، یہ سب اسلئے ہے کہ فریضہ پر عمل کرنا ایک دردسری ہے۔ (۳۴)

مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جس دین میں تمام انبیاء و اولیاء بے احترامی اور شہادت سے دوچار ہوئے، اس میں آرام و آسائش اور دردسر کے بغیر کی شرط کہاں سے آئی کہ کہا جاتا ہے: امر بمعروف اور نہی از منکر کے لئے شرط یہ ہے کہ انسان کو کسی قسم کا صدمہ یا دھچکا نہ

۳۲-ولو اضرت الصلوة بسائر ما یعملون باموالهم وابدانهم لرفضوها کما رفضوا اسمی الفرائض و اشرفها (فروع کافی ج۵، ص۵۵)

۳۳-لَا یَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِم (مائدہ/۵۴)

۳۴-اِنَّ الَّذِینَ اَجْرَمُوا کَانُوا مِنَ الَّذِینَ آمَنُوا یَضْحَکُونَ۔ وَاِذَا مَرُّوا بِهِمْ یَتَغَامَزُونَ۔ وَاِذَا انْقَلَبُوا اِلَی اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَکِهِینَ۔ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوا اِنَّ هٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ۔ (مطففین ۲۹-۳۲)

پہنچے۔“میں کہتا ہوں کہ:”دردسری کے بغیر دین، ایک ایسے دین کا تصور ہے، جسے انبیاء واولیاء میں سے کوئی نہیں لایا ہے۔ کیا دین کی بنیاد دردسری کے بغیر رکھی گئی تھی کہ اس کا تحفظ دردسری کے بغیر ہو؟ جبکہ ہم جانتے ہیں کہ بعض اوقات چیزوں کا تحفظ ان کے بنانے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔“

ایک گروہ کی تنقید کرتے ہوئے قرآن مجید کئی جگہ فرماتا ہے:”لوگوں کی نسبت خدائے تعالیٰ سزاوارتر ہے کہ اس سے ڈراجائے۔“(۳۵)اس کا مطلب یہ ہے کہ”لوگوں سے نہ ڈرو!“

کئی آیتوں میں ایک گروہ کی تعریف و تمجید یوں کی گئی ہے:”وہ کسی سے نہیں ڈرتے“(۳۶)۔ گویا یہ آیتیں ہم سے کہتی ہیں کہ”تم بھی ڈرپوک نہ بنو۔“

بعض آیات یہ فرماتی ہیں کہ:”انبیاء اپنے مقاصد کی راہ پر شہید ہوگئے۔“یعنی”تم لوگ ان کی راہ پر چلو۔“

بعض آیتیں ہمیں بتاتی ہیں کہ:”افراد کی کمی سے پروانہ کرواور اکثریت کو معیار قرار نہ دو“(۳۷)بعض روایتیں بتاتی ہیں کہ:”سب سے بڑااور عظیم جہاد ظالم وجابر بادشاہ کے سامنے حق کا اظہار کرنا ہے۔“(۳۸)اور”حق کو بیان کرو، چاہے خود تمہارے خلاف ہو(۳۹)۔ چاہے تلخ ہواور خلق کی رضامندی اس میں نہ ہو۔“یہ سب فریضہ الٰہی کو انجام دینے میں حوصلہ اور جرأت و ہمت بخشنے والی چیزیں ہیں۔ وہ تمام آیتیں اور روایتیں جو مخالفوں کی اذیت وآزار کے مقابل میں لوگوں کے صبر و تحمل کی ستائش کرتی ہیں اور وہ آیتیں وروایتیں جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمدؐ کو اسوہ اور

۳۵-واللهُ اَحقُّ اَنْ تَخْشَاهُ(احزاب/۳۷)

۳۶-وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَداً اِلَّا اللهَ(احزاب/۳۹)

۳۷-كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ...(بقرہ/۲۴۹)

۳۸-افضل الجهاد كلمة حق عند امام جائر(وسائل، ج۱۱،ص۴۰۶)

۳۹-قل الحق ولو كان عليك ,اقرب العباد الى الله اقولهم للحق و ان كان عليه(غرر،۲/۳۴۷۹۶۱)

نمونۂ عمل قرار دیتی ہیں، سب کی سب اس امر کی دلیل ہیں کہ انسان کو بعض اوقات خطرہ مول لینا چاہئے۔ اس لحاظ سے جو روایتیں کہتی ہیں کہ: ''امر بمعروف اس وقت ہے جب انسان اپنی جان اور دوستوں کے بارے میں پروانہ کرے۔'' (۴۰) ممکن ہے ایسے خاص موقعوں اور مراحل کے لئے ہوں جہاں ''اہم و مہم'' کا قانون درپیش ہوتا ہے، یعنی منکر اس حد میں نہ ہو کہ اس کے لئے جان کی قربانی دی جائے۔

لیکن اگر دین، خط اسلام، لوگوں کی عصمت وعفت، اسلام کا مقدس نظام اور حق کی قیادت و رہبری خطرے میں پڑ جائے تو یہاں پر مؤمن کو اٹھ کھڑے ہونا چاہئے اور آرام و آسائش کو چھوڑ کر آگے بڑھنا چاہئے۔

قرآن مجید ''آرام پسند افراد'' کے بارے میں یوں فرماتا ہے:

۱- جب بھی جہاد کا حکم جاری ہوتا ہے تو ڈرپوک آرام پسند لوگ آپ سے رخصت کی درخواست کرنے لگتے ہیں (۴۱)۔

۲- اگر گرمیوں میں حکم جہاد دیا جاتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں: ''گرمیوں میں جہاد کے لئے نہ جایئے! صبر کیجئے اور مناسب موسم میں جہاد کے لئے جایئے۔'' (۴۲)

۴۰- امام رضاؑ نے مأمون رشید کو ایک خط میں مرقوم فرمایا: ''والامر بالمعروف والنهي عن المنكر واجبان اذا امكن ولم يكن خيفة على النفس'' اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا'' ولم يخف على نفسه ولا اصحابه '' (بحار ۱۰، ص ۲۲۸ و ص ۳۵۷) شاید امام رضاؑ کا یہی خط دلیل ہے وہ تقیہ کا دور تھا۔ بنی عباس اپنی حکومت کے سلسلہ میں اہل بیتؑ سے خائف تھے اور امام رضاؑ ظاہراً طاغوت کو مطمئن کرنا چاہتے تھے۔

۴۱- وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ آمِنُوا بِاللهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقَاعِدِيْنَ (توبہ/۸۶)

۴۲- لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ (توبہ/۸۱) حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ کے ۲۷ ویں خطبہ میں یہی بات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تم لوگ کہتے ہو کہ ہوا گرم ہے اور اس گرمی سے ڈر کے بھاگتے ہو۔ میدان کارزار میں تلواروں سے ڈر کے بھاگنے کی تمہاری حالت اس سے بدتر ہوگی''۔

۳-اگر راستہ نزدیک ہوتو جاتے ہیں لیکن اگر راستہ دور ہوتو نہیں جاتے۔ (۴۳)

قرآن مجید ان لوگوں کی تمجید وستائش کرتا ہے جنھوں نے مشکلات میں اسلام کی نصرت کی تھی۔ (۴۴)

مخفی نہ رہے کہ انسان لغزشوں سے دوچار ہوتا ہے اور آرام وآسائش کو پسند کرتا ہے، لیکن اس کی یہ آرام وآسائش اس حالت میں نہ ہونی چاہئے جب دوسرے لوگ سخت ترین حالات میں زندگی بسر کررہے ہوں۔

پیغمبراکرمؐ کا ایک صحابی جنگ کے ایام میں محاذ جنگ پر جانے کے بجائے اپنے گھر میں اپنی بیویوں کے ساتھ آرام تکیہ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا ٹھنڈا پانی پی رہا تھا۔ اچانک اسے محاذ جنگ یاد آیا اور سوچنے لگا کہ پیغمبر اسلامؐ اس سخت گرمی میں جنگ وجہاد میں مشغول ہیں۔ یہ خیال آتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور فوراً محاذ جنگ کی طرف روانہ ہوگیا اور اپنے آپ کو رسول خداؐ کے پاس پہنچادیا۔ اس داستان کو قرآن مجید نقل کرتے ہوئے یوں فرماتا ہے: ''قریب تھا کہ آرام پسندی بعض لوگوں کو راستے سے بھٹکادے، لیکن خدائے تعالیٰ نے اپنی مہربانیوں سے اسے نوازا اور وہ متوجہ ہوگیا اور اس نے خود کو مسلمانوں کی نصرت کے لئے ان کے پاس پہنچادیا۔''

محاذ جنگ کے لئے ہی نہیں بلکہ قرآن مجید نے مناجات سحر اور نماز شب کے لئے بستر سے اٹھنے کی ستائش کی ہے اور فرماتا ہے: ''جو لوگ نیند کے آرام کو چھوڑ دیتے ہیں، کوئی نہیں جانتا ان کو کس قدر عظیم اجر و پاداش ملنے والی ہے''۔ (۴۵)

بنیادی طور پر امر بمعروف دردسر ومشکلات رکھتا ہے، اسی لئے حضرت لقمان نے اپنے

۴۳-لَوْ كانَ عَرَضاً قَريباً وَسَفَراً قاصِداً لاتَّبَعُوكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ (توبہ/۴۲)

۴۴-اَلَّذينَ اتَّبَعُوهُ فى ساعَةِ الْعُسْرَةِ... (توبہ/۱۱۷)

۴۵-تَتَجافىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضاجِعِ... فَلاٰ تَعْلَمُ نَفْسٌ ماٰاُخْفِىَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (سجدہ/۱۶و۱۷)

بیٹے سے کہا: ''بیٹا! نماز قائم کرو، نیکیوں کا حکم دو، برائیوں سے منع کرو اور اس راہ میں جو مصیبت پڑے اس پر صبر کرو کہ یہ بڑے عزم و حوصلہ کا کام ہے''۔(۴۶)

حضرت لقمان جانتے تھے کہ لوگوں کی ہوا و ہوس اور ان کی بدکاریوں سے ٹکر لینا اُن کی ناراضگی اور ان کی آزادی سلب کیے جانے کا سبب ہوگا، کیونکہ قدرتی طور سے ایسے لوگ امر بمعروف اور نہی از منکر کرنے والوں سے جنگ پر اتر تے ہیں، خاص کر اگر امر بمعروف کرنے والا نوجوان ہو۔ اسی لئے فرماتے ہیں: ''تمہیں صبر کرنا چاہئے''۔

جو امر بمعروف اور نہی از منکر نہیں کرتے وہ اپنی آرزوؤں کو نہیں پہنچتے۔

بہت سے ایسے افراد جو اس الٰہی فریضہ کو چھوڑ چکے ہیں، اس خیال میں ہیں کہ اگر امر بمعروف اور نہی از منکر کریں گے تو کسی خطرے سے دوچار ہوں گے، ان کی عمر کم ہو جائے گی یا کسی نقصان سے دوچار ہو جائیں گے۔ اسی لئے حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''امر بمعروف اور نہی از منکر کا فریضہ نہ موت کو نزدیک لاتا ہے اور نہ روزی کو کم کرتا ہے(۴۷)۔ لیکن یہ افراد غفلت میں ہیں اور ہرگز اپنی آرزو کو نہیں پہنچتے، کیونکہ امر بمعروف اور نہی از منکر کو ترک کرنے سے شر پسند افراد ان پر غلبہ کر لیتے ہیں(۴۸)۔ پھر غلبہ کے بعد یہ شر پسند نہ لوگوں کے مال پر رحم کرتے ہیں نہ جان پر''۔

بے عقلی کا ثبوت:

ایسے لوگ بھی ہیں جو ایسے افراد کو ''عاقل'' کا لقب دیتے ہیں جو نہ معاشرہ کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور نہ اہل امر بمعروف و نہی از منکر ہیں، لیکن اسلامی لغت میں ایسے لاابالی افراد کو بے

۴۶۔ لقمان/۱۷

۴۷۔ خطبہ ۱۵۶ لایقربان من اجل و لاینقصان من رزق

۴۸۔ بحار ج ۹۷ ص ۷۲ سلط اللہ علیهم شرارهم

عقل، کمزور اور مبغوض کا لقب دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے: ''خدائے تعالیٰ ضعیف اور بے عقل مسلمانوں پر غضب کرتا ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جو برے کاموں سے لوگوں کو نہیں روکتے۔'' (۴۹)

۴۹۔ ان اللہ لیبغض المؤمن الضعیف الذی لازبر لہ (وھو الذی لاینھی عن المنکر) مرحوم صدوق فرماتے ہیں کہ جبر کے وزن پر لفظ زبر عقل کے معنی میں ہے۔ (وسائل ۱۱ ص ۳۹۹)

نیکیوں کا حکم دینے والوں کی حمایت

ابوذر غفاریؓ، معاویہ پر اعتراض کرتے تھے اور اس کی فضول خرچی کی مخالفت کرتے تھے۔ بالآخر معاویہ نے حاکم وقت کے نام ایک خط لکھا: ''اگر چاہتے ہو کہ حکومت ہمارے ہاتھوں میں رہے تو ابوذرؓ کو میدان سے ہٹادو، کیونکہ ان کے افشائے راز کرنے کی وجہ سے ہماری آبرو وحیثیت باقی نہیں رہی ہے۔'' حاکم وقت نے ابوذر کو ربذہ کے لئے جلاوطن کر کے حکم دیا کہ: ''کوئی ابوذر کو رخصت کرنے نہ جائے۔''

لیکن امیر المؤمنینؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ خاموشی کو توڑتے ہوئے اس نیکیوں کی ہدایت کرنے والے کی حمایت میں اٹھے اور اسے الوداع کہی۔ رخصت کے وقت تینوں بزرگواروں نے حضرت ابوذرؓ کی دلجوئی کی۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''اے اباذرؓ! تم نے خدا کے لئے غضب کیا اور آواز اٹھائی۔ یہ لوگ تمہاری افشاگری کے نتیجہ میں حکومت سے ہاتھ دھونے کے خوف سے دوچار ہوئے۔ لیکن تم نے بھی خاموشی کے گناہ سے ڈر کر آواز اٹھائی۔ کل قیامت کے دن معلوم ہوگا کہ کون کامیاب ہوا۔''

حضرت ابوذرؓ نے ربذہ میں غربت کی حالت میں ایک وصیت کی اس وقت آپ کا سر آپ کی بیٹی کی آغوش میں تھا اور اس کے بعد جان دیدی۔ انہوں نے وصیت میں کہا: ''بیٹی! کچھ ہی دیر کے بعد میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ تم اپنے حوصلے بلند رکھنا! میری موت کے بعد راستہ کی بلندی پر جانا! ایک قافلہ ادھر سے گزرے گا ان کے درمیان مالک اشتر نامی ایک

شخص ہوگا۔اس سے کہنا: ''ابوذر، پیغمبرؐ کے صحابی تھے اور انہوں نے عثمان و معاویہ کو نہی از منکر کرنے کے سبب وفات پائی ہے۔''

مالک اشتر نے احترام کے ساتھ ابوذر کے جنازہ کو اپنی تحویل میں لیا اور فرمایا:

''اللّٰھم ھذا ابوذر صاحب رسول اللہ عبدک وجاھدفیک ولم یبدل ولکنہ رای منکرا فغیرہ بلسانہ حیث جفی ونفی ثم مات وحیداً غریباً''

''خداوندا! یہ ابوذر صحابی رسولؐ اور تیرا مخلص بندہ ہے، اس نے تیری راہ میں امر بمعروف اور نہی از منکر کے لئے جہاد کیا اور دین کے ساتھ بے وفائی نہ کی، یہاں تک کہ اسے جلاوطن کر کے زندگی سے محروم کر دیا گیا اور بالآخر تنہائی کے عالم میں وفات پائی۔'' (۵۰)

اگر مشکلات، مار پیٹ اور زخمی ہونے کی نوبت آئے تو کیا کریں؟

ایک طرف اسلام، ایک آسان اور مبارک دین ہے اور قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے: ''خدانے تمہارے لئے آسانی چاہی ہے نہ کہ سختی'' (۵۱) اسلام کا ایک قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ فرائض کی انجام دہی میں ضرر و حرج نہ ہو۔ دوسری طرف نماز و روزہ کے علاوہ امر بمعروف اور نہی از منکر ہے، کیونکہ امرونہی اور لوگوں کے برے اعمال کی نگرانی اور دخل اندازی ان کی ہوا و ہوس کے ساتھ جہاد ہے۔ یہ دو فریضے، دشمنی ٹکراؤ اور ضرر کا باعث بن جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہاں پر ہم امر بمعروف پر عمل کریں یا مسئلہ ضرر و حرج کو پیش نظر رکھیں؟

۵۰- وسائل الشیعہ جلد۲۰، ص۳۰۶۔

۵۱- یُرِیدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (بقرہ/۱۸۵)

جواب:

اوّل یہ کہ: خود قرآن مجید نے امر بمعروف اور نہی از منکر کی مشکلات کے بارے میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''اس راستے میں جو بھی مشکل پیش آئے، اسے برداشت کرنا چاہئے۔'' (۵۲)

دوسرے: اگر ضرر و سختی کے امکان کے پیش نظر امر و نہی کا فریضہ لوگوں سے اٹھا لیا جائے تو ہر ستمگر لوگوں کو نقصان اور ضرر کے امکان سے ڈرا کر روک دے گا''

ثالثاً: انبیاء، اولیا اور ابوذرؓ جیسے افراد نے تو حق کی راہ کو زندہ کرنے اور باطل کو نابود کرنے کے لئے سختیاں برداشت کیں، لیکن جب ہماری باری آئے تو فتنہ و فساد کے پھیلاؤ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہوئے احتمال ضرر و خطر کے بہانے کنارہ کشی اختیار کرلیں؟ یہ بات قابل قبول نہیں ہے!!

اس لحاظ سے قاعدۂ ''ضرر و حرج'' کی جگہ، عادی اور عمومی مسائل میں ہے، جیسے وضو کرنا کسی کے لئے مشکل ہو یا پانی کسی کے لئے مضر ہو تو اس سے کہا جاتا ہے کہ:

''قانون حرج'' کے مطابق آپ وضو کے بجائے تیمم کر سکتے ہیں''۔

لیکن اسلام کے بعض احکام کی بنیاد سختیوں کو برداشت کرنے کے اصولوں پر ڈالی گئی ہے، جیسے جہاد اور روزہ، کہ ان میں انسان سختی برداشت کرے اور مشکلات کا استقبال کرے۔ قرآن مجید فرماتا ہے: ''اگر تم دکھ درد محسوس کرتے ہو تو تمہارے دشمن بھی محاذ جنگ میں درد و رنج سے دوچار ہیں'' (۵۳)۔ حقیقت میں دردسری کے بغیر جہاد اور صبر و تحمل کے بغیر روزہ رکھنا ممکن نہیں ہے۔ اس لحاظ سے ''حرج'' کا قانون عادی مسائل میں لاگو ہوتا ہے نہ ایسے فرائض میں جن کی

۵۲- وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ (لقمان/۱۷)

۵۳- اِنْ تَكُونُوا تَاْلَمُونَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُونَ كَمَا تَاْلَمُونَ (نساء/۱۰۴)

ذات سے سختی اور مشکلات یوں منسلک ہیں، جیسے کھاری پن نمک کی ذات میں پوشیدہ ہے۔ دردسری کے بغیر جہاد یعنی کھاری پن کے بغیر نمک، ممکن ہی نہیں ہے۔

امر بمعروف اور نہی از منکر کے مسئلہ میں "اہم ومہم" کے قانون کو مدنظر رکھنا چاہئے، نہ کہ دردسر اور حرج کو۔ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ جہاں کہیں مسئلہ اہم ہو، ہمیں ہر چیز، چاہے وہ جتنی مہم ہو، اہم پر قربان کر دینی چاہئے۔ مثال کے طور پر: چونکہ اسلام امام حسین علیہ السلام کی جان سے زیادہ اہم ہے، امام حسینؑ شہید ہو جاتے ہیں تا کہ اسلام زندہ رہے۔ جہاں کہیں کوئی منکر وجود میں آئے، ہمیں اسے روکنا چاہئے، اور اگر ضرر و خطر ہو تو اس صورت میں ہمیں محاسبہ کرنا چاہئے کہ منکر کس حد میں ہے اور ضرر و خطر کس حد میں ہے، اور جو شخص خطرات سے دوچار ہونے جا رہا ہے، کس مرتبہ کا مالک ہے؟ بعض اوقات انجام پانے والا گناہ ایک گناہ صغیرہ ہوتا ہے، لیکن اگر اس کی نہی کریں تو اس کا بہت زیادہ تاوان دینا پڑتا ہے۔ ہم یہاں پر اس کی نہی سے صرف نظر کرتے ہیں۔ لیکن اگر ایک اہم واجب ہاتھ سے جاتا ہو یا کوئی اہم منکر انجام پاتا ہو، اس سے خاموشی و چشم پوشی ظالموں کی گستاخی، دینی مقدمات کی توہین، دین اور علماء کے بارے میں لوگوں کے عقیدہ میں سستی یا عزت اسلام کے نابود ہونے کا سبب ہو، تو ایسے حالات میں خطرات کو مول لے کر نہی از منکر کرنا چاہئے۔

مخاطبین کے فرائض

امر بمعروف کرنے والوں سے محبت کرنا:

جنھیں امر و نہی کی جائے ان افراد کو جاننا چاہئے کہ دوسروں کا انھیں یہ تذکر یا ٹوکنا، ان سے عشق و محبت اور ہمدردی کی علامت ہے اور ہمیں اُن سے محبت کرنی چاہئے۔ انبیاء بعض لوگوں پر جو اعتراضات کرتے تھے ان میں سے ایک یہ بھی ہوتا تھا کہ "تم نصیحت کرنیوالوں سے محبت کیوں نہیں کرتے؟" (۵۴)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "میرے بہترین دوست وہ ہیں جو مجھے ہدیہ کے طور پر میرے عیوب کی طرف توجہ دلائیں۔" (۵۵)

امام جعفر صادقؑ اعتراض کو ہدیہ اور اعتراض کرنے والے کو اپنا بہترین دوست جانتے ہیں۔ حقیقت میں سچا دوست وہ ہے، جو ہمیں رلائے لیکن غفلت سے بیدار کرے، نہ کہ وہ جو ہمیں ہنسائے لیکن خواب غفلت میں مبتلا کردے۔ قرآن مجید فرماتا ہے: "غفلت ایک ایسی چیز ہے جس کی دشمن تمہارے لئے آرزو کرتے ہیں۔"

حضرت امام سجاد علیہ السلام دعائے مکارم الاخلاق میں خدائے تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں: "میرے پروردگار! مجھے تنقید قبول کرنے کا حوصلہ اور نصیحت کرنیوالوں کی اطاعت و

۵۴- وَلٰكِنْ لَا تُحِبُّونَ النّٰصِحِينَ (اعراف/۷۹)

۵۵- احب اخوانی من اهدی الی عیوبی (بحار، ج ۷۴، ص ۲۸۲، ج ۷۸، ص ۲۴۹)

پیروی کا جذبہ عطا فرما۔'' (۵۶)

پرائمری سکول کے ایک بچے نے امام خمینیؒ کو ایک خط میں لکھا تھا:

''اے امامؒ! میں آپ کو نصیحت کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے سوچا کہ میں کہاں، اور آپ کہاں؟ لہٰذا اپنے ارادے سے منصرف ہو گیا۔''

امام خمینیؒ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس خط کا جواب یوں لکھا:

''میرے پیارے بیٹے! کاش تم اس تذکر اور یاد دہانی کو مجھے لکھ بھیجتے، کیونکہ ہم سب یاد دہانی کے محتاج ہیں۔''

جو ہمیں امر و نہی کرتا ہے، حقیقت میں وہ ہمیں غفلت سے بیدار کرتا ہے۔ وہ ہم میں آگاہی و بیداری پیدا کرنے کا عامل وسبب ہوتا ہے۔

بیداری کی قدر و منزلت:

قرآن مجید فرماتا ہے: ''جن تلخ حوادث سے تم روبرو ہوتے ہو، تلخیوں اور مشکلات کے ساتھ ساتھ ان مین تمہارے لئے برکتیں بھی ہوتی ہیں اور برکتیں یہ ہیں کہ تم خواب غفلت سے بیدار ہوتے ہو اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوتے ہو۔ یہ تمہارے لئے توبہ و استغفار کا ایک وسیلہ وسبب ہے۔'' (۵۷)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''جو لوگ نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ان میں کوئی خیر و نیکی نہیں ہوتی ہے۔''

قرآن مجید ان لوگوں پر شدت سے تنقید کرتا ہے جن کا گناہ اور غرور و تکبر انھیں امر بمعروف اور نہی از منکر سے متاثر نہیں ہونے دیتا (۵۸)، اور فرماتا ہے:

۵۶-ومتابعة من ارشدنی (دعای مکارم اخلاق)

۵۷-فَاَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ (انعام/۴۲)

۵۸-وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ (بقرہ/۲۰۶)

''کچھ ایسے لوگ ہیں کہ جب بھی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو اسے قبول نہیں کرتے۔''(۵۹)

بعض افراد تصور کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے برے اعمال سے ہاتھ کھینچ لیں، تو گویا یہ ان کی ایک قسم کی شکست اور کمزوری ہے، جب کہ انسان جہاں کہیں بھی اپنی گمراہی کی طرف متوجہ ہوکر فوراً پیچھے ہٹ جائے، یہ بذات خود ایک قدر و منزلت ہے۔ ایسے بے ہودہ خیال اس وقت اور شدید ہوتے ہیں جب امر بمعروف کرنے والا تعلیمی اور سماجی اعتبار سے پست درجہ کا ہو۔ اس صورت میں حق کو قبول کرنے کے لئے دو باتیں ضروری ہوتی ہیں:

ایک یہ کہ حق ہونے کی بناء پر انسان اسے قبول کرتا ہے اور دوسرے یہ کہ کلمہ حق کو اپنے سے چھوٹے سے بھی قبول کرے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ''ہمارے ہمدردوں اور نصیحت کرنے والوں سے مشکوک ہونا زوال اور پسماندگی کی علامت ہے۔''(۶۰)

آپؑ نے فرمایا: ''جو تمہاری نصیحت کرے اسے نہ دھمکاؤ''(۶۱)

''جو یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں اور انھیں ہدایت کی ضرورت نہیں ہے، وہ خدا کے بجائے شیطان کی سرپرستی اختیار کر چکے ہیں۔''(۶۲)

''یہ منافقین تھے کہ جب بھی انھیں نہی از منکر کی جاتی تھی تو غرور و تکبر سے کہتے تھے کہ: ''معاشرے میں صرف ہم ہی مصلح ہیں۔''(۶۳)

۵۹-وَاِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ (صافات/۱۳)

۶۰-من علامات الادبار سوءِ الظن بالنصيح، فہرست غرر، نصح ،۳۵۸۹(۶/۳۸)

۶۱-من وعظک فلاتوحشه، فهرست غرر (وعظ) ۳۵۳۷(۵/۱۷۳)

۶۲-...اِتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللهِ وَ يَحْسَبُونَ اَنَّهُم مُهْتَدُونَ (اعراف/۳۰)

۶۳-وَ اِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ قَالُوا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ (بقرہ/۱۱)

''اور یہ کفار تھے کہ جب انبیاء ان کی ہدایت کرتے تھے، تو اسے قبول کرنے کے بجائے کہتے تھے: ''انبیاء کا مقصد ہم پر فخر جتانا ہے۔'' (۶۴)

بھائیو اور بہنو! اگر تمہیں نصیحت کی جائے تو ہٹ دھرمی نہ کرو، کیونکہ غرور نے شیطان کو خدا کی بارگاہ سے دور کر دیا۔

''بعض ہٹ دھرم لوگ پیغمبر اکرمؐ سے کہتے تھے: ''آپ ہمیں موعظہ اور ہدایت کریں یا نہ کریں، ہم تو اپنی راہ پر چلیں گے۔'' (۶۵)

کچھ لوگ اتنے سنگدل تھے کہ کسی بھی نصیحت کو قبول نہیں کرتے تھے۔ خدائے تعالی نے بھی اپنے پیغمبر سے فرمایا: ''آپ انھیں خطرے سے آگاہ کریں یا نہ کریں، یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' (۶۶)

دنیا میں ان کی اس لاپروائی کی سزا قیامت میں اُن سے لاپروائی ہے اور وہ ایسا وقت ہے کہ یہ لوگ جہنم میں اپنی نجات کے لئے فریاد بلند کریں گے اور پھر اپنے آپ سے کہیں گے: ''آج کوئی ہماری فریاد سننے والا نہیں ہے، اسلئے چاہے ہم چیخیں اور پکاریں یا نہ پکاریں کوئی ہمیں نجات دینے والا نہیں ہے۔'' (۶۷) سچ ہے لوگ انبیاء کے موعظہ کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ''آپ کہیں یا نہ کہیں ہم پر کوئی فرق نہیں پڑتا'' وہاں قیامت میں بھی یہی کہیں گے: ''ہم فریاد بلند کریں یا نہ کریں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

آخر ایسا کیوں ہے کہ جو انسان معصوم رہبروں کی نصیحت قبول کر کے ان کی ہدایت و پیروی کے ذریعہ خدا کی بندگی میں فرشتوں سے بھی بہتر ہو سکتے ہیں، وہ غرور و تکبر اور ہٹ دھرمی کی

۶۴-یُرِیدُ اَنْ یَتَفَضَّلَ عَلَیْکُم (مؤمنون/۲۴)

۶۵-سَواءٌ عَلَیْنا اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَکُنْ مِنَ الْواعِظِینَ (شعراء/۱۳۶)

۶۶-سَواءٌ عَلَیْهِمْ ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُم لا یُؤْمِنُونَ (بقرہ/۶، یس/۱۰)

۶۷-سَواءٌ عَلَیْنا اَجَزِعْنا اَمْ صَبَرْنا مِنْ مَحِیصٍ (ابراہیم/۲۱)

وجہ سے ایسے حالات سے دوچار ہو جائیں کہ قرآن مجید ان کے لئے تند لہجے میں یہ فرمائے: ''یہ لوگ بہرے، گونگے اور اندھے لوگوں کا گروہ ہے۔'' (۶۸)

''یہ لوگ اپنی غفلت کی وجہ سے حیوانوں سے بھی بدتر ہیں'' (۶۹)۔ ان کے دل پتھر سے بھی سخت ہیں، کیونکہ بعض اوقات پتھر کے نیچے سے چشمے ابل پڑتے ہیں لیکن یہ سنگ دل ذرا بھی نہیں ہلتے''۔ (۷۰)

۶۸۔ صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ (بقرہ/۱۸)

۶۹۔ اُولٰئِکَ کَالْاَنعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ اُولٰئِکَ ھُمُ الْغَافِلُونَ (اعراف/۱۷۹)

۷۰۔ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُکُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَھِیَ کَالْحِجَارَۃِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَۃً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَۃِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْہُ الْاَنْھَارُ... (بقرہ/۷۴)

امرونہی قبول نہ کرنے کے اسباب

امرونہی قبول نہ کرنے کے اسباب متعدد ہیں، ان کو دوحصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ایک: باطنی اسباب اور دوسرے: ظاہری اسباب۔ پہلے ہم چار باطنی اسباب کا ذکر کرتے ہیں:

باطنی اسباب:

۱- جہالت:

جو بچے اپنے والدین کی اطاعت نہیں کرتے، اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اپنے والدین کے احکام میں موجود اسرار کو نہیں سمجھتے۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: ''اگر لوگ ہمارے کلام کی زیبائی سے آشنا ہوجائیں تو ہمارے پیرو ہوجائیں گے۔'' (۷۱)

انبیاء، گمراہ لوگوں سے کہتے تھے: ''تم جاہل ہو یعنی نہیں سمجھتے ورنہ ہمارے مقابل اس قدر سختی سے پیش نہ آتے۔''

۷۱-ان الناس لو علموا محاسن کلامنا لاتبعونا (وسائل، ج۱۸، ص۶۵)

کتنے لوگ ہیں جو نماز کے پابند نہیں ہیں، چونکہ وہ نماز کے اسرار سے آگاہی نہیں رکھتے اور اگر آگاہ ہوتے تو نماز کو ہرگز ترک نہیں کرتے۔ الحمدللہ اسرار نماز کے موضوع پر آج کل کتابیں چھپ چکی ہیں، اسلئے ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ نماز کی طرف مائل ہورہے ہیں۔ آیات و روایات میں جو علم حاصل کرنے اور علماء سے سوال کرنے کی تاکید کی گئی ہے، وہ اطاعت و فرمانبرداری میں علم کے کردار کی وجہ سے ہے۔ علم سے ہمارا مطلب حوزہ علمیہ اور یونیورسٹیوں کی سرٹیفیکیٹیں اور اسناد حاصل کرنا نہیں ہے، کیونکہ کتنے ایسے لوگ ہیں جو علمی اسناد کے لحاظ سے تعلیم یافتہ ہیں لیکن بعض معروف کو انجام دینے یا منکرات کو ترک کرنے کے سلسلہ میں بے توجہ ہیں، اسلئے کہ ان معروف و منکرات کے بارے میں ضروری آگاہی نہیں رکھتے۔

روایات میں آیا ہے: ''خدائے تعالیٰ نے جس طرح جاہلوں سے تعلیم حاصل کرنے کا عہد لیا ہے اسی طرح دانشوروں اور علماء سے بھی تعلیم دینے کا عہد لیا ہے۔''

بہر حال، علم و مطالعہ، کتابخانوں کو وسعت دینا، بامقصد، عملی، مفید اور تعمیری پہلوؤں کے حامل علمی مقابلے کرانا، خاص کر اگر نیک اعمال کے فوائد و اسرار اور برے اعمال کے خطروں سے آگاہی کے لئے ہوں تو برائیوں کو روکنے میں ایک موثر قدم ثابت ہو سکتے ہیں۔

۲۔ تعصب:

نصیحتوں سے انکار کا ایک سبب تعصب بھی ہے۔ بعض اوقات تعصب مفید اور مثبت بھی ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہے جب مدلل اور مقدس اغراض و مقاصد کے لئے ہو۔

لیکن اغلب تعصبات کی جڑ ملکی، قومی، گروہی، نسلی اور پیشہ وغیرہ کی بنیاد پر ہے۔ یا وہم و وسواس، موہوم رسومات، انفرادی و اجتماعی خیالات پر زور دینے اور انھیں منوانے کے لئے تعصب کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے:

﴿کلُّ حزبٍ بمالدیھم فرحون﴾ (۷۲)

تعصب ایک دھواں اور تاریکی ہے جو انسان کی آنکھوں پر چھا کر حقائق پر اس طرح پردہ ڈال دیتی ہے کہ انسان اپنی راہ وروش کے علاوہ کسی اور چیز کو قبول ہی نہیں کرتا۔

انبیاء کے مقابل اکثر بت پرستوں کا اپنے اجداد کی بت پرستی پر اصرار اور ان کی راہ پر باقی رہنے کا اظہار تعصب پر مبنی تھا۔ آج کل اسرائیل کے اکثر مظالم کا سرچشمہ ان کی نسلی اور قوی برتری کا عقیدہ ہے۔ سفید فاموں کی طرف سے جو ظلم سیاہ فاموں پر ہوتا ہے اس کی بنیاد بھی نسلی تعصب پر ہے (۷۳)۔ آج کی دنیا میں بھی - جسے علم وصنعت کی دنیا کہا جاتا ہے- مختلف ملکوں میں سیکڑوں قوانین تعصب کی بنیاد پر وضع کئے گئے ہیں اور ان پر عمل ہوتا ہے۔ جس چیز نے ابلیس کو بدبختی سے دوچار کیا وہ بھی اس کا تعصب تھا، اس نے خدائے تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہا: ''میری نسل آدم کی نسل سے برتر ہے۔ میں آگ سے اور وہ خاک سے خلق کیا گیا ہے۔ پھر میں کیوں اُسے سجدہ کروں؟''

قرآن مجید فرماتا ہے: ''اگر ہم اس کتاب کو عجمیوں پر نازل کرتے تو عرب بے جا تعصب کی وجہ سے اسے قبول نہ کرتے۔'' (۷۴)

اسلام نے اپنے دستور العمل میں ہر جگہ تعصب سے ٹکر لی ہے۔ جیسے:

۱- پیغمبر اسلام نے اپنی پھوپھی زاد بہن- جو شریف وآزاد خاندان سے تعلق رکھتی تھیں- کی شادی ایک غلام سے کر دی۔

۲- ہمارے چھ معصوم اماموں کی مائیں کنیز تھیں۔

۷۲- مؤمنون/۵۳

۷۳- سنہ ۱۹۹۵ میں سفید فاموں نے سیاہ فاموں کے تیس کلیسا منہدم کر دیے۔ (T.V جمہوری اسلامی ایران)

۷۴- شعراء/۱۹۸،۱۹۹

۳-امام رضا علیہ السلام اپنے غلاموں کے ساتھ صلاح و مشورہ کرتے تھے۔

۴-اسلام نے علم و تقویٰ، جہاد و ہجرت کے علاوہ بڑائی کے تمام معیاروں کو رد کیا ہے۔

۵-اسلام نے قانون کے روبرو تمام لوگوں کو مساوی قرار دیا ہے۔

۶-اسلام نے تمام ملتوں اور مکاتیب فکر کے ساتھ اپنے روابط کو فقط برہان و منطق کی بنیاد پر استوار کیا ہے۔

۷-اسلام، بیت المال کی تقسیم اور محاذ جنگ میں شرکت کے سلسلے میں کسی کے لئے خاص رعایت کا قائل نہیں ہے۔

۸-اسلام نے ہر ایک کے لئے ہر طرح کے کمال تک پہنچنے - جیسے امام جمعہ، قاضی، مجتہد اور مرجع تقلید بننے - کی راہیں سب کے لئے کھلی رکھی ہیں۔

۹-اسلام کی نظر میں پیشہ کے لحاظ سے کسی قوم یا شخص کو کسی پر برتری اور فضیلت نہیں ہے۔

۱۰-اسلام نے اپنے عملی پروگراموں - جیسے نماز جماعت، جمعہ، نماز عید، حج اور جہاد - میں سب کو ایک جگہ اور مساوی قرار دیا ہے۔

اسلام کے ہزاروں احکام میں ایک مورد بھی ایسا نہیں ملتا جہاں پر عرب کو عجم پر یا سفید فام کو سیاہ فام پر فضیلت و برتری دی گئی ہو۔

۳-تکبّر:

تنقید اور نہی از منکر کو قبول نہ کرنے کا ایک اور سبب انسان کی استکباری ذہنیت ہے۔ تکبّر کا سرچشمہ عمر، علم، مال، شکل و صورت، خاندان، عہدہ، پارٹی اور اولاد وغیرہ ہیں۔ قرآن مجید میں اس سلسلے میں چند آیتیں بیان ہوئی ہیں:

فرعون کی تاریخ بیان کرتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے کہ: "وہ طاقت کے بل بوتے پر

تکبر کا شکار ہوا اور اس نے حضرت موسیٰ کی بات کو ٹھکرا دیا۔ قارون کی تاریخ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ: وہ سرمایہ کے غرور میں تکبر کا شکار ہوا اور اس نے حضرت موسیٰؑ کی نصیحتوں کی نافرمانی کی۔ یہود کی تاریخ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ: وہ خود کو خدا کے بیٹے اور محبوب سمجھتے تھے اور کہتے تھے:

''ہمیں چند روز کے علاوہ ہرگز جہنم میں نہیں رکھا جائے گا، کیونکہ ہم خدا کے پیارے ہیں۔''

-قرآن مجید چند ایسے مستکبرین کے نام بھی لیتا ہے جو مال ومتاع جمع کرنے کے لئے ہر ایک چیز کا مذاق اڑاتے تھے۔

-قرآن مجید ایسے مستکبرین کے نام لیتا ہے جو اپنے بیٹوں کے غرور میں پیغمبر اسلام کی بے احترامی کرتے تھے اور آپ کو ابتر کہتے تھے۔

-قرآن مجید ایسے مستکبرین کے نام بھی لیتا ہے جو انبیائے کرام کو تجویز پیش کرتے تھے کہ غریبوں اور فقیروں کو چھوڑ دیں، لیکن پیغمبروں نے ہرگز ایسی تجویزیں قبول نہیں کیں۔

-قرآن مجید ایسے عیش پسند لوگوں کے نام لیتا ہے جو جنگ کے وقت پیغمبرؐ سے درخواست کرتے تھے کہ انھیں چھوڑ دیا جائے اور...

تکبر کی علامت:

ایک شخص امامؑ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: ''میں لباس فاخرہ پہنتا ہوں، اچھے گھر میں رہتا ہوں اچھی سواری پر بیٹھتا ہوں، کیا یہ تکبر کی علامت ہے؟

امام نے فرمایا: ''تکبر کی علامت یہ ہے کہ حق بات کو قبول نہ کیا جائے۔ کتنے ایسے فقراء ہیں جو متکبر ہیں اور کتنے دولتمند حق کو قبول کرنے والے ہیں۔''

۴-حرام لقمہ:

حضرت امام حسین علیہ السلام نے عاشور کے دن یزید کے طرفداروں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''میری نہی از منکر کا جو تم پر اثر نہیں ہو رہا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ تمہارے شکم حرام غذا سے بھرے ہیں۔''

حقیقت میں حرام لقمہ، حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ بنتا ہے، چاہے بات پیغمبرؐ کے بیٹے اور امامؑ ہی کیوں نہ کہہ رہا ہو! (۷۵)

-حرام لقمہ دعاؤں کی قبولیت میں رکاوٹ بنتا ہے۔(۷۶)

-حرام لقمہ عبادت کے قبول ہونے میں رکاوٹ بنتا ہے۔(۷۷)

-حرام لقمہ انسان کو گناہ اور طاغوت کی طرف مائل کرتا ہے۔(۷۸)

-حرام لقمہ انسان کی نسل میں منفی اثرات پیدا کرتا ہے۔(۷۹)

-یتیم کا مال کھانا - جو حرام لقمہ ہے - قیامت کے دن شکم کے اندر آگ بھڑکاتا ہے(۸۰)

-حرام لقمہ، سنگدلی اور قساوت قلب کا سبب بنتا ہے۔(۸۱)

۷۵-قد ملئت بطونکم من الحرام (بحار ۴۵، ص ۸)

۷۶-اذا اراد احدکم ان یستجاب له فلیطیب کسبه (بحار، ج ۹۳، ص ۳۲۱)

۷۷-العبادة مع اکل الحرام کالبناءِ علی الرمل (بحار ۱۰۰، ص ۱۶)

۷۸- کتنے لوگوں نے مختلف اور سنگین دعوتوں کی وجہ سے غلط کام کئے ہیں اور ناحق دستخط کر کے غلط کی تائید کی ہے۔

۷۹-کسب الحرام یبین فی الذریه (فروع کافی ۵، ص ۱۲۵)

۸۰-اِنَّ الَّذِینَ یَأْکُلُونَ اَمْوَالَ الْیَتَامیٰ ظُلْمًا اِنَّمَا یَأْکُلُونَ فِی بُطُونِهِمْ نَارًا (نساء/۱۰)

۸۱-امام حسین علیہ السلام کی وہی حدیث جس میں آپ نے فرمایا: قد ملئت بطونکم من الحرام (بحار ۴۵، ص ۸)

-حرام لقمہ، تربیت اور صحیح انقلابی تحریکوں کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔ (۸۲)

ظاہری اسباب:

۱-غلط پروپیگنڈا:

اگر آمرین معروف کے خلاف افراد یا گروہ بُرا پروپیگنڈا کرنا شروع کردیں تو وہ لوگ امر بمعروف کرنے والوں کی بات کو بے اثر بنا سکتے ہیں۔ اگر آجکل اسلامی جمہوری ایران کے خلاف غلط پروپیگنڈا نہ ہوتا تو لوگ اس کی خوبیوں کو سمجھنے کے لئے اس کی طرف مائل ہوتے۔ غلط پروپیگنڈا، کام کو اس طرح بگاڑ دیتا ہے کہ لوگ انبیاء کو دیوانہ وساحر کہنے لگتے ہیں، حضرت یوسفؑ پر تہمت لگاتے ہیں، حضرت علیؑ کو واجب قتل جانتے ہیں، امام حسینؑ کو خارجی اور یزید کی خدمت کو عبادت سمجھ لیتے ہیں۔ بڑی طاقتوں کے مظالم کے حق میں کلیساؤں کی طرف سے کئے جانیوالے براہ راست پروپیگنڈے یا رضایت آمیز سکوت خود ان کو جرم میں شریک قرار دیتے ہیں اور ان استعماری طاقتوں کے ظالمانہ چہروں کو انسان دوست اور محبت آمیز چہروں میں تبدیل کردیتے ہیں۔

۲-تضاد اور ٹکراؤ:

امر بمعروف اور حق کو قبول کرنے میں ایک رکاوٹ تضاد اور ٹکراؤ ہے۔ جیسے:

-مدرسہ اور گھر کے درمیان تضاد: شاگرد مدرسہ میں نماز سیکھتا ہے، لیکن گھر میں ایسے

۸۲-اصحاب کہف نے ایک طولانی نیند سے بیدار ہونے کے بعد اپنے ایک ساتھی کو کچھ کھانا لانے کے لئے شہر بھیجا اور شرط رکھی کہ غذا پاک اور حلال ہو "ایھا ازکی طعاما"۔ اگر والدین بچوں کو حرام غذا کھلائیں تو مدرسہ کے معلمین کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ چند تربیتی پروگراموں کے ذریعہ اس حرام غذا کے بُرے اثرات کو ختم کر سکیں۔

والدین کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے جو اہل نماز نہیں ہیں۔

-کفایت شعاری اور بیت المال کے تحفظ کی تاکید اور حکومتی اداروں میں ہونیوالی بے حساب فضول خرچی میں تضاد۔

ایسے پوسٹروں کی نمائش جن میں سگریٹ نوشی کے خطرات بیان کئے گئے ہیں اور ٹیلیوژن سے سگریٹ کے کارخانے کے افتتاح کی نمائش میں تضاد۔

اس قسم کے تضاد اور دوگانگی سننے والے کے اعتقادات کو بولنے والے کے بارے میں، اگر پوری طرح نہ کہیں پھر بھی بڑی حد تک ضعیف کر دیتی ہے۔

۳-شیاطین (طواغیت):

قرآن مجید میں ﴿ یصدون عن سبیل اللہ﴾ کا جملہ بار بار دھرایا گیا ہے۔ بعض افراد خدا کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں اور یہ لوگ عموماً یا طاغوت اور بڑی طاقتیں ہیں، یا سرمایہ دار اور حکومت کے عہدہ دار، یا گمراہ دوست، یا والدین، شوہر یا بیوی، استاد یا غلط مشورہ دینے والے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

-ایک نوجوان جو اپنی تعلیم کو جاری رکھنا چاہتا ہے، اس کے لئے معلم کی زیادہ فیس کتاب کی قیمت رہائشگاہ اور زندگی کی دوسری ضروریات اس کی تعلیم کو جاری رکھنے میں رکاوٹ بن سکتی ہیں۔

-ایک پاک دل آدمی جو اپنے فریضہ پر عمل کرنا چاہتا ہے، اس کے لئے لوگوں کی دل سرد کرنے والی مسکراہٹیں اور مضحکہ رکاوٹ کا باعث بن سکتے ہیں۔

۴- کہنے والے کی سابقہ کارکردگی:

امر بمعروف کو قبول کرنے میں ایک رکاوٹ، کہنے والے کا ماضی بھی ہوتا ہے۔ اس سلسلے

میں ''آمرین معروف کے شرائط'' کے عنوان سے آیندہ مطالب بیان کئے جائیں گے اسلئے یہاں پر ان کی تکرار سے اجتناب کرتے ہیں۔

۵-اقتصادی مشکلات کا حل نہ ہونا:

اگر ہم لوگوں کے اقتصادی مشکلات کو حل کریں، تو لوگ بھی آسانی سے ہماری ہر بات کو مان لیں گے، قرآن مجید نے لوگوں کو عبادت کی دعوت دیتے ہوئے اس امر کا خیال رکھا ہے، جیسا کہ فرماتا ہے:

﴿ فلیعبدوا ربّ هذا البیت ۞ الذی اطعمهم من جوع و آمنهم من خوف ﴾

یعنی: ''لوگوں کو خدا کا بندہ ہونا چاہئے، جس نے ان کو بھوک اور نا امنی سے نجات دی۔''

یہاں پر لوگوں کے پیٹ بھرنے کو عبادت کی طرف دعوت کی بنیاد قرار دیا گیا۔

ایک سوال:

بعض افراد اپنے خوف، عیش پرستی یا غلط فہمی کی وجہ سے قرآن مجید کی بعض آیات کو سند قرار دیکر کہتے ہیں: کیا جن لوگوں نے امر بمعروف اور نہی از منکر کی راہ میں اپنی جان و مال کو قربان کیا، اس آیۂ کریمہ کے زمرہ میں نہیں آتے؟

﴿ لاتلقوا بایدیکم الی التهلکة ﴾

خداوند کریم فرماتا ہے: اپنے آپ کو اپنے ہی ہاتھوں سے ہلاک نہ کرو!

جہاں پر امر بمعروف اور نہی از منکر مشکلات اور جلا وطنی کا سبب بنیں، ہم کیوں اپنے آپ کو قربان کریں؟ قرآن مجید فرماتا ہے: ''خودکشی نہ کرو!'' حدیث میں کہا ہے: ''جن کے ہاتھ میں تلواریں ہوں ان کے حریف نہ بنو'' ایسے افراد اس قسم کی باتیں کرکے اپنے آپ کو امر بمعروف کے فریضہ سے بری کرنا چاہتے ہیں۔

جواب:

سورہ بقرہ کی ۱۹۰ سے ۱۹۵ تک کی آیتیں جنگ سے متعلق ہیں اور ہر ایک آیت میں ایک نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جیسے:

۱- آیۂ شریفہ ۱۹۰ میں فرمایا گیا ہے ﴿قاتلوا فی سبیل اللہ﴾ ''خدا کی راہ میں قتال کرو''۔ یہ آیت اصل جنگ کو بیان کرتی ہے۔

۲- آیت ۱۹۱ میں فرمایا گیا ہے: ﴿واقتلوھم حیث ثقفتموھم﴾ ''جہاں کہیں کفار کو پاؤ، ان سے جنگ کرو''۔ یہ جملہ جنگ کی شدت کو بیان کرتا ہے۔

۳- اس کے بعد والی آیت جنگ کا مقصد اور اس کی مدت بیان فرماتے ہوئے کہتی ہے: ''اس وقت تک جنگ کو جاری رکھو، کہ فتنہ ختم ہو جائے۔''

۴- اس کے بعد والی آیت برابر کے مقابلہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتی ہے: ''اگر کفار نے مکہ کے تقدس کو مدنظر نہ رکھا اور تم لوگوں پر حملہ آور ہوئے، تو تم بھی اسی مقدس جگہ پر ان سے ویسا ہی مقابلہ کرو۔''

خلاصہ یہ کہ ان آیتوں میں سے ہر ایک آیت جنگ کے مسائل میں سے ایک مسئلہ کی طرف متواتر اشارہ کرتی ہے اور اس کے بعد یہ مطلب بیان ہوتا ہے کہ ''لاتلقوا'' اور قرآن فرماتا ہے کہ: ''جنگ میں مالی تعاون کی ضرورت ہوتی ہے'' اور مزید فرماتا ہے: ''اے لوگو! جنگ کے اخراجات فراہم کرو اور انفاق کرو۔'' اس کے بعد فرماتا ہے: ''اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔'' یعنی اگر مجاہدین کی مدد نہ کرو گے اور وہ شکست کھائیں گے، تو دشمن تم پر حملہ آور ہوگا اور تمہاری جان و مال کو نابود کر دے گا۔

جو اپنی جان و مال کو خدا کا دین زندہ کرنے کے لئے اور مفاسد کو روکنے کے لئے خطرے میں ڈالتا ہے، وہ خدا کے ساتھ عظیم تجارت اور بڑا معاملہ کرتا ہے۔ وہ اپنی جان و مال کو قربان

کر کے نتیجہ کے طور پر دین کی زندگی اور امت اسلامیہ کی بیداری حاصل کرتا ہے۔ یہ لین دین کوئی نقصان نہیں ہے، بلکہ ایک سودمند تجارت ہے کہ قرآن مجید نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، جہاں وہ فرماتا ہے:

''کیا تمھیں ایک ایسی تجارت کی طرف راہنمائی کروں جو تمھیں سخت عذاب سے نجات دیدے؟ خدا پر ایمان لاؤ اور اسکی راہ میں مال اور جان کو قربان کرو اور جان لو کہ جان و مال کا یہ جہاد تمہارے لئے بہتر ہے۔ تم لوگ جان و مال کی قربانی سے ایسا کام انجام دیتے ہو کہ جس کے سبب خدائے تعالیٰ تمہارے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور تمھیں بہشت کے ان باغات میں داخل کرتا ہے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں اور ان باغات کی من پسند جگہوں پر تمھیں ہمیشہ کے لئے قرار دیتا ہے۔ اور یہ ایک عظیم کامیابی ہے۔'' (۸۳)

اس آیت میں، مال و جان کے ذریعہ جہاد کو ایک کامیابی اور نجات بخش تجارت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حقیقت میں دین کے لئے جان و مال کو قربان کرنا سعی لاحاصل نہیں ہے بلکہ خدائے تعالیٰ سے معاملہ ہے اور قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے:

'' لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو اپنے نفس کو پروردگار کی رضا کے لئے بیچ ڈالتے ہیں۔'' (۸۴)

تاریخ اسلام میں ہمیں حجر ابن عدی، رشید ہجری، میثم تمار، ابوذر غفاری، عمار یاسر اور مالک اشتر جیسی عظیم اور آزاد منش شخصیتیں نظر آتی ہیں جنہوں نے حکومتِ ظلم و جور کے خلاف آواز بلند کرنے پر اپنی جانیں دیدیں اور ہمارے اماموں نے ان کی قدر دانی کی ہے۔

۸۳-یا اَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا هَلْ اَدُلُّکُمْ عَلیٰ... (صف/ ۱۰)

۸۴-وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَشْرِی نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ (بقره/ ۲۰۷)

مثال کے طور پر حضرت ابوذر غفاری جنھیں نہی از منکر کے جرم میں جلاوطن کیا گیا۔ اس موقع پر حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہم السلام نے اپنے پدر بزرگوار حضرت علی ابن ابیطالبؑ کے ہمراہ اُن کو رخصت کیا اور ان کی ستائش کی جبکہ حاکم وقت نے منع کیا تھا کہ کوئی ابوذر کو رخصت کرنے نہ جائے۔(۸۵)

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے معاویہ کی طرف سے اُن پر مسلط کی گئی صلح کے صلح نامہ میں یہ شرط رکھی تھی کہ حجر بن عدی۔جنھیں امر بمعروف اور نہی از منکر کرنے کے جرم میں گرفتار کر کے سزائے موت سنائی گئی تھی۔ کو آزاد کیا جائے۔ تمام اہل بیتؑ اطہار، امر بمعروف اور نہی از منکر کی راہ میں شہید ہونے والے اشخاص کا خصوصی احترام کرتے تھے۔ کیا معصوم اماموںؑ کی طرف سے یہ سب حمایتیں مفت میں جان گنوانے والوں کے لئے تھیں یا با فضیلت شہداء کے لئے تھیں؟

قرآن مجید کے مندرجہ ذیل بیان میں اسی قسم کے افراد مقصود ہیں:

''خدائے تعالےٰ نے مجاہدین کو بیٹھے ہوئے لوگوں پر فضیلت دی ہے۔''(۸۶)

آیۂ شریفہ ''لاتلقوا'' کے بارے میں غلط فہمی۔

قسطنطنیہ (اسلامبول) کے علاقہ میں رومی اور اسلامی فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تھا۔ اچانک ایک مسلمان نے اپنے آپ کو دشمن کی فوج کے قلب میں پہنچا دیا اور ان پر حملہ آور ہوا۔ اس پر بعض غلط فہمی کے شکار مسلمانوں نے کہا: اس شخص نے خود کو ہلاکت میں ڈال دیا۔''

ابوایوب انصاری۔ جو مدینہ منورہ میں پیغمبر اسلامؐ کے میزبان تھے۔ نے فریاد بلند کی: ''تم لوگ آیہ کریمہ کے غلط معنی کیوں لے رہے ہو؟ اس آیت سے ایک واقعہ وابستہ ہے یعنی بعض مسلمان چوری چھپے آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے کہ: اگر ہم مال انفاق نہ کرتے تو اس وقت

۸۵۔خطبہ ۱۳۰ نہج البلاغہ، صبحی صالحی

۸۶۔فَضَّلَ اللہُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ (نساء/۹۵)

سرمایہ دار ہوتے۔'' تو آیہ نازل ہوئی: ''انفاق کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، یعنی اگر انفاق نہ کرو گے تو نابود ہو جاؤ گے۔'' دینداری مفت میں نہیں ملتی۔ کفر پر اسلام کی فتحیابی کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ خیال نہ کرو کہ اگر تم خرچ نہ کرتے تو تمہارا سرمایہ زیادہ ہو چکا ہوتا۔'' (۸۷)

اس لحاظ سے جہاد سے مربوط آیتوں کے کنارے اس آیت کا وجود مجاہدین کو مالی امداد پہنچانا ہے نہ کہ منکرات کے خلاف جہاد سے روکنا۔

حقیقت میں جو لوگ کہتے ہیں کہ: ''آیہ لاتلقوا کی رو سے، جس میں سفارش کی گئی ہے کہ ''اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو''، جہاں کہیں بھی ہم خطرہ کا احساس کریں ہمیں امر بمعروف ونہی از منکر نہ کرنا چاہئے، خاموش رہنا چاہئے اور زبان نہ کھولنی چاہئے بلکہ صلح وسازش کر لینا چاہئے اور خون خرابے کو روکنا چاہئے۔ لیکن ان سے یہ سوال کیا جانا چاہئے کہ پیغمبر اکرمؐ، حضرت علیؑ اور امام حسنؑ و امام حسینؑ کی جنگوں کی، جن میں مسلمانوں کی جانیں خطرے میں تھیں، کس طرح توجیہ کریں گے؟!

حضرت علی علیہ السلام نے جنگ صفین میں عمار یاسر اور اویس قرنی کے شہید ہونے سے پہلے کیوں صلح نہیں کر لی۔

سچ یہ ہے کہ اگر اسلام کی راہ مین جان نثاری خودکشی ہے، تو مسئلۂ جہاد کو دین سے بالکل خارج کر دینا چاہئے؟

ایک اور سند:

خداوند کریم سورہ مائدہ میں فرماتا ہے: ''ہوشیار رہو! اگر تم لوگوں نے ہدایت پائی تو

۸۷۔تفسیر در المنثور بہ نقل از المیزان ج ۲، ص ۶۴۔ بہ نقل از امر بہ معروف آیۃ اللہ نوری۔

دوسروں کی گمراہی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی'' (۸۸)

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ ہمیں دوسروں سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہئے اور دوسروں کو امر و نہی کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے؟

جواب:

سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۱۰۵ اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۰۴ کا جواب ہے، چونکہ اس سے پہلی والی آیت میں مشرکین اور بت پرستوں کا ذکر آیا ہے کہ اگر ان سے کہا جائے کہ: ''خدا اور اس کے رسولؐ کی راہ پر آجاؤ۔'' تو کہتے ہیں: ''ہم اسی راہ پر چلیں گے جس پر ہمارے بت پرست اجداد چلے تھے اور ہمیں وحی و نبوت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔''

خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: ''اب جبکہ وہ ہٹ دھرمی دکھاتے ہیں، تو تم لوگ ہوشیار رہو، ان کی گمراہی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔''

اس لحاظ سے یہ آیت ضدّی افراد کے بارے میں ہے اور امر بمعروف و نہی از منکر سے اس کا کوئی ربط نہیں ہے۔ جو کچھ ہمیں آیات، روایات اور انبیاؑ واماموں کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ ہمیں امر بمعروف اور نہی از منکر کو انجام دینے کے لئے کمر ہمت باندھنا چاہئے تا کہ خود معصیت میں گرفتار نہ ہو جائیں اور اس راہ میں ملامت، طعنہ زنی، جلا وطنی، بے احترامی جیسی مشکلات سے خوف زدہ نہ ہونا چاہئے۔ تقیہ کے موقع یا ایسے مواقع کے علاوہ کہ امر و نہی اس حد میں نہ ہو جہاں ہم اپنی جان و مال اور آبرو کو داؤ پر لگائیں اور جس کی تشخیص بھی بے غرض اور دلیر ماہرین اسلام کے ذریعہ ممکن ہے، ہم امر بمعروف اور نہی از منکر کے سنگین فرائض سے کسی بھی حال میں پہلوتہی نہیں کر سکتے۔

۸۸- لَا یَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ (مائدہ/۱۰۵)

تیسری فصل

امر بمعروف و نہی از منکر کرنے والوں کے فرائض

امر بمعروف کرنے والوں کے فرائض

قرآن مجید کی آیتوں سے مندرجہ ذیل مطالب حاصل ہوتے ہیں:

۱-امر بمعروف میں وہ لوگ کامیاب ہیں جو خود، نمایاں اوصاف کے مالک ہوں اور توبہ، سجدہ، رکوع وقیام کرنے والے ہوں۔(۱)

۲-ان افراد کو لوگوں سے ہرگز مالی توقعات نہ رکھنا چاہئے۔(۲)

۳-اجنبیوں کو جذب کرنے کے لئے اپنوں کو ہاتھ سے نہ کھونا چاہئے۔(۳)

۴-بات کہنے میں متانت و بردباری کے مالک ہوں۔

قرآن مجید میں بات کرنے کے لئے چند تعبیریں بیان ہوئی ہیں:

۱-التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ النَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔(توبہ/۱۱۲)

۲-اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللهِ(ھود/۲۹)

۳-مَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللهِ اِنْ طَرَدْتُهُمْ(ھود/۳۰)

الف: بات، حق اور دلپسند ہونی چاہئے۔ ﴿الیه یصعدُ الکلم الطیّب﴾ (۴)

قرآن مجید میں کلمہ ﴿طیّبه﴾ کو ایک ایسے درخت سے تشبیہ کی گئی ہے کہ جس کا جڑ ثابت اور شاخیں فضا میں پھیلی ہوئی اور جس کے میوے دائمی ہیں۔ (۵)

قرآن مجید کی ایک اور صفت ﴿احسن الحدیث﴾ ہے۔ (۶)

ب: قرآن مجید نے ہمیں حکم دیا ہے کہ بہترین لب ولہجہ میں لوگوں سے بات کریں:

﴿قل لعبادی یقولوا الّتی ھی احسن﴾ (۷)

قابل توجہ یہ ہے کہ اچھی اور میٹھی بات کہنے کے سلسلے میں تمام لوگوں کو ملحوظ نظر رکھا جائے، خواہ سننے والا مسلمان ہو یا غیر مسلم ﴿قولوا للناس حُسنا﴾ (۸)

قرآن مجید میں مشرکین تک کو گالی اور دشنام دینے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ ممکن ہے اس صورت میں وہ بھی ہمارے مقدسات کو دشنام دیں: ﴿لا تسبّوا الذین یدعون من دون الله فیسبُّوا الله عدوا﴾ (۹)

۵- بات منطقی اور مدلل ہونی چاہئے، قرآن مجید میں جگہ جگہ پر برہان اور بیّنہ جیسے الفاظ دکھائی دیتے ہیں، حتی کفار سے بھی کہا گیا ہے کہ اگر کوئی منطق ودلیل رکھتے ہیں تو پیش کریں۔ (۱۰)

۴- فاطر/۱۰

۵- سورۂ ابراہیم/۲۴

۶- سورۂ زمر/۲۳

۷- سورۂ اسراء/۵۳

۸- سورۂ بقرہ/۸۳

۹- سورۂ انعام/۱۰۸

۱۰- قُلْ ھاتُوا بُرْھانَکُم (بقرہ/۱۱۱، انبیاء/۲۴، نمل/۶۴، قصص/۷۵،...)

بات اگر منطقی ہوتو تاریخ میں اپنے طرفداروں اور پوری دنیا میں سب کو جذب کرتی ہے۔ چاہے اگر ایک زمانے میں بڑی طاقتوں کے دباؤ اور دھمکیوں کی وجہ سے عقل و منطق کا سورج ابر کے پیچھے چھپ جائے، بالآخر دیر یا جلد ایک دن تعصب، ہٹ دھرمی اور دھمکیوں کا خاتمہ ہوگا اور حق وحقیقت نمودار ہو جائے گی۔

زلیخا نے پاک دامن یوسف کو تہمت، دھمکی اور چالبازی کے ذریعہ بے گناہ جیل میں ڈلوادیا، لیکن چند برسوں کے بعد خود ہی یہ کہنے پر مجبور ہوئی کہ یوسف حق پر ہے۔(۱۱)

۶-صاف گوئی۔

۷-تحقیر اور مذاق سے پرہیز۔

۸-خلاصہ اور مفید بات کرنا۔

۹-بات کرتے وقت شفقت آمیز، نرم ومحبت بھرے الفاظ کا استعمال کرنا۔

قرآن مجید انبیاء علیہم السلام کو لوگوں کے بھائی کی حیثیت سے پہچنواتا ہے۔(۱۲) اور یہ تعبیر لوگوں کو جذب کرنے کے لئے بہترین وسیلہ ہے۔ اگر ہم کسی گمراہ فرد کو ''میرے بھائی!'' ''میری بہن!'' کے عنوان سے مخاطب کریں تو زیادہ کامیاب ہو سکتے ہیں۔

خدائے تعالیٰ موسیٰ اور ہارون سے فرماتا ہے: ''جب فرعون کے پاس جاؤ تو اس سے نرم لہجے میں بات کرو۔'' (۱۳)

اور جن افراد کے بیان میں سختی ہو انہیں اپنے ساتھ ترجمان رکھنا چاہئے۔(۱۴)

سورۂ احزاب کی ۴۳ ویں آیت میں آیا ہے: '' خدا اور فرشتے تم لوگوں کو تاریکیوں سے نور

۱۱-الآن حصحص الحقُّ (یوسف/۵۱)

۱۲-اذقال لهم اخوهم صالحٌ (شعرا/۱۴۲)

۱۳-فقولا له قولاً ليناً (طٰہٰ/۴۴)

۱۴-هو افصح منّى (قصص/۳۴)

کی طرف دعوت کرنے کے لئے تم پر درود بھیجتے ہیں۔(۱۵)

بے شک، لوگوں کے دلوں میں نفوذ کرنے، بات میں اثر پیدا کرنے اور تعلیم و تربیت کے لئے مہربانی و خوش اخلاقی سے پیش آنا چاہئے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں چند آیتیں نظر آتی ہیں ﴿ و تواصوا بالمرحمة ﴾ (۱۶) ﴿ الرّحمٰن. علّم القرآن ﴾ (۱۷)

اگر ہم روزہ سے متعلق آیۂ کریمہ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ خدائے تعالیٰ اس عظیم معروف کی طرف لوگوں کو ترغیب دلانے کے لئے کس طرح نرمی سے اس کے لئے زمین ہموار کرتا ہے۔ فرض کیجئے ایک بچہ انجکشن لگوانے سے ڈرتا ہے۔ ڈاکٹر یا نرس کو چاہئے کہ پہلے اسے آمادہ کریں، لہٰذا اس سے کہتے ہیں: ''میں تم کو دوست رکھتا ہوں، ڈرو نہیں! میں تمہیں اس لئے انجکشن لگاتا ہوں کہ تمہیں چاہتا ہوں۔''

خدائے تعالیٰ بھی روزہ کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے ﴿ یاایھاالذین آمنوا ﴾ یعنی اے مجھ پر ایمان لانے والو اور مجھے چاہنے والو''

ڈاکٹر انجکشن لگاتا ہے اور خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ کتب علیکم الصیام ﴾

ڈاکٹر بچے سے کہتا ہے: چند منٹ سے زیادہ درد نہیں ہوگا۔ خدائے تعالیٰ بھی فرماتا ہے ﴿ ایاماً معدودات ﴾ یعنی روزہ چند روز سے زیادہ نہیں ہے۔

ڈاکٹر بچے سے کہتا ہے: سب لوگ انجکشن لگاتے ہیں اور انجکشن لگانا کوئی خاص بات نہیں ہے۔ خدائے تعالیٰ بھی فرماتا ہے ﴿ کما کتب علی الذین من قبلکم ﴾ تمام الٰہی ادیان میں روزہ واجب تھا۔

۱۵-ھو الّذی یصلّی علیکُمْ وَملائکتُہٗ لِیُخرجکُمْ من الظُّلماتِ اِلی النُّوْر (احزاب/۴۳)

۱۶-سورۂ البلد/۱۷

۱۷-سورۂ الرحمن/۱-۲

ڈاکٹر کہتا ہے: "اگر انجکشن تمہارے لئے اچھا نہیں تو اس کی جگہ گولیاں کھا سکتے ہو۔ خدائے تعالیٰ بھی فرماتا ہے: ﴿فمن کان منکم مریضاً او علیٰ سفر فعدۃ من ایام اُخر﴾(۱۸)" اگر مسافر ہو یا بیمار ہو تو روزہ نہ رکھنا بلکہ ماہ رمضان کے بجائے کسی اور وقت روزہ رکھ لینا۔"

روزہ کے حکم کا لہجہ وہی لہجہ ہے جو ایک ڈاکٹر ایک بچے کو انجکشن لگانے کے لئے آمادہ کرتے وقت اختیار کرتا ہے۔ بے شک اس طرح کا امر بمعروف کہاں اور ہمارا طریقہ کار کہاں! یہاں میں قرآنی آیات کی ایک ہمدرد ڈاکٹر کے طرز سے تشبیہ دینے پر معافی چاہتا ہوں۔

۱۰- نہی از منکر دشمن کے ہاتھ کا ہتھیار اور بہانہ نہ بن جائے۔

نہی از منکر اس طرح نہ ہونا چاہئے کہ ہمارے دشمنوں کے لئے ایک سند اور بہانہ قرار پائے۔ افسوس! بعض لوگ تذکرو یاددہانی اور نہی از منکر کے عنوان سے مسائل کو ایسے بیان یا تحریر کرتے ہیں کہ ہمارے دشمنوں کو ریڈیو اور ٹی وی سے نشر کرنے کے لئے ایک اچھا مواد مل جاتا ہے۔

قرآن مجید سے ایک مثال:

بعض اوقات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفتگو فرماتے تھے۔ بعض لوگ اس دوران اس غرض سے کہ پیغمبر اکرمؐ ان کی طرف توجہ فرمائیں یا ٹھہر ٹھہر کر بیان فرمائیں کہتے تھے: یا رسول اللہ، "راعِنا" یعنی ہمارا خیال رکھیے!

یہودیوں کے ہاں لفظ "راعِنا" بُرے معنی میں استعمال ہوتا تھا، لہٰذا وہ اسی لفظ کو سند اور دستاویز قرار دیکر مسلمانوں کی توہین کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ اپنے پیغمبر کو راعنا کہتے ہیں (۱۹)۔

۱۸- بقرہ/۱۸۴

۱۹- اگر "راعنا" کی بنیاد "رَعَیَ" ہو تو اس کے معنی "ہماری مراعات کر" ہوگا۔ لیکن اگر اس کی بنیاد "رعونت" ہو تو اس کے معنی "ہمیں احمق بنا" ہوگا۔

اس لئے یہ آیت نازل ہوئی: ''اے ایمان لانیوالو! اس لفظ کو استعمال نہ کرو، بلکہ کہو اُنظر نا، یعنی اے پیغمبرؐ ہماری طرف دیکھئے۔'' (۲۰)

اس آیۂ کریمہ سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ الفاظ، اصطلاحات اور ادبیات کے انتخاب میں صرف حسن ظن اور دل کی صفائی ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ دشمن ان کے مفاہیم سے غلط فائدہ نہ اٹھانے پائے۔ مثال کے طور پر بعض اوقات امام جمعہ یا کوئی عالم دین حکومت کے ذمہ داروں کے درمیان اختلافات کے سلسلے میں ایک دوستانہ اور ہمدردانہ نصیحت اور تنقید کرتا ہے اور ان کی یہی تقریر دشمنوں کے ریڈیو سے نشر ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے امر بمعروف اور نہی از منکر کے سلسلہ میں صرف دل کی صفائی اور قصدِ قربت کافی نہیں ہے بلکہ ہمیں ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ اپنے اور اپنے معاشرے کے حالات سے دشمنوں کو خوش ہونے کا موقع فراہم نہ کریں۔ (۲۱)

بات کو مؤثر بنانے کے مقدمات فراہم کریں:

معاشرے میں اچھائیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو روکنے کے لئے سب سے پہلے ہمیں اپنے کلام کے نفوذ اور عمل کی طاقت پیدا کرنے کے مقدمات فراہم کرنے چاہئیں۔ کیونکہ ہر بات ہر شخص سے، ہر وقت، ہر قسم کے علمی، سنّی، فکری وسماجی حالات میں قبول نہیں کی جاسکتی، بلکہ:

- یہ ابوذر، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، جن کی فریاد نے معاویہ کے ایوانوں کو متزلزل کر کے رکھدیا۔

۲۰- یا اَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا لاَ تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا (بقرہ/۱۰۴)

۲۱- اسی دلیل کے پیش نظر ممکن ہے ایک مباح اور جائز کام ایک خاص وقت پر حرام قرار پائے۔ جیسے عاشورا کے دن قمہ لگانا کہ بعض عاشقان امام حسین علیہ السلام عشق ومحبت میں یہ کام انجام دیتے ہیں لیکن دشمنوں کے ٹی وی اس عمل کو دوسرے روپ میں پیش کرتے ہیں اور ہمارے بارے میں دنیا والوں کے ذہنوں میں ایک بُری تصویر کھینچتے ہیں۔ لہٰذا یہ کام حرام اعلان ہوا۔

-یہ امام خمینیؒ ہیں کہ جنھوں نے سلمان رشدی کے لئے سزائے موت کا اعلان کیا اور جرأت کے ساتھ فرمایا: ''امریکہ کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا ہے۔''

بے شک! مسلمانوں کو دشمنوں کے مقابل آمادہ رہنا چاہئے۔اگر مسلمان علمی، صنعتی، تنظیمی، اقتصادی، عسکری اور سیاسی اعتبار سے خود کفیل اور مستقل ہوں تو وہ بین الاقوامی سطح پر رائج منکرات اور برائیوں کو روک سکتے ہیں، اقوام متحدہ کی غیر منصفانہ قراردادوں پر اعتراض کر سکتے ہیں اور دوسروں کو بھی ان کی مخالفت پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ انفرادی امر ونہی میں بھی انسان کو ایسی صلاحیتوں کا حامل ہونا چاہئے کہ معاشرے میں اس کی بات کی قدر ہو۔

بہر حال امر بمعروف اور نہی از منکر اسی صورت میں واجب ہے کہ مخاطب پر ہماری بات کا اثر ہو۔ یہ ہمارا کام ہے کہ اپنی بات کو مؤثر بنانے کے ہر ممکن شرائط و حالات فراہم کریں۔ لیکن کیسے؟ ہمدردی اور مہربانی کے حالات کو ہم محبت، تحفہ، ملاقات اور جوابی ملاقات کے ذریعہ اور علمی و اقتصادی حالات کو اعلیٰ تعلیم اور خود کفائی سے وجود میں لا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ لوگوں کو جاننا چاہئے کہ نہی اور تنقید کرنے سے ہمارا مقصد کسی مقام و منصب کو حاصل کرنا نہیں ہے۔

بے شک، اگر لوگ بولنے والے کو اچھی نظر سے دیکھتے ہوں تو اس کی بات کو دل و جان سے سنیں گے ورنہ کوششیں کم ہی بااثر ہوں گی۔

جلد بازی میں فیصلہ نہ کریں:

امام صادق علیہ السلام نے اپنے مہمان کے لئے پسندیدہ کھجور پیش کئے۔مہمان نے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی (۲۲)۔اس آیۂ شریفہ کا مفہوم یہ تھا: ''ان نعمات سے متعلق تم سے قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔''

۲۲-ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ (تکاثر/۸)

گویا اس مہمان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اس قسم کے بہترین کھجور امام کے گھر میں کیوں ہیں؟ امام نے فرمایا: جس نعمت کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہوگا وہ ولایت ورہبری کی نعمت ہے، نہ کہ کھجور! (۲۳)

اس مہمان نے اپنے خیال میں امام کے گھر میں بہترین کھجور موجود ہونے کو امام کے زہد وتقویٰ کے برخلاف سمجھا تھا اور امام کو اس سلسلے میں یاددہانی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ اس سے بے خبر تھا کہ، امر ونہی اور یاددہانی کے لئے پہلے معروف ونہی کی پہچان ضروری ہے اور جلد بازی میں فیصلہ کر کے ہر بات نہیں کہی جاسکتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے: ''خدائے تعالیٰ اس سے منزہ وپاک ہے کہ مادی نعمتوں کے بارے میں سوال کرے کیونکہ جب ایک عام انسان کسی شخص کو دال روٹی کھلاتا ہے تو اس سے سوال نہیں کرتا، تو یہ کیسے ممکن ہے خدائے رحمان یہ کام انجام دے؟''

اعتدال

مسلمان کو امر ونہی میں معتدل ہونا چاہئے اور ہر قسم کے احساس کمتری، سستی یا سختی اور انتہا پسندی سے اجتناب کرنا چاہئے (۲۴)۔

مقبولیت اور بیان میں اثر:

امام صادق علیہ السلام سے سوال ہوا: ''کیا امر بمعروف اور نہی از منکر سب پر واجب ہے؟''

امام نے فرمایا: ''یہ کام ایسے شخص پر واجب ہے جو دوسرے لوگوں کی نظروں میں قابل احترام ہو اور لوگ اس کی اطاعت کرتے ہوں اور معروف یا نیک اعمال کے بارے میں علم و

۲۳- مذکورہ روایت اس آیت کی تفسیر میں بیان ہوئی ہے۔

۲۴- عادل فیما یامر و عادل فیما ینھی (وسائل جلد ۱۱، صفحہ ۴۰۳، بہ نقل میزان الحکمہ)

بصیرت رکھتا ہو، ان لوگوں پر نہیں جو راہ کے انتخاب میں خود حیران ہوں"۔(۴۵)

لہٰذا، اگر کوئی شخص برائیوں کو روکنا چاہتا ہے تو اسے یقیناً ایک باتقویٰ عالم دین کی اطاعت و پیروی کرنی چاہیئے تا کہ غلط اور من مانی حرکتوں کا مرتکب نہ ہونے پائے جس سے دشمن یا خود غرض لوگ ناجائز فائدہ اٹھائیں یا سرے سے اس کام کو ہی زک پہنچے۔ یہاں پر ہم ایک دلچسپ حدیث نقل کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ امر بمعروف اور نہی از منکر کوئی آسان کام نہیں ہے اور ہر شخص اسے ہر قسم کی شناخت یا من پسند طریقے سے انجام نہیں دے سکتا ہے۔ امام حسینؑ سے نقل شدہ ایک حدیث میں آیا ہے:

" صاحب الامر بالمعروف یحتاج الی ان یکون عالماً بالحلال و الحرام"

''امر بمعروف کرنے والا دین سے آگاہ اور حلال وحرام کو پہچاننے والا ہونا چاہیئے''۔ "فارغاً من خاصة نفسه": ''اپنے نفس کا غلام نہیں ہونا چاہیئے''۔ یعنی اگر وہ کوئی بات کہتا ہے یا کوئی قدم اٹھاتا ہے، تو وہ معاشرے کی اصلاح اور خدا کی خوشنودی کے لئے ہو، نہ کہ دوسروں کو دبانے اور اپنی شہرت کے لئے۔

"ناصحاً للخلق"

اسے لوگوں کا خیر خواہ ہونا چاہیئے اور اس کے محرکات ہمدردی اور دینی جذبہ پر مبنی ہونے چاہئیں۔

" رحیماً رفیقاً بهم": ''اس کو لوگوں کا مہربان اور دوست ہونا چاہیئے اور جب تک ضرورت پیش نہ آئے سختی نہ کرے۔''

"داعیاً لهم باللطف": ''اسے چاہیئے کہ لوگوں کو نرمی اور محبت کے ساتھ نیک کام کی دعوت دے۔''

۴۵-انما هو علی القوی المطاع العالم بالمعروف من المنکر، لا علی الضعفة الذین لا یهتدون سبیلاً (بحار، جلد ۹۷، ص ۹۳ بہ نقل میزان)

"حسن البیان": "اس کا بیان دلکش اور اچھا ہونا چاہے۔"

"عارفاً بتفاوت اخلاقهم": اس کو یہ جاننا چاہئے ہر آدمی کا اخلاق جدا ہوتا ہے اور اسے ہر ایک کے ساتھ خاص طریقے سے پیش آنا چاہئے۔

"بصیراً بمکرالنفس": "اسے نفسانی خواہشات کے حیلوں سے باخبر رہنا چاہئے۔" تاکہ امر بمعروف اور نہی از منکر کے بہانے سے خود برے کاموں میں پھنس نہ جائے۔

"صابراً": اگر امر بمعروف و نہی ازمنکر کی راہ میں اسے کوئی صدمہ پہنچے تو نااُمید نہ ہونا چاہئے بلکہ صبر وتحمل اور ثابت قدمی سے آگے بڑھنا چاہئے۔

"لایکافیهم و لا یشکو منهم": اگر لوگوں کی طرف سے اُسے کسی قسم کی تکلیف پہنچے، انتقام نہ لینا چاہئے اور نہ اس کی شکایت کرنی چاہئے۔

"لایستعمل الحمیة": اسے قومی اور خاندانی تعصب سے پاک ہونا چاہئے۔

"لایغتاظ لنفسه": اس کا غیظ وغضب اپنے نفس کے لئے نہیں ہونا چاہئے بلکہ خدا کی خوشنودی اور برے کاموں کے خلاف ہونا چاہئے۔ اسلئے نہیں کہ ہماری شان اور مرتبہ کا احترام نہیں کیا گیا۔ (۲۶)

آگاہی، امر بمعروف اور نہی ازمنکر کی شرط:

ایک دن ابوحنیفہ امام صادقؑ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، امامؑ نے کھانا کھاتے ہوئے فرمایا: "خدایا! یہ نعمتیں تجھ سے اور تیرے پیغمبر کی جانب سے ہیں"۔ (۲۷)

ابوحنیفہ نے کہا: نعمتیں صرف خدا کی طرف سے ہیں، آپ کیوں رسول کا اضافہ کرتے ہیں،

۲۶- بحار، ۷۹، ص ۸۳

۲۷- بحار، ج ۴۷، ص ۲۴۰

کیا یہ ایک قسم کا شرک نہیں ہے؟ **أ جعلت مع الله شريكاً؟**

امام صادق علیہ سلام نے جواب میں فرمایا: ''خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی نعمات کا ذکر کرتے ہوئے اپنے نام کے ساتھ پیغمبرؐ کا ذکر بھی کیا ہے اور فرمایا ہے: خدائے تعالیٰ اور اس کے پیغمبرؐ نے لوگوں کو مستغنی اور بے نیاز کر دیا''۔(۲۸)(۲۹)

ایک دن ایک صوفی اور زاہد نما شخص نے حضرت امام جعفر صادق سے کہا: ''آپ نے کیوں نرم اور نازک لباس پہن رکھا ہے؟ خدا کی قسم پیغمبر اکرمؐ اس قسم کے لباس نہیں پہنتے تھے!''

امام علیہ السلام نے اپنے کپڑے اتار دئے اور فرمایا: ''میں نے اس لباس کے نیچے کھردرے کپڑے پہنے ہیں۔ میں نے جو لباس نیچے پہنا ہے وہ خدا کے لئے ہے اور اس لئے ہے کہ آرام طلب نہ بن جاؤں اور جو لباس اوپر سے پہنا ہے وہ لوگوں کے درمیان زینت و آرائش کے لئے ہے''۔(۳۰)

بے شک امر بمعروف کا کام آگاہی اور معرفت کے ساتھ انجام پانا چاہئے اور معروف کے تمام پہلوؤں کو جاننا چاہئے۔ امر بمعروف کرنے والے کا اقدام وہم و خیال، دوسروں کے اکسانے، نفسانی خواہشات اور غیر مستند بنیادوں پر نہیں ہونا چاہئے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: صرف درج ذیل شرائط کے حامل لوگ ہی امر بمعروف اور نہی از منکر کر سکتے ہیں:

''**عالم بما يأ مر به**'': جس چیز کا حکم دیتا ہے اس سے واقف و آگاہ ہو۔

دین کے تمام ارکان سے آگاہی لازمی شرط ہے۔ مثال کے طور پر تاجر کے بارے میں ارشاد ہوا: ''**الفقه ثم المتجر**'' یعنی: پہلے علم و آگاہی پھر تجارت۔

۲۸- اَغنَاهُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ مِن فَضلِه (توبہ/۷۴)

۲۹- وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوا مااتاهُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللهُ (توبہ/۵۹)

۳۰- وسائل الشیعہ، ج ۳، ص ۳۵۱۔

حدیث شریف میں آیا ہے: ''کوئی ایسا کام نہیں جس میں انسان معرفت وآگاہی کا محتاج نہ ہو''۔ (۳۱)

ایمان کی بھی اسی وقت قدر و منزلت ہے جب یہ تفکّر اور تعقّل کی بنیاد پر استوار ہو (نہ تقلیدی یا سطحی بنیاد پر)۔ قرآن مجید ایسے افراد کی تعریف و تمجید میں فرماتا ہے: ''وہ پہلے آسمانوں اور زمین کی خلقت کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں اور اس کے بعد اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں''۔ (۳۲)

نماز کے بارے میں بھی قرآن مجید اجازت نہیں دیتا کہ انسان مستی کی حالت میں نماز پڑھے اور فرماتا ہے: ''نماز ایسے پڑھو کہ سمجھو کہ کیا کہہ رہے ہو''۔ (۳۳)

اس لحاظ سے آگاہی و معرفت امر بمعروف کے احکام کے بارے میں بھی اولین شرط ہے۔

منکر کو اس سے سخت منکر کے ذریعہ نہ روکیں:

کبھی انسان کسی برائی کا مشاہدہ کرتا ہے تو سخت اور تند لہجہ میں اس سے روکتا ہے۔ یہ سخت رویہ بذات خود ایک شدید اور بڑا منکر ہے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی کو آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا۔ اور آپ اسے نازیبا الفاظ کے ذریعہ نہی کرتے ہیں۔ بلا شک اس قسم کے نازیبا الفاظ استعمال کرنا کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے بدتر ہیں۔

ہر گناہگار کو بے دین نہیں کہا جا سکتا۔ قرآن مجید متقین کی تعریف میں فرماتا ہے: ''یہ لوگ جب کوئی برا کام انجام دیتے ہیں یا اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں تو خدا کی یاد میں غرق ہو جاتے ہیں اور اپنے گناہوں کے لئے توبہ کرتے ہیں''۔ (۳۴)

۳۱- یا کمیل ما من حرکة الا و انت محتاج الی معرفة، الامام علی علیه السلام۔ (الحیاۃ، ج۱، ص۳۷)

۳۲- ویتفکّرون فی خلق السّموات والارض ربّنا ما خلقت هذا باطلاً (آل عمران/۱۹۱)

۳۳- لا تقربوا الصّلاة و انتم سکاری حتّی تعلموا ما تقولون (نساء/۴۳)

۳۴- اُعدّت للمتّقین... والّذین اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذکروا الله فاستغفروا لذنوبهم (آل عمران/۱۳۳، ۱۳۵)

لہٰذا صرف برے کام انجام دینے اور اپنے آپ سے ظلم کے بعد اگر خدا کی طرف توجہ و توبہ بھی ہو تو یہ چیز انسان کو دین کے دائرہ سے خارج نہیں کرتی، لیکن شرط یہ ہے کہ گناہ کی تکرار نہ کی جائے۔

کردار کے ذریعہ لوگوں کو دعوت

قرآن مجید میں بار بار ایسے افراد کی مذمت کی گئی ہے جو لوگوں کو تو حق کی دعوت دیتے ہیں لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتے (۳۵)۔ اس طرح کے انسان خدائے تعالیٰ کے شدید غضب کا شکار ہوتے ہیں (۳۶)۔ حضرت شعیب لوگوں سے فرماتے تھے: ''میں جس چیز کی تمہیں نہی کرتا ہوں اس کو ترک کرنے میں تم لوگوں سے پیش قدم ہوں۔'' (۳۷)

ایک حدیث شریف میں آیا ہے: ''انسان کی جہالت و گمراہی کے لئے یہی کافی ہے کہ جس کام سے وہ لوگوں کو روکتا ہے، خود اسی کا مرتکب ہوتا ہے۔'' (۳۸)

ایک اور حدیث میں آیا ہے: ''خدائے تعالیٰ ان لوگوں پر لعنت بھیجے جو دوسروں کو امر بمعروف کرتے ہیں لیکن جو کچھ کہتے ہیں خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ لوگوں کو نہی از منکر کرتے ہیں لیکن خود اسی گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔'' (۳۹)

ایک اور حدیث میں آیا ہے: ''ایسے افراد کو جہنم میں چکی کو کھینچنے والے گدھے کی طرح چکر

۳۵- لِمَ تَقُولُونَ مالاٗ تَفعَلُونَ (صف/۲)

۳۶- کَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللهِ اَنْ تَقُولُوا مالاٗ تَفعَلُونَ (صف/۳)

۳۷- وَما اُرِیدُ اَنْ اُخالِفَکُمْ اِلیٰ ما اَنْهاکُمْ عَنْهُ (ہود/۸۸)

۳۸- کفی بالمرء جهلاً ان ینکر علی الناس ما یأتی مثله، غرر، کفی بالمرء غوایة ان یأمر الناس بما لا یأتمر به و ینها هم عمّا لا ینتهی عنه، غرر،

۳۹- خطبه ۱۲۹، لعن الله الامرین بالمعروف التارکین له...۔

لگوائیں گے اور جب ان سے پوچھا جائیگا کہ: ''تم کیوں یہاں آئے ہو؟ تم تو ہمیں برے کاموں سے روکتے تھے؟'' وہ جواب میں کہیں گے: '' کیونکہ میں خود اسی گناہ کا مرتکب ہوتا تھا۔'' (۴۰)

روایتوں میں آیا ہے کہ: ''اپنے کردار سے لوگوں کو حق کی طرف دعوت دو۔'' (۴۱)

مثال کے طور پر اگر باپ یا معلم کوچے میں پڑے کیلے۔کے چھلکے کو دیکھے اور اسے کسی چیز سے کنارے کر دے تاکہ کوئی پھسل کر گرنے نہ پائے، تو شاگرد اس کام کو دیکھ کر کیلے کے چھلکے کو کبھی راستے میں نہیں ڈالیں گے۔ یا اگر کسی ادارے کا ڈائریکٹر اپنے دفتر میں داخل ہوتے ہی اضافی بلب بجھا تا ہے تو دیگر عام ملازمین اس کے اس عمل کو دیکھ کر اسے اپنا فریضہ سمجھیں گے۔اسی طرح اگر ملک وحکومت کے ذمہ دار افراد نماز جمعہ و جماعت کی پہلی صف میں کھڑے ہوں تو ان کی دیکھا دیکھی میں مسجدیں پُر ہو جائیں گی۔

اس کے برعکس اگر مشہور ومعروف چہرے کوئی غلط کام انجام دیں تو اس طرح گناہ ومعصیت کے دروازے دوسروں کے لئے کھل جائیں گے۔

قرآن مجید پیغمبر اکرمؐ کی بیویوں-جن کا مقام اجتماعی اور مذہبی اعتبار سے بلند تھا- سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اے پیغمبرؐ کی بیویو! تمہارا حساب دوسری عورتوں سے جدا ہے۔ اگر تم میں سے کسی نے کوئی خلاف ورزی کی دوسروں کی نسبت اُسے دوگنی سزا ملے گی''۔ (۴۲)

حدیث شریف میں آیا ہے: عالم کا ایک گناہ بخشے جانے سے پہلے جاہل کے ستر گناہ بخش

۴۰-میزان الحکمۃ،ص۲۷،ج۲

۴۱-قال الصادق علیه السلام: کونوا دعاة للناس بغیر السنتکم لیروا منکم الورع والاجتهاد والصلوة و الخیر فان ذلک داعیه. (وسائل، ج۱۱،ص۱۹۴، بہ نقل از الحیاۃ)

۴۲-یا نِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّأْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُّضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ (احزاب/۳۰)

دیئے جائیں گے، کیونکہ عالم اپنے گناہ کے ذریعہ دوسروں کے لئے گناہ کا راستہ کھولتا ہے۔

تاریخ میں آیا ہے: ''حضرت علی علیہ السلام ایک عیسائی کے ساتھ ہمسفر ہوئے۔ ایک دو راہے پر پہنچے، جہاں سے ہر ایک کو ان دوراستوں میں سے ایک پر آگے بڑھنا تھا۔ امام علی علیہ السلام عیسائی کے راستے پر اس کے ساتھ چلنے لگے۔ عیسائی نے اُن سے کہا: ''آپ کا راستہ تو اُدھر ہے!'' امامؑ نے فرمایا: ''جانتا ہوں! لیکن اسلام نے سفارش کی ہے کہ اگر دو آدمی ہمسفر ہو جائیں تو ایک دوسرے پر حق رکھتے ہیں اور میں چند قدم تمہارے ساتھ چل کر تم کو رخصت کرنا چاہتا تھا۔'' امام علیہ السلام کے اس کردار سے متأثر ہو کر عیسائی مسلمان ہو گیا۔ (۴۳)

ہارون رشید نے ایک خوبصورت کنیز کو امام موسیٰ کاظمؑ کے پاس قید خانہ میں بھیجدیا تاکہ امامؑ پر تہمت لگانے کے لئے زمین ہموار کرے۔ امام علیہ السلام کے طرز عمل نے کنیز کو ہی بدل کے رکھدیا اور وہ بھی عبادت میں محو ہو گئی۔ (۴۴)

امام جعفر صادق علیہ السلام اہل سنت کے درمیان زندگی گزارنے والے اپنے شیعوں سے سفارش فرماتے تھے: ''اُن کی نمازوں میں شرکت کرو۔ ان کے بیماروں کی عیادت کے لئے جاو، ان کی تشییع جنازہ میں شرکت کرو اور ہر نیک اور اچھے کام میں پیش قدم رہو''۔ (۴۵)

بیشک اس قسم کے طرز عمل سے دیگر لوگ ہماری طرف مائل ہوں گے۔

سؤال:

فقہا کے فتاویٰ میں آیا ہے کہ: امر بمعروف اور نہی از منکر کرنا واجب ہے چاہے انسان اپنے کہے پر عمل نہ بھی کرے۔

۴۳۔ بحار، ۷۱، ص ۱۵۷

۴۴۔ بحار، ۴۸، ص ۲۳۹

۴۵۔ اصول کافی ۲، صلوا فی عشائرھم عودوا مرضاھم...

لیکن آیات وروایات میں ان لوگوں کی سخت مذمت کی گئی ہے جو اپنی بات پر عمل نہ کرتے ہوں۔اور ان کو خدا کی طرف سے سب سے بڑے غضب شدہ افراد کے عنوان سے پہچنوایا گیا ہے۔ہم ان دو باتوں میں سے کس بات کو مانیں؟

جواب:

قرآن مجید اور روایات میں مذمت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو پورے طور سے اپنے قول وفعل میں فرق رکھتے ہوں،یعنی ان کی زندگی کا طرز اوران کے کرداران کی گفتار کے منافی ہو،لیکن معاشرے میں مصلح اورآمر بمعروف کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہوں۔فقہا کا فتوی یہ ہے کہ ضروری نہیں ہے کہ جب تک خدا کے تمام احکام پر عمل نہ کیا جائے امر بمعروف کرنے کے لائق نہیں ہوسکتے۔یہ حقیقت ہم کو مندرجہ ذیل حدیث میں بھی نظر آتی ہے۔

کچھ لوگ پیغمبر اکرمؐ کے پاس آئے اور کہا:''جب تک ہم تمام احکام پر عمل نہ کریں امر بمعروف نہیں کریں گے۔''

آنحضرتؐ نے فرمایا:''امر بمعروف کرو چاہے جو کچھ تم کہتے ہواس پر پوری طرح عمل نہ بھی کرتے ہواور نہی ازمنکر کرو چاہے تمام منکرات سے تم خود اجتناب نہ بھی کرتے ہو۔''

توجہ رہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:''اجمالی طور سے عمل کرنا کافی ہے اور قرآن مجید اور روایات کی مذمت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو کلی طور سے اہل عمل نہیں ہیں۔(۴۶)

عقلی محاسبات:

چونکہ امر بمعروف اور نہی ازمنکر کا مقصد معاشرے میں خوبیوں کا رواج اور گناہوں کو روکنا

۴۶۔میزان الحکمۃ،ج۶،ص۲۷۴

ہے اور اسلام نے کلی طور پر اسے واجب قرار دیا ہے، لیکن اس کی تفصیلات اور طریقہ کار کو عقل کے سپرد کیا ہے اور اس کی بنیاد و اساس کو بہتر اور بیشتر نتیجہ حاصل کرنا قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس حکم الٰہی کے نفاذ میں عقلی محاسبات کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ جیسے:

۱۔کونسا معروف اور کونسا منکر؟

۲۔کس قیمت پر اور کس حد تک جدوجہد کی جائے؟؟

۳۔کس شخص سے؟

۴۔کس وقت اور کس جگہ؟

۵۔کس وسیلہ سے؟

۶۔کس گناہگار کے بارے میں؟

۷۔کس نظام اور کس حکومت میں؟

اور اسی قسم کے دوسرے مسائل کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

شہنشاہی نظام کے زوال اور امام خمینیؒ کے مبارک ہاتھوں سلامی جمہوریہ کے نظام کی تشکیل کے بعد ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے ایک دن دل کو لبھانے والی ایک موسیقی نشر ہوئی۔ امامؒ سے سوال کیا گیا: یہ موسیقی حلال ہے یا حرام؟

انہوں نے فرمایا: ''اگر یہ موسیقی اسلامی جمہوریہ ایران کے ریڈیو اور ٹی وی سے نشر ہو رہی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر کسی اور ملک کے ریڈیو اور ٹی وی سے نشر ہو تو حرام ہے''۔ (۴۷)

اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک موسیقی لوگوں کو فاسد حکومت کے حق میں مشغول و سرگرم کرے، تو حرام ہے لیکن اگر امت حزب اللہ کو مسرور کرے تو حلال ہے، بالکل اسی طرح جیسے کفار کے منافع کے تحفظ کے لئے تفتیش اور جاسوسی کرنا حرام ہے، لیکن اسلامی نظام کے تحفظ کے

۴۷۔ ناقل کلام مرحوم حاج احمد آقا خمینیؒ۔

لئے یہی کام انجام دینا حلال ہے۔

یا ایک حیوان کا شکار کہ اگر یہ شکار گوشت کے استعمال کے لئے کیا جائے تو، حلال ہے، لیکن اگر ہوس بازی کے لئے کیا جائے تو حرام ہے۔

ہمارے ائمہ بعض اوقات کسی اجنبی کی موجودگی میں شرعی حکم کو تقیہ کی بنا پر دوسرے طریقے سے پیش کیا کرتے تھے۔ کبھی ایجادات اور ٹیکنالوجی، اجتہاد پر بھی اثر ڈالتی ہیں۔ مثال کے طور پر، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی کسی زمین کو آباد کرے وہ اس کا مالک ہے یا جو کوئی کسی چیز پر قابض ہو جائے وہ اس کا مالک بن جاتا ہے۔ فقیہ اس حدیث کی رو سے لوگوں کو کاشتکاری یا ماہی گیری کی سفارش کرتا ہے۔ بعد میں، جدید وسائل ایجاد ہوتے ہیں، جیسے ٹریکٹر جس سے ایک آدمی کئی ٹریکٹر خرید کر سیکڑوں کیلومیٹر زمین کو ایک ہی وقت میں آباد کر سکتا ہے۔ اب یہاں فقیہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس حدیث کے مطابق جو جہاں اور جس قدر زمین آباد کر لے وہ اس کا مالک ہے اس طرح انسان سیکڑوں کلومیٹر کا مالک بن سکتا ہے۔

یا اگر کل کوئی ایسی چیز ایجاد ہوئی جس کے ذریعہ سمندروں کی گہرائیوں میں جا کر تمام مچھلیوں پر قبضہ کر لیا جائے تو یہ ایجاد ایک مجتہد و فقیہ کو یہ سوچنے پر مجبور کرے گی کہ کیا حیازت کا قانون اس حد کو بھی شامل ہوگا؟

بہر حال دین محمدیؐ کے کلی قوانین پائیدار ہیں، لیکن مصداق یا اطلاق میں قانون مجتہد کو نظر ثانی پر مجبور کرتا ہے۔ کلی طور پر احکام الٰہی کو تین نقطۂ نظر سے دیکھا جا سکتا ہے:

۱- واقعی نقطۂ نظر: یعنی ہم کہیں کہ جو کچھ خدائے تعالےٰ نے فرمایا ہے وہ کسی کمی یا بیشی کے بغیر قابل قبول ہے اور اس میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

۲- فقہی نقطۂ نظر: یعنی ہمیں حقیقت کے بارے میں علم نہیں ہے، لیکن آیات اور روایات کے الفاظ سے ہم یہ سمجھتے ہیں۔

۳-حکومتی نقطۂ نظر: یعنی ہمیں یقین ہے کہ لوگ حکومت چاہتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ حکومت کی باگ ڈور معصوم امام یا نفسانی خواہشات سے پاک عادل مجتہد کے ہاتھ میں ہونی چاہئے۔اور عادل مجتہد اسلام کی طرف سے دئے گئے کلی اختیارات کے تحت اجتہاد کے ذریعہ قانون کو وضع کرتا ہے۔مثال کے طور پر حج کو ایک سال کے لئے ممنوع قرار دے دیتا ہے۔جنگ کا حکم دیتا ہے۔صلح کی تجویز کو قبول یا رد کرتا ہے۔

دوسرے اور تیسرے نقطۂ نظر میں زمان و مکان کے دو عنصر اور اقتصادی و سیاسی و جنگی حالات و شرائط مؤثر ہیں جبکہ پہلے نقطۂ نظر میں مؤثر نہیں ہیں۔لہٰذا ممکن ہے کوئی امر ایک زمانے میں منکر اور دوسرے زمانے میں معروف ہو یا ایک زمانے میں معروف اور دوسرے زمانے میں منکر اور زمانہ کی تشخیص کے بغیر امر و نہی نہیں کی جا سکتی ہے۔

امر بمعروف اور نہی از منکر میں ہمیں دیکھنا چاہئے کہ کونسی شخصیت اس کام کے لئے آگے بڑھنے والی ہے یا تذکر و یاددہانی کرنے والی ہے؟ وہ بھی کس گناہگار کے مقابلے میں اور کس بُرے کام کے لئے۔

کبھی منکر، قانون الٰہی میں تغیر، بدعتوں کے رواج، اسلام کے زوال اور مسلمانوں پر کفار کے تسلط کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، اس صورت میں امام خمینیؒ جیسی شخصیت کو میدان میں آنا چاہئے اور دسیوں ہزار شہداء کو اسلام کے لئے اپنی جانیں نچھاور کرنی چاہئے اور اس سے بھی بڑھ کر امام حسین علیہ السلام کو انقلاب برپا کر کے کربلا کا حادثہ وجود میں لانا چاہئے، اسی وجہ سے پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

''حسینٌ منّی و انا من حسین''

یعنی حسین علیہ السلام کا وجود مجھ سے ہے کیونکہ وہ میرا نواسہ ہے لیکن میں بھی حسینؑ سے ہوں۔

شاید اس جملہ کا مقصد یہ ہو کہ میرا دین و مکتب حسین علیہ السلام کے انقلاب کی وجہ سے زندہ ہے۔ بہر صورت امر بمعروف میں ان تمام شرائط، ترجیحات اور محاسبات کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

اگر مخالفت کی گئی، تو کیا کریں؟

بعض اوقات انسان امر بمعروف اور نہی از منکر کرتا ہے، لیکن لوگ اس کی پروانہیں کرتے، اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

اول یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا مقصد تک پہنچنے کے لئے کلی طور پر زور و زبردستی کی ضرورت ہے، خدا یہ نہیں چاہتا اور قرآن مجید میں بھی بہت سی آیات موجود ہیں جن میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: ''اگر ہم چاہتے تو تمام لوگوں کو جبر و اکراہ کے ذریعے راہ حق پر لے آتے (۴۸)۔ لیکن خدائے تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ لوگوں کو آزاد رکھا جائے (۴۹)۔

لہٰذا پیغمبر خدا بھی فرماتے ہیں: ''میں تمہارا وکیل نہیں ہوں'' (۵۰)۔ اور خدائے تعالیٰ آپؐ سے فرماتا ہے: ''تم بالادستی اور زور و زبردستی کا حق نہیں رکھتے ہو'' (۵۱)۔ لوگ آزاد خلق کئے گئے ہیں اور اسلام کی تعلیم و تربیت کا نظام لوگوں کی آزادی کی بنیاد پر استوار ہے۔ لہٰذا آپ کی یاددہانی کرانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لوگ اس کو قبول ہی کریں۔

دوسرے یہ کہ جو لوگ ایک مدت تک کسی خاص راستے پر چلے ہیں، فوری طور سے اس سے ہٹ نہیں سکتے، اور لوگوں کو فرصت دینی چاہئے۔

تیسرے یہ کہ بعض اوقات یاددہانی ایسے وقت اور حالات میں انجام دی جاتی ہے کہ جس سے شخص حساس ہو جاتا ہے، ایسے حالات میں صبر کرنا چاہئے تاکہ یہ حساسیت زائل ہو جائے،

۴۸- لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (انعام/۳۵)

۴۹- اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (دھر/۳)

۵۰- لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ (انعام/۶۶)

۵۱- لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (غاشیہ/۲۲)

بالکل دانتوں کے ایک ڈاکٹر کی طرح کہ وہ دانت میں درد ہوتے ہی اسے نہیں اکھاڑتا۔

اس کے علاوہ ممکن ہے فرد مقابل حق بات کو ایک خاص طرز سے سننا گوارا نہ کرتا ہو لیکن اگر بات کا انداز بدل دیا جائے تو اسے قبول کر لے۔

تجارت سے مربوط روایات میں آیا ہے کہ اگر کسی مال کی خرید و فروخت میں کامیاب نہ ہوئے تو تجارت کی روش کو بدل ڈالو شاید کامیاب ہو جاؤ۔ یہ تبدیلی تعلیمی میدان میں بھی ہے۔ کبھی انسان کسی خاص مضمون میں کامیاب نہیں ہوتا لیکن مضمون کو بدلنے سے کامیاب ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ڈاروین دو علمی مضامین (طب اور عیسائی دینی علوم) میں ناکام رہا، لیکن علم طبیعت میں کامیاب رہا۔

اگرچہ اس کے نظریات رد ہوئے ہیں لیکن پھر بھی وہ ایک صاحب نظر شخص تھا۔

ان سب سے قطع نظر، قرآن مجید سے آگاہی، انبیاء علیہم السلام کے اخلاق اور دین اسلام کی تعلیمات ہمارے مسائل کو حل کرنے والی چیزیں ہیں۔

کبھی وہ فرماتا ہے: ''جاہل کے مقابل سلام اور خوش اخلاقی کا برتاؤ کرو'' (۵۲)

اور کبھی فرماتا ہے: ''لوگوں کی بدی کا جواب خوبی سے دو کہ یہ انداز دشمن کو دوست بناتا ہے'' (۵۳)

کبھی فرماتا ہے: ''اگر اس نے تندروی کی تو برداشت کرو''۔ (۵۴)

کبھی جواب کو قیامت پر چھوڑ دینا چاہئے۔ قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے: ''مجرم افراد، مؤمنوں پر ہنستے ہیں، اشارے کرتے ہیں، مضحکہ اڑاتے ہیں (۵۵)، گمراہی کی تہمت لگاتے ہیں

۵۲-وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا (فرقان/۶۳)

۵۳-اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (فصلت/۳۴)

۵۴-لَئِنْ بَسَطْتَ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقْتُلَنِیْ مَا اَنَا بِبَاسِطٍ یَدِیَ اِلَیْکَ لِاَقْتُلَکَ (مائدہ/۲۸)

۵۵-سورۂ مطففین

لیکن مؤمنوں کو جاننا چاہئے کہ قیامت کے دن مؤمن بھی اُن پر ہنسیں گے۔''

ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ صرف امر بمعروف اور نہی از منکر کے نتیجہ پر لوگوں کی توجہ نہیں ہے۔ ممکن ہے لوگ اس پر توجہ نہ کریں، لیکن اس سلسلے میں ہمارا اجر خدا کے پاس محفوظ ہے۔ خدا ہم پر نگرانی رکھتا ہے اور ہمارے اجر سے ذرہ برابر بھی کم نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ، کیا ہم انبیاء سے بہتر ہیں؟ ان بزرگوں نے کیسی مشکلات اور مصیبتیں برداشت کی ہیں اور کتنا ان کا دل دکھایا گیا، لیکن ان کا ردعمل ہمیشہ متانت اور تحمل و بردباری پر مشتمل ہوتا تھا۔ لوگ پیغمبروں سے کہتے تھے: ''ہم تمہیں احمق سمجھتے ہیں'' (۵۶) لیکن وہ جواب میں فرماتے تھے: ''ہم احمق نہیں ہیں'' (۵۷)۔ وہ لوگ کہتے تھے: ''ہم تمہیں گمراہ پاتے ہیں'' (۵۸)۔ وہ فرماتے تھے: ''ہم گمراہ نہیں ہیں''۔

انبیاء علیہم السلام کا کام ایک طبیب کے مانند ہوتا ہے جو بیمار کے علاج و معالجہ میں مصروف اور مگن ہوتا ہے، بیمار چیخ پکار کرتا ہے، لیکن طبیب اس کی طرف توجہ نہیں کرتا بلکہ اس کی فکر اور توجہ مریض کے معاینہ اور معالجہ پر مرکوز ہوتی ہے۔

عمل پر تنقید کریں نہ کہ شخص پر:

ہمیں بدکار سے بغض و عناد نہیں رکھنا چاہئے بلکہ ہمیں اسے اسکی بدکاری کی طرف متوجہ کرنا چاہئے۔

دوسرے الفاظ میں ہمیں جہل کے خلاف قدم اٹھانا چاہئے نہ کہ جاہل کے خلاف، گناہ سے لڑنا چاہئے نہ کہ گناہگار سے۔ روایات میں آیا ہے: ''کتنے ایسے لوگ ہیں کہ خدا انھیں پسند

۵۶- اِنّا لَنَرٰیکَ فِی سَفَاهَةٍ (اعراف/۶۶)

۵۷- لَیسَ بِی سَفَاهَةٌ (اعراف/۶۷)

۵۸- اِنّا لَنَرٰیکَ فِی ضَلالٍ مُبِینٍ، قالَ یاقَومِ لَیسَ بِی ضَلالَةٌ... (اعراف/۶۰و۶۱)

کرتا ہے اگر چہ وہ ان کے عمل سے خوش نہیں ہے''۔(۵۹)

قرآن شریف میں آیا ہے کہ پیغمبر، لوگوں سے فرماتے تھے:''میں تمہارے عمل کا مخالف ہوں تمہارا مخالف نہیں ہوں''۔(۶۰)

اگر بدکار یہ محسوس کرلے کہ وہ ایک شخصیت رکھتا، اسے پسند کیا جاتا اور اس کی کمزوری کا سبب صرف اس کی بدکاری ہے، تو وہ آسانی کے ساتھ بدکاری کو ترک کرسکتا ہے۔

لیکن اگر یہ محسوس کرے کہ وہ قابل نفرت اور ٹھکرایا ہوا ہے تو وہ روز بروز اپنی بربادی اور گمراہی کو بڑھاتا جائیگا۔ ایک شخص نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا:''آپ کے ایک صحابی نے شراب پی لی ہے، کیا میں اس سے دوری اختیار کروں؟''

امام نے فرمایا:''اس کے کام سے اجتناب کرو''(نہ کہ اس کی ذات سے)۔(۶۱)

حدیث شریف میں آیا ہے:''صالح اور مصلح افراد کے لئے سزاوار ہے کہ وہ بدکار کے سلسلہ میں رحم کریں''۔(۶۲)

یہ قانون خاندانی مسائل اور فرزندوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں بھی خاص مقام کا حامل ہے۔ اچھے والدین وہ نہیں ہیں جن سے بچے ڈریں، بلکہ وہ ہیں جو اپنے بچوں کی شخصیت کو تحفظ بخشتے ہیں اور اگر کبھی غصہ میں بھی ہوتے ہیں تو بھی بچے ان کی مہربانیوں سے نا اُمید نہیں ہوتے۔

اگر آپ نے اپنے بیٹے کی بے احترامی کرتے ہوئے اس کے چچازاد بھائی سے اس کا تقابل کرتے ہوئے کہا:''تم بدبخت ہو اور تمہارا چچیرا بھائی تم سے بہتر ہے''۔

تو وہ بھی جواب میں کہے گا:''میرے چچا بھی آپ سے بہتر ہیں''۔

۵۹-ان اللہ یحب العبد و یبغض عملہ (بحار ج ۳۶ ص ۲۳۳)

۶۰-انی لعملکم من القالین (قالین، قال کی جمع اور لفظ قلی سے عداوت کے معنی میں ہے)

۶۱-بحار، جلد ۷۲، صفحہ ۱۳۷

۶۲-ینبغی لاھل العصمۃ ... ان یرحموا اھل الذنوب۔ (خطبہ ۱۴۱ نہج البلاغہ)

درحقیقت اس طرح وہ اپنے باپ کو ترکی بہ ترکی جواب دیتا ہے اور اپنے باپ اور چچازاد بھائی کا کینہ دل میں رکھتا ہے۔ لیکن اگر اس سے کہا جائے: ''بیٹے تم گزشتہ سال اس سال کی نسبت اچھے تھے'' اس طرح اس کا خود اس کی ذات سے موازنہ کریں نہ کہ اور لوگوں سے، یا اس سے کہیں کہ: ''انسان کو چاہئے ہر روز گزشتہ دن کی نسبت خود کو بہتر بنائے اور تم جتنا بہتر بنو گے اتنا خدا اور خدا کے بندوں اور اپنے والدین کی نظر میں محبوب ہو گے''۔ تو یہ طریقہ اپنے بیٹے کی اصلاح میں مثبت قدم ہوگا۔ امر بمعروف اور نہی از منکر کرتے ہوئے بدکردار کو رقیب بنا کر اسے کینہ ور، حساس اور انتقامی نہ بنائیں، بلکہ اس کی خوبیوں کو بیان کریں، اس کی گزشتہ واضح کامیابیوں کو بیان کریں اس کی قومی اور خاندانی عظمت کو بیان کریں۔ اسکی صلاحیتوں کا ذکر کریں تا کہ وہ یہ محسوس کرے کہ بالکل گیا گزرا نہیں ہے بلکہ لوگ اسے پسند کرتے ہیں اور اس میں صلاحیت بھی پائی جاتی ہے۔

امر بمعروف کرنے والوں کے اوصاف وشرائط

امر بمعروف اور نہی از منکر کرنے کے لئے ایمان، علم، طاقت کے علاوہ ایک خاص درددل اور دینی غیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں امام سجاد علیہ السلام سے منقول ہے کہ: حضرت موسیٰ نے خدائے تعالےٰ سے سوال کیا: ''خداوندا! تو اپنے عرش کے سائے میں کن لوگوں کو قبول فرمائے گا؟''

خطاب آیا: ''ایسے پاک دل اور پاک کردار افراد کو جو حرام الٰہی کو حلال ہوتے دیکھ کر زخمی شیر کے مانند غصے میں آجاتے ہیں''۔ (۶۳)

ایک واقعہ:

جیسے ہی سامراجی پٹھو، سلمان رشدی نے اپنی کتاب میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کی، امام خمینیؒ نے اس کے خلاف سزائے موت کا فتویٰ صادر کردیا، عالمی سطح کے کچھ سیاستدانوں اور قانون دانوں نے امامؒ سے کہا: ''یہ فتویٰ بین الاقوامی قوانین سے مناسب نہیں ہے''۔

۶۳-قال السجاد علیه السلام قال موسیٰ یا ربّ من اهلک الذین تظلم فی ظلّ عرشک؟ فاوحیٰ الله الیه الطاهرة قلوبهم و التربة ایدیهم... الذین یغضبون لمحارمی اذا استحلت مثل النمر اذا حرد. (امالی الاخبار۵،ص۲۶۹)

امامؒ نے غصہ میں آ کر فرمایا: ”جہنم میں جائیں یہ قوانین! اس شخص نے پیغمبر اسلامؐ کی توہین کی ہے اسے ضرور قتل کیا جانا چاہئے، حتی اگر یہ زمانے کا عابدترین فرد بھی بن جائے جب بھی کوئی فائدہ نہیں ہے اور اس کی توبہ قابل قبول نہیں ہے“۔

ایک اور جگہ فرمایا: ”کاش میں جوان ہوتا اور اسے خود اپنے ہاتھوں سے قتل کرنے کے لئے انگلستان جاتا“۔ اس کو دینی غیرت کہتے ہیں۔

بے شک امر بمعروف اور نہی از منکر کرنے کے لئے ایک ہمدرد دل اور پختہ ارادہ کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید نے فرمایا:

﴿اِنَّ ذٰلک من عزم الامور﴾ (۶۴)

حتیٰ اگر ہماری بات کا کوئی اثر نہ بھی ہو پھر بھی، یہی امرونہی ہماری نجات کا سبب ہوگا۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

”جب خدا کا عذاب نازل ہوا تو ہم نے منکر کی نہی کرنے والوں کو نجات دیدی“

﴿أنجینا الذین ینهون عن السوءِ و أخذنا الذین ظلموا﴾ (۶۵)

بہر حال اگر انسان میں احساس اور درد ہو تو وہ امر بمعروف اور نہی از منکر کرتا ہے۔ بے حسی سب سے بڑی بیماری ہے۔ پرانے زمانے میں لوگ جب کسی کی تحقیر کرنا چاہتے تھے تو اسے کہتے تھے: ”فلاں شخص بے حس و لاپرواہے“۔

امام خمینیؒ نے اپنے متعدد بیانات اور خطوط میں بعض افراد کو ”بے حس آرام طلب“ کے عنوان سے یاد کیا ہے اور ان کی مذمت کی ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے: ”جب پیغمبر لوگوں کو پریشانی میں مبتلا دیکھتے تھے تو رنجیدہ ہوتے تھے“۔ (۶۶)

۶۴-سورۂ لقمان/۱۷

۶۵-سورۂ اعراف/۱۶۵

۶۶-عزیزٌ علیه ما عنتُّم (توبہ/۱۲۸) (پیغمبر اسلامؐ پر تمہاری ہر مصیبت شاق ہوتی ہے)

ایک حدیث میں آیا ہے: ''خدائے تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کس لئے پیغمبری کے لئے انتخاب کیا ہے؟'' موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا: ''نہیں!''

خدائے تعالیٰ نے فرمایا: ''تمہارے اندر ایک وہ دردمندی کا جذبہ تھا، جو دوسروں میں نہیں تھا''۔

قرآن مجید فرماتا ہے: ''پیغمبر اکرمؐ لوگوں کی ہدایت کے لئے حرص یعنی انتہائی خواہش رکھتے تھے (۶۷) اور اس سلسلے میں اپنے آپ کو تعب میں ڈالتے تھے۔''

بے حسی اور سنگ دلی سب سے بڑی روحی اور ذہنی بیماریاں ہیں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: ''بعض دل پتھر سے بھی سخت ہیں۔ کیونکہ بعض پتھروں سے چشمے پھوٹتے ہیں، لیکن کچھ ایسے دل ہیں جن پر کسی قسم کا موعظہ اثر نہیں کرتا''۔ (۶۸)

بہر حال امر بمعروف اور نہی از منکر کی توفیق وہ لوگ پیدا کرتے ہیں، جن کی روح شاد اور جن کے دل میں کسک ہو۔

دردمندی کی علامت یہ ہے کہ جس طرح انسان اپنے بارے میں کوئی بری بات سن کر غضبناک ہوتا ہے، اور ردّ عمل ظاہر کرتا ہے، اسی طرح جب کسی کی غیبت سنے تو بھی ناراض ہو جائے۔ یا اگر اپنے گھر میں پانی کا نل کھلا دیکھے تو اسے بند کرتا ہے اور اسی طرح اگر کسی اور جگہ فضول پانی بہتا ہوا دیکھے وہاں بھی نل بند کرے۔

بے شک اگر یہ انفرادی جذبات عمومی جذبوں میں تبدیل ہو جائیں تو دنیا جنت بن جائے گی۔ ہم کیوں اپنے گھر سے برف اٹھا کر کوچے میں ڈالتے ہیں؟ کیوں گھر کے گندے پانی کو

۶۷۔ حَرِيصٌ عَلَيْكُم (توبہ/۱۲۸)

۶۸۔ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَ إِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ (بقرہ/۷۴)

سڑکوں کی نالیوں میں بہاتے ہیں؟ دوکان کے کوڑے کرکٹ کو کیوں سڑکوں پر ڈالتے ہیں؟ ایسے ہی بہت سے کیوں؟ اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم ابھی "ہم" نہیں بنے ہیں بلکہ "میں" ہی ہیں۔ ہمیں دوسروں کو اپنا اور اپنے کو دوسروں کے لئے سمجھنا چاہئے اور قرآن مجید کے قول کے مطابق ﴿بعضكم من بعض﴾ ہم سب ایک دوسرے کے لئے ایک ہوں۔ بالکل اس حدیث کی طرح جسے شاعر نے اپنے شعر میں بیان کیا ہے:

بنی آدم اعضای یك دیگرند — که درآفرینش زیك گوهراند

چوعضوی به دردآورد روزگار — دگر عضوها را نماند قرار

دردمندی اور نیک نیتی کی اس حد تک قدر و قیمت ہے کہ فقہی کتابوں میں بیان ہوا ہے: "اگر کوئی شخص خدمت انجام دینے کی نیت سے کوئی کام کرے، لیکن اس کام کے دوران کوئی نقصان ہو تو اس شخص پر اس کا جرمانہ عائد نہیں کیا جاسکتا ہے"۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص ہمدردی کی بنا پر ایک بچے کو، جو سڑک پر پڑا ہے اور گاڑی کی زد میں آنے والا ہے، بچانے کی غرض سے اٹھا کر دیوار کے پاس لے جائے اور اتفاقاً دیوار سے ایک سانپ نکل کر اس بچے کو ڈس لے، تو وہ شخص اس کا ذمہ دار نہیں ہے، کیونکہ اس کا کام نیک نیتی پر مبنی تھا۔ یا اگر کوئی شخص کسی قسم کی کوتاہی کے بغیر کسی کام کو انجام دیتے ہوئے کسی مال کو نقصان پہنچائے تو اس کو جرمانہ نہیں کرتے۔ قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے ﴿ماعلى المحسنين من سبيل﴾(۶۹) یعنی اگر کسی نے نیک نیتی کی بنا پر احسان کرنے کے لئے کوئی قدم اٹھایا لیکن اتفاق سے کسی خطرہ یا نقصان سے دوچار ہوا تو اُسے جرمانہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

۶۹- توبہ،۹۱

امر بمعروف مذہب و دین سے عشق کی علامت

اگر ہم حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے باوفا ساتھیوں کے ان جملوں اور بیانات پر توجہ کریں جو انہوں نے عاشور کے دن فرمائے، تو ہم پائیں گے کہ ان میں جگہ جگہ اسلام اور دین کے ساتھ عشق و محبت کی بات ہے۔ امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں:

''کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور باطل کو روکا نہیں جا رہا ہے''۔ (۷۰)

ایک دوسری جگہ پر فرماتے ہیں: ''میں اپنے نانا کے دین میں اصلاح کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے نہیں اٹھا ہوں''۔ (۷۱)

اور فرماتے ہیں: ''میرے قیام کا مقصد امر بمعروف اور نہی از منکر ہے''۔ (۷۲)

اور حضرتؑ فرماتے ہیں: ''اگر میرے جد کا دین میری شہادت کے بغیر بچ نہیں سکتا تو اے تلوارو! آؤ اور مجھ پر ٹوٹ پڑو''۔ (۷۳)

اپنے مکتب اور دین سے محبت رکھنے والا اس کے تحفظ کے لئے جان کی بازی لگانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ ہم پیغمبر اسلام کی سوانح حیات میں پڑھتے ہیں کہ آپؐ نے نجران کے عیسائیوں سے طے فرمایا کہ مسلمان عیسائیوں پر لعنت بھیجیں اور عیسائی مسلمانوں پر لعنت بھیجیں اور جن کی دعا قبول ہوگی وہ گروہ حق پر اور نفرین شدہ گروہ باطل پر ہوگا۔ یہ واقعہ جو مباہلہ کے نام سے مشہور ہے قرآن مجید میں بھی ذکر ہوا ہے (۷۴)۔ پیغمبر اسلامؐ، حضرت فاطمہ زہراؑ، حضرت علیؑ اور امام حسنؑ

۷۰-الاترون ان الحق لا یعمل بہ (بحار، ج ۴۴، ص ۳۸۱ و ج ۷۸، ص ۱۱۶)

۷۱-وانما خرجت لطلب الاصلاح فی امة جدی (بحار، ج ۴۴، ص ۳۲۹)

۷۲-اریدان آمر بالمعروف وانھی عن المنکر... (بحار، ج ۴۴، ص ۳۲۹)

۷۳-ان کان دین محمد لم یستقم الا بقتلی فیاسیوف خذینی.

۷۴-آل عمران، ۶۱

اور امام حسینؑ کے ہمراہ ایک عظیم خطرہ (عیسائیوں کی نفرین) کے مقابلے میں میدان میں آئے اور یہ عمل اپنے مکتب سے عشق و محبت کے علاوہ کچھ اور نہیں تھا۔

ہمیں کم سے کم پر اکتفا کرنی چاہئے:

امر بمعروف اور نہی از منکر کے بارے میں ہمیں کم سے کم پر اکتفا کرنی چاہئے، اگر پہلا قدم کامیاب ہو گیا تو اگلا قدم اٹھانا چاہئے۔

پیغمبر اسلامؐ نے ابتدائی دنوں میں لوگوں سے صرف ایک جملہ بیان فرمایا ﴿قولوا لاالہ الاّاللہ تفلحوا﴾ ''کہو خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تا کہ کامیاب ہو جاؤ''۔

لیکن سخت قوانین جیسے روزہ، زکات اور جہاد کے احکام بعثت کے ۱۵ سال بعد نازل ہوئے۔

اگر ہم کسی کو نماز کی طرف دعوت دینا چاہیں تو ہمیں پہلے صرف واجبات سکھانے پر اکتفا کرنا چاہئے اور کچھ مدت گزرنے کے بعد رفتہ رفتہ مستحبات سکھانا چاہئے۔ اسلام نے تاکید کی ہے کہ امام جماعت ضعیف ترین افراد کا خیال رکھے اور نماز کو طول نہ دے۔ قرآن مجید میں پڑھتے ہیں: ''چونکہ خدا نے لوگوں کو ضعیف پایا لہٰذا اپنے قوانین کو ہلکا بنا دیا''۔ (۷۵)

قرآن مجید کے اندر عسر و حرج والے قوانین میں تخفیف دیدی گئی ہے۔

ایک واقعہ:

روایتوں میں آیا ہے کہ ایک عیسائی مسلمان بنا۔ اس کا مسلمان دوست سحر کے وقت اس عیسائی کے گھر گیا اور اس سے بولا: ''اس وقت شب کی نافلہ نماز پڑھنے کا وقت ہے''۔ اس نے اسے نیند سے بیدار کر کے نماز شب پڑھنے پر مجبور کیا۔ جوں ہی فجر کی اذان ہوئی، اس سے

۷۵۔ اَلْاٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفاً (انفال/۶۶)

کہا: ''اب فجر کی نماز کا وقت ہے''۔ اس کے بعد دونوں نے ظہر وعصر کی نمازیں پڑھیں۔ اس دوران وہ کہتا رہا: ''ہمیں سنت نمازوں، دعاؤں اور دیگر مستحبات سے غفلت نہ کرنی چاہئے۔ بہر حال اس مسلمان نے اس تازہ مسلمان کو اس طرح صبح سے شام تک نمازوں اور مستحبات میں مشغول رکھا کہ اس نومسلم نے دوسرے دن اس سے کہا: ''اگر اسلام یہی ہے تو میرے لئے عیسائی رہنا ہی بہتر ہے''۔

اسلام کے جمود کا ایک سبب اُسے برے طریقے پر پیش کرنا اور بے تجربہ لوگوں کے ذریعہ اسکی تبلیغ بھی ہے۔

اگر پیغمبر اسلامؐ پہلے ہی دن فرماتے: ''جو بھی مسلمان ہوا، خود کو جہاد وشہادت کے لئے آمادہ کرے، روزہ رکھے، خمس وزکات دیدے، تو کوئی آپؐ کے دین کو قبول نہ کرتا۔ حجاب کی طرف دعوت کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ واجب کی حد تک اکتفا کریں۔ اگر مسجدوں میں لمبی تقریروں اور طویل مستحبات کے بغیر واجبی نماز کی جماعت قائم ہو تو بے شک مسجدوں میں بھیڑ ہو گی۔

بعض علما اس غرض سے کہ دوسری نماز کے بعد لوگ بھاگ نہ جائیں دو نمازوں کے درمیان تقریریں کرتے ہیں، اور اس امر سے غافل ہیں کہ ان کی یہ تقریر نماز مین زیادہ لوگوں کی شرکت میں رکاوٹ بنتی ہے۔

منکر کا سراغ نہ لگانا چاہئے:

بعض افراد، لوگوں کے عیوب اور گناہوں کا سراغ لگانے کی غرض سے تجسس کرتے ہیں تاکہ اسے نہی کریں، جبکہ قرآن مجید نے واضح الفاظ میں تجسس کو حرام قرار دیا ہے۔(۷۶)

امام صادق علیہ السلام ایک خط میں نجاشی کو لکھتے ہیں: ''مؤمنوں کی لغزشوں اور غلطیوں کی ٹوہ

۷۶- وَلَا تَجَسَّسُوا (حجرات/۱۲)

اور جستجو میں نہ رہو جو کوئی ایسا کام انجام دے خدائے تعالیٰ آخرت کے علاوہ اسی دنیا میں اسے رسوا کر کے رکھدے گا۔(۷۷)

نہی ازمنکر، نہ حسد:

جو بھی امر بمعروف یا نہی ازمنکر یا تنقید کرنا چاہے، اسے یہ کام ہدایت وراہنمائی کی بنیاد پر انجام دینا چاہئے، نہ حسد وکینہ کے تحت۔ بہت سی عورتیں جن کے پاس زیورات نہیں، نہی ازمنکر کی صورت میں کہتی ہیں: فلاں خاتون نے خودنمائی کے لئے سونے کے یہ زیورات کیوں پہنے ہیں؟

یا جو مطالعہ کا عادی نہیں، کہتا ہے: ''فلاں شخص مطالعہ کے نتیجہ میں بالاخر پاگل ہوجائے گا''۔

یا بعض لاپروا افراد دوسروں پر وسواس کی تہمت لگاتے ہیں۔

بہرحال بعض اعتراضات اور تنقیدوں کی علت احساس کمتری اور حسد ہوتا ہے۔قرآن مجید فرماتا ہے: ''بعض افراد زکات کی تقسیم کے سلسلے میں آپ پر تنقید کرتے ہیں، لیکن اگر زکات کی کچھ مقدار خود ان کو دیدی جائے، تو راضی ہوجاتے ہیں اور تنقید نہیں کرتے، لیکن اگر کچھ انہیں نہ دیں گے تو غضبناک ہوجاتے ہیں''۔(۷۸)

یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ: ''کبھی تنقید اور اعتراض کا سرچشمہ شخصی، اقتصادی اور روحی مسائل ہوتے ہیں نہ کہ دینی و مذہبی''۔

تنقید، نہ انتقام:

بعض اوقات جب کسی شخص پر تنقید کی جاتی ہے اور وہ انتقام کی فکر میں لگتا ہے تو جوں ہی وہ

۷۷-لا تتبعوا عثرات المؤمنين فانّه من اتبع عثرة مؤمن اتبع الله عثراته يوم القيامة وفضحه فى جوف بيته. (مستدرک سفینہ ۷،ص۸۱)

۷۸-وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِى الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا(توبہ/۵۸)

کسی غلط کام کا مشاہدہ کرتا ہے، نہی کے بہانے انتقام لینے لگتا ہے۔

نہی از منکر، نہ مخالفت خوانی:

تنقید اور نہی از منکر کو پیشہ کی صورت اختیار نہ کرنا چاہئے۔ افسوس یہ ہے کہ آئے دن ہم اس امر کے شاہد ہیں کہ کچھ نام نہاد ترقی پسند افراد صرف اس کے پیچھے لگے ہیں کہ تقریروں اور اخباروں میں صرف مخالفت کریں، ان کی پارٹی اور گروہ کی بنیاد انہی مخالفتوں پر برقرار ہے، گویا اُن کی آنکھیں نیک کاموں کو دیکھتی ہی نہیں۔

امر بمعروف اور نہی از منکر کرنے والوں کے لئے چند ہدایات

۱- بصیرت و آگاہی:

امر بمعروف اور نہی از منکر کرنے والے کو معروف و منکر کو پہچاننا چاہئے اور اس کے طریقہ کار سے بھی آگاہ ہونا چاہئے۔ (۷۹)

۲- مصمّم ارادہ:

جو شخص امر بمعروف اور نہی از منکر جیسے اہم فریضہ کو انجام دینا چاہے، اسے اپنا کام لوگوں کے غضب اور صلح کی بنیاد پر منظم نہیں کرنا چاہئے۔ قرآن مجید فرماتا ہے: "امر بمعروف اور نہی از منکر کے لئے ایک مصمم عزم وارادے کی ضرورت ہے"۔ (۸۰)

ایک واقعہ:

قرآن مجید میں آیا ہے: "حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ بھوک کی حالت میں ایک علاقہ میں داخل ہوئے۔ اس شہر کے لوگوں نے ان دو پیغمبروں کو تھوڑی سی روٹی بھی کھانے کو نہ دی اس کے باوجود ان دو بزرگواروں نے اس شہر کی ایک گرتی ہوئی دیوار کی مرمت کردی۔ حقیقت میں

۷۹- اَدْعُوا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیرَۃٍ (یوسف/۱۰۸)

۸۰- اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (لقمان/۱۷)

لوگوں کی بے وفائی نے ان پر کوئی اثر نہ ڈالا''۔(۸۱)

۳- ہر کام خدا کے لئے ہونا چاہئے:

امر بمعروف کرنے والے کی تنقید، اس کے شخصی ذوق، سیاسی پارٹی، ذاتی کینہ وانتقام پر مبنی نہیں ہونی چاہئے۔قرآن مجید فرماتا ہے:''بعض تنقیدوں کا سرچشمہ شخصی مسائل ہیں''۔(۸۲)

اگر امر ونہی خدا کے لئے ہو اور خاندانی، طبقاتی، گروہی، نسلی اور لسانی مسائل کا اس میں عمل دخل نہ ہو تو با اثر ثابت ہوتی ہے، کیونکہ صاف بات دل پر اثر کرتی ہے، لیکن اگر بات دوسرے اغراض کے ساتھ ہو یا سننے والے کی روح سالم نہ ہو تو امر بمعروف اثر نہیں کرتا ہے۔

ایک یاد:

ھمام نامی ایک شخص نے امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام سے باتقویٰ افراد کی علامت اور اوصاف کے بارے میں سوال کیا۔امام علیہ السلام نے تھوڑا سا تائمل کیا۔لیکن ھمام نے اصرار کیا اور امام نے تقویٰ کی چند علامتیں بیان فرمائیں۔یہ سنتے ہی ھمام کی اچانک ایک چیخ نکلی اور وہ وہیں پر جاں بحق ہوگئے۔امام علیہ السلام نے فرمایا:''اخلاص پر مبنی موعظہ آمادہ دل پر ایسے ہی اثر کرتا ہے''۔(۸۳)

قرآن مجید نے متعدد جگہوں پر تاکید کی ہے کہ محبت ونفرت تمہیں حق کی حدود سے خارج نہ کرے۔اخلاص کی سرحد انتہائی نازک اور دقیق ہوتی ہے اور تھوڑی سی لغزش کے نتیجہ میں ہم دائرۂ اخلاص سے نکل کر شرک کے دائرہ میں پہنچ جاتے ہیں۔اخلاص کی علامت یہ ہے کہ کسی سے صلہ

۸۱-کہف،۷۷

۸۲-وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا (توبہ/۵۸)

۸۳-خطبہ ھمام در نہج البلاغہ

اورشکریہ کی توقع نہ رکھی جائے۔(۸۴)

اخلاص کی علامت یہ ہے کہ ہم ایسے راضی نہ ہوں کہ کسی کام کے عوض ہماری تعریف کی جائے۔ اخلاص کی علامت یہ ہے کہ ہمارے لئے کام کی نوعیت، کام کی جگہ، کام کا وقت وغیرہ اہمیت نہ رکھتے ہوں۔ وادی اخلاص میں تمام معیار اور روابط محو ہو جاتے ہیں اور صرف الٰہی اقدار باقی رہتے ہیں، لہٰذا:

قرآن مجید حضرت نوحؑ سے اس طرح مخاطب ہوتا ہے: ''کافر بیٹے کو غرق ہونا چاہئے!''

حضرت لوطؑ سے فرماتا ہے: ''تمہاری بیوی ہلاک ہونی چاہئے!''

پیغمبر اسلامؐ سے فرماتا ہے: ''تمہارے چچا، ابولہب کے ہاتھ کٹ جائیں!''

حضرت ابراھیمؑ سے کہتا ہے: ''تم اپنے بت پرست چچا کے لئے دعا کرنے کا حق نہیں رکھتے''

۴-وسیع القلبی اور قوی حوصلہ:

جوں ہی حضرت موسیٰؑ خدا کی طرف سے تبلیغ کے لئے مأمور ہوئے انہوں نے خدا سے وسعت قلب اور قوی حوصلہ کی درخواست کی۔ خدائے تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، لہٰذا حضرت موسیٰؑ ایک قوی حوصلہ کے ساتھ فرعون کی طرف گئے۔ حوصلہ کے بغیر امرونہی ممکن نہیں ہے۔ جوشخص امر بمعروف اور نہی از منکر کرتا ہے، حقیقت میں وہ لوگوں کی خواہشات کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے، قدرتی طور پر اسے بعض لوگوں کی طرف سے سردمہری اور بے مروتی کا سامنا ہوتا ہے۔ اگر امرونہی کرنے والا وسعت قلب نہ رکھتا ہو تو لوگوں کی طرف سے ایک دو بار سخت ردعمل کے نتیجہ میں فریضہ کی انجام دہی سے کنارہ کشی کرلے گا۔ قرآن مجید خدا کے نیک بندوں کی علامت اس طرح بیان فرماتا ہے: ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ناآگاہ لوگوں سے ان کا

۸۴-انّما نطعمکم لوجه اللہ لا نرید منکم جزآءً و لا شکوراً (انسان/۹)

آمنا سامنا ہوتا ہے تو ان کے پاس سے سلام اور صلح جوئی کی حالت میں گزرتے ہیں''۔(۸۵)

کیا انبیاء علیہم السلام پر دیوانہ(۸۶)، ساحر(۸۷)، بیوقوف(۸۸)، گمراہ(۸۹) اور برتری چاہنے والے جیسی تہمتیں نہیں لگائی جاتی تھیں؟

چونکہ حق کی دعوت اور امر بمعروف ونہی از منکر انبیاء علیہم السلام کا کام ہے اسلئے اس کام میں وہی مشکلات ہوں گی جن کا انبیا کو سامنا کرنا پڑا۔ انبیاء علیہم السلام تہمتوں کو صبر اور دوراندیشی کے ساتھ برداشت کرتے تھے، مثال کے طور پر جو انہیں کہتے تھے کہ: ''ہم تمہیں بیوقوف جانتے ہیں'' تو وہ جواب میں فرماتے تھے ﴿لیس بی سفاهة﴾(۹۰) ''مجھ میں بیوقوفی نہیں ہے'' یا گمراہی کی نسبت دینے کی صورت میں جواب دیتے تھے: ''لیس بی ضلالة'' (۹۱) ''مجھ میں گمراہی نہیں ہے''۔ صبر واستقامت ایک ایسی فرمائش ہے جو خدائے تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے کرتا ہے(۹۲)۔ بیہودگی سے چشم پوشی اور درگزر کرنا، مؤمنوں کے نمایاں اوصاف میں سے ہے۔(۹۳)

انبیائے کرام کو نہ صرف ناروا کلمات کا سامنا تھا بلکہ دھمکیوں، جلاوطنیوں، جسمانی اذیتوں

۸۵-وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا(فرقان/۶۳)

۸۶-اِنَّکَ لَمَجْنُونٌ(حجر/۶)

۸۷-اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ یُؤْثَرُ(مدثر/۲۴)

۸۸-اِنَّا لَنَرٰیکَ فِی سَفَاهَةٍ(اعراف/۶۶)

۸۹-اِنَّا لَنَرٰیکَ فِی ضَلَالٍ(اعراف/۶۰)

۹۰-اعراف/۶۷

۹۱-اعراف/۶۱

۹۲-شوریٰ/۱۵

۹۳-وَاِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا کِرَامًا(فرقان/۷۲)

اور قتل کا بھی سامنا کرنا پڑتا تھا۔(۹۴)

لیکن اگر انسان یہ چیز نظر میں رکھے کہ:

۱-ہم خدائے تعالی کے زیر نظر ہیں اور خدائے تعالیٰ ہر لمحہ ہمارے اعمال کو دیکھتا ہے اور ہم پر مہربان ہے۔(۹۵)

۲-کامیابی حق کے حامیوں کے لئے ہے۔(۹۶)

۳-کام جتنا مشکل ہو اس کا اجر بھی زیادہ ہوگا۔(۹۷)

۴-یہ وہ راستہ ہے جس پر تمام انبیاء و اولیاء چلے ہیں۔(۹۸)

تو اس کے لئے راستے آسان ہوں گے، حتیٰ وہ کسی بھی دھمکی اور ملامت سے خوف زدہ نہیں ہوگا۔(۹۹)

۵-خوش اخلاقی اور نرم دلی:

امر و نہی میں ہمیں لوگوں کے ساتھ نرم دلی سے پیش آنا چاہئے۔خدائے تعالےٰ اپنے پیغمبرؐ سے فرماتا ہے: ''تم لوگوں کے وکیل نہیں ہو،(۱۰۰) تم لوگوں پر مسلط نہیں کئے گئے ہو،(۱۰۱) تم لوگوں کے ایمان کے بارے میں زبردستی کرنے کا حق نہیں رکھتے ہو(۱۰۲) اور اکراہ کا حق بھی نہیں رکھتے

۹۴-اَخرِجُوهُم مِن قَريَتِكُم (اعراف/۸۲) .لَنَرجُمَنَّكُم وَ لَيَمَسَّنَّكُم مِنّا عَذابٌ اَليم (یٰس/۱۸)

۹۵-فَاِنَّكَ بِاَعيُنِنا (طور/۴۸)

۹۶-وَالعاقِبَةُ لِلمُتَّقِينَ (اعراف/۱۲۸)

۹۷-فَضَّلَ اللهُ المُجاهِدِينَ (نساء/۹۵)

۹۸-فَاصبِر كَما صَبَرَ اُولُوا العَزمِ مِنَ الرُّسُلِ (احقاف/۳۵)

۹۹-لا يَخافُونَ لَومَةَ لائِمٍ (مائدہ/۵۴)

۱۰۰-وَما اَنتَ عَلَيهِم بِوَكِيلٍ (انعام/۱۰۷)

۱۰۱-لَستَ عَلَيهِم بِمُصَيطِرٍ (غاشیہ/۲۲)

۱۰۲-ما اَنتَ عَلَيهِم بِجَبّارٍ (ق/۴۵)

ہو"(۱۰۳)امر بمعروف کرنے والا برائیوں کو نیکیوں سے دور کرتا ہے(۱۰۴)اسے انتقام لینے والا اور غیظ وغضب والا نہیں ہونا چاہئے(۱۰۵)۔لوگ بد اخلاق افراد سے دوری اختیار کرتے ہیں۔(۱۰۶)

ہمیں چاہئے کہ لوگوں کے منکرات اور ان کے بُرے کاموں کے مخالف ہوں نہ خود ان کے(۱۰۷)۔جہالت کے مخالف ہوں نہ کہ جاہل کے۔گناہگار کے ساتھ ہمارا برتاؤ طبیب کا بیمار کے جیسا ہونا چاہئے نہ کہ ایک انسان کا اس کے دشمن کے جیسا۔ہمیں گناہگار کی نیکیوں کی طرف بھی توجہ رکھنی چاہئے۔ممکن ہے ایک انسان کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے لیکن کچھ خوبیوں کا بھی مالک ہو۔اگر ہم پہلے اسکی خوبیوں کو بیان کریں اور وہ محسوس کرے کہ ہم اس کے دوست ہیں اور اس کے کمالات کے قدرداں ہیں اور یہ تذکر اس کے کمالات کو تقویت بخشنے میں اس کی حوصلہ افزائی ہے،تو بے شک ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔گناہگار کے ساتھ ملتے وقت ہمیں غرور و تکبر سے پیش نہیں آنا چاہئے،کیونکہ خدادوست لوگوں کی علامت،عمل میں ان کی انکساری ہے۔(۱۰۸)

بے شک لوگوں کے ساتھ انکساری اور فروتنی سے پیش آنا چاہئے۔ہم قرآن مجید میں پڑھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اپنے نبیؐ سے فرماتا ہے:"تم اپنے تواضع وانکساری کے پروں کو پھیلاؤ اور مؤمنوں کو ان پروں کے نیچے قرار دو"۔(۱۰۹)

معافی مانگنے پر لوگوں کی خطاؤں کو بخش دینا چاہئے،کیونکہ یہ تاریخ بشریت کے بہادروں کی

۱۰۳-اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ (یونس/۹۹)

۱۰۴-وَيَدْرَؤُنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ (رعد/۲۲)

۱۰۵-وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ (آل عمران/۱۳۴)

۱۰۶-لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران/۱۵۹)

۱۰۷-اِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِيْنَ (شعراء/۱۶۸)

۱۰۸-اَلَّذِينَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (فرقان/۶۳)

۱۰۹-وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (شعراء/۲۱۵)

علامت ہے۔ جوں ہی حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے معافی مانگی، آپؑ نے فرمایا:

''آج تمارے اوپر کوئی الزام نہیں ہے۔'' (۱۱۰)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فتح مکہ کے وقت ان لوگوں کے ساتھ، جنہوں نے آپ کو یا آپؐ کے ساتھیوں کو اذیتیں پہنچائی تھیں، رحم وکرم کا برتاؤ کیا اور عمومی معافی کا اعلان کیا۔ہمیں چاہئے کہ بعض امور میں حتیٰ اپنے ماتحت سے بھی عذرخواہی کریں۔ یہاں، میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفتار وکردار کی ایک اور مثال پیش کر رہا ہوں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ چیزیں لائی گئیں۔ آنحضرتؐ نے تقسیم کے وقت اندازہ لگایا کہ یہ چیزیں سب کو نہیں پہنچ سکتیں۔لہذا آپ نے انھیں ان لوگوں میں تقسیم کیا جو زیادہ محتاج تھے، لیکن باقی لوگوں سے مہربانی کے ساتھ عذرخواہی کی۔ (۱۱۱)

ممکن ہے جن لوگوں کی امر ونہی کی جاتی ہے، وہ شرمندگی اور ناکامی کا احساس کریں۔ یہاں پر اس شرمندگی اور ناکامی کے احساس کی تلافی کے طور پر مہربانی اور دعا سے بھرے چند کلمات کے ذریعہ ایسے افراد کے دل جیتے جا سکتے ہیں۔

۶-تمام پہلوؤں پر توجہ:

روایتوں میں ذکر ہوا ہے: وہی شخص خدا کے دین کی مدد کرسکتا ہے جو تمام جوانب پر تسلّط رکھتا ہو، ورنہ اکثر اس کا نقصان، فائدہ سے زیادہ ہے۔

ایک واقعہ:

کتاب ''الغدیر'' میں آیا ہے: ''ایک آدمی ایک شخص کے گھر کی دیوار پر چڑھا تا کہ یہ دیکھے

۱۱۰-لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (یوسف/۹۲)

۱۱۱-فخاف رسول الله صلى الله عليه واله ان يكون قد دخل قلوب الاخرين شيء فخرج اليهم فقال معذرةً الى الله (بحار/۱۶،ص۲۶۹)

اس گھر کے افراد کیا کرتے ہیں۔ جوں ہی اس نے دیکھا کہ وہ شراب پینے میں مصروف ہیں، اس نے چھت سے ہی ان لوگوں کو نہی از منکر کرنا شروع کر دیا۔ گھر کے مالک نے جواب میں اُس سے کہا: میں نے صرف ایک منکر انجام دیا ہے اور وہ شراب پیتا ہے، لیکن تم تو کئی منکرات کے مرتکب ہوئے ہو جیسے: تجسس کرنا، اجازت کے بغیر لوگوں کے گھر میں داخل ہونا اور رعب و دہشت پھیلانا۔[۱۱۲]

ایک اور واقعہ:

ایک شخص نے کہا: میں نے حضرت امام محمد باقرؑ کو مدینہ کے اطراف میں کھیتی میں مصروف پایا۔ دل میں خیال آیا: فرزند پیغمبرؐ اس تپتی دھوپ میں کیوں دنیا کی فکر میں لگے ہیں؟

میں ان کے پاس گیا تا کہ اپنے خیال کے مطابق نہی از منکر کروں۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''حلال روزی کمانا اور کھیتی کرنا بہترین عبادت ہے اگر اسی حالت میں مجھے موت آجائے تو میں بہترین حالت میں اس دنیا سے جاؤں گا''۔ (۱۱۳)

ہم کبھی بزرگوں کی تصویروں کو نامناسب جگہ پر نصب کرتے ہیں۔ یا خراب تحریر میں دیواروں پر خوبصورت نعرے لکھتے ہیں۔ یا بس ٹکٹوں پر، جو عموماً پھاڑ دی جاتی ہیں، آیتیں اور روایتیں لکھتے ہیں، اور مسجدوں کے لاؤڈ سپیکروں سے لوگوں کو اذیتیں پہنچاتے ہیں۔ یا صفائی کے دوران وسواس کا شکار ہوتے ہیں۔ یا تربیت کے خیال سے اپنے بچے کی پٹائی کرتے ہیں۔ یا آبرومندی کے خیال سے اسراف سے دوچار ہوتے ہیں۔ یا سخاوت کے خیال سے فضول خرچی کرتے ہیں۔ یا نہی از منکر کے خیال سے گناہگار کی بے احترامی کرتے ہیں اور اس کی عزت و آبرو برباد کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنے طرز عمل پر تھوڑا سا غور کریں تو ہمیں ہزاروں ایسے نمونے ملیں گے جو

۱۱۲- الغدیر، ج ۶، ص ۱۲۱

۱۱۳- بحار، ج ۴۶، ص ۲۸۷

طریقہ کار سے ہماری لاعلمی کی دلیل ہیں۔

ایک واقعہ:

حضرت علی علیہ السلام نے ایک شخص کے لئے اچھے کھجور کی ایک خاصی مقدار بھیجی۔ ایک شخص نے نہی ازمنکر کے خیال سے کہا: ''اس شخص کے لئے اس قدر کھجور زیادہ ہیں۔ اس کے علاوہ اس نے آپ سے کھجور مانگے بھی نہیں ہیں، لہٰذا بہتر ہے یا آپ اس کو کھجور نہ بھیجیں یا اس سے کم دیں''۔

حضرتؑ نے سخت لہجہ میں فرمایا: ''خدا تجھ جیسے لوگوں میں اضافہ نہ کرے، ہم مؤمنین کے لئے خدا سے بہشت کی درخواست تو کرتے ہیں، لیکن انھیں تھوڑے سے کھجور دینے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ میں اسے بخش رہا ہوں لیکن تمہیں یہ دیکھنا بھی برداشت نہیں ہوتا۔ اگر میں انتظار کروں تا کہ جب وہ مجھ سے مانگے تب اسے دوں تو یہ میرا بخشنا میرے پاس اس کی گروی شدہ عزت وآبرو کی اُجرت ہوگا''۔(۱۱۴)

ایک اورواقعہ:

میں ایک دن ایک بوڑھے کے گھر مہمان تھا۔ اس بوڑھے کے تین جوان بیٹے اسلامی محاذ پر شہید ہوئے تھے۔ میں تہ خانے میں وضو کرنے گیا، وہ بوڑھا تولیہ لے کر میرے پیچھے آیا۔ میں نے کہا: ''حدیث ہے کہ اگر وضو کا پانی خشک نہ کیا جائے تو اس کا تیس گنا ثواب ہے''۔

بوڑھے نے کہا: ''کیا ایسی کوئی حدیث نہیں ہے کہ اگر ایک بوڑھا، تین شہید بیٹوں کا باپ اتنی سی سیڑھیاں اتر کر تولیہ لے آئے تو اس کا دل نہ توڑنا چاہئے؟''

مجھے یہ سن کر ایک جھٹکا لگا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ حق پر ہے اور مُجھے اس حدیث کو بیان کرنے کی منزل میں دوسرے حالات کی بھی رعایت کرنی چاہئے۔ بے شک یک طرفہ فکر کرنا اور

۱۱۴۔ بحار، ج ۴۱، ص ۳۶

تمام جوانب پر توجہ نہ کرنا بعض مصیبتوں اور پریشانیوں کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

۷۔ اپنے آپ کو ہرگز بہتر نہ جاننا چاہئے:

امر بمعروف اور نہی از منکر کرنے والے کو ہرگز اپنے آپ کو بہتر اور با فضیلت نہیں جاننا چاہئے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''جو بھی اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر جانے وہ مغرور ہے''۔ مخاطب نے تعجب کے ساتھ امامؑ سے اس امر کی دلیل پوچھی۔ امامؑ نے جواب میں فرمایا: ''اگر ہم آج کسی بدکار سے بہتر ہیں لیکن معلوم نہیں کل ہماری حالت کیا ہوگی؟!''

اس کے بعد امام علیہ السلام نے لوگوں کی وضاحت کے لئے قرآن مجید سے ایک مثال پیش کرتے ہوئے فرمایا: ''فرعون نے جن جادوگروں کو حضرت موسیٰؑ سے مقابلہ کرنے کے لئے لالچ اور دھمکیوں کے ذریعہ تمام شہروں سے جمع کیا تھا، وہ حضرت موسیٰؑ کا معجزہ دیکھتے ہی حضرت موسیٰ کے خدا پر ایمان لے آئے اور انہوں نے فرعون کی دھمکیوں کی پروانہ کی۔ یہ جادوگر صبح کے وقت کافر اور فرعون کے حامی تھے لیکن اسی دن غروب کو موسیٰؑ کے خدا پر ایمان لائے اور فرعون کے حکم سے شہید کئے گئے''۔

بے شک ممکن ہے آج کچھ لوگ گمراہ ہو جائیں یا کوئی برا کام انجام دیں، جس کی وجہ سے انھیں امر بمعروف اور نہی از منکر کرنا ہی فریضہ بنتا ہو۔ لیکن چونکہ ہم اپنے اور اُن کے انجام کار سے آگاہ نہیں ہیں لہٰذا اپنے فریضہ پر عمل کرنے کے علاوہ گمراہ اور بدکار کو ہمیشہ کے لئے فاسد اور اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے مؤمن نہ جاننا چاہئے۔

تاریخ میں آیا ہے: امام حسین علیہ السلام نے ایک شخص کے لئے خط لکھا کہ: ''تم میرے نانا رسول خداؐ کے صحابی ہو اور تم نے جنگوں میں بڑی فداکاریاں دکھائی ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ کے بعد میرے والد کے دوست اور اُن کے بعد میرے بھائی امام حسن علیہ السلام کے دوست رہے ہو۔ جنگوں میں تمہارے مجاہدانہ کارنامے درخشاں ہیں۔ اس وقت میں کربلا جارہا ہوں۔ کیا اچھا

ہوتا کہ تم میری مدد کے لئے کربلا آتے!''

اس نے جواب میں لکھا: ''میں تھک چکا ہوں اور جنگ کی ہمت نہیں رکھتا''

اس طرح اس نے زندگی کے آخری ایام میں امامؑ کو تنہا چھوڑ دیا۔ امامؑ کی شہادت کے بعد وہ رو کے کہتا تھا: ''جس نے اپنی پوری عمر محاذ جنگ پر گزاری کس طرح آخری امتحان الٰہی میں فیل ہو گیا؟

حضرت علی علیہ السلام، نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں: ''اے خدا کے بندے! دوسرے کی عیب جوئی میں اس کے گناہوں کی وجہ سے جلد بازی نہ کر! ممکن ہے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اپنے چھوٹے سے چھوٹے گناہ کے ارتکاب پر خود کو محفوظ نہ سمجھ، کیونکہ ممکن ہے تو اسی کے سبب عذاب الٰہی سے دوچار ہو جائے۔'' (۱۱۵)

ایک واقعہ:

شہید محراب حضرت آیت اللہ مدنی نے غیر مسلم خاندان کے ایک نوجوان کی ہدایت کی۔ وہ مسلمان ہوا۔ اس کے بعد آیت اللہ شہید مدنی نے اس پر کام کیا یہاں تک کہ وہ جوان دینی طالب علم بن گیا اور اس نے حوزہ علمیہ قم اور نجف میں دینی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد ایران آیا اسلام اور انقلاب کی دفاع کے لئے جنگ میں شرکت کی اور شہادت کے درجہ پر فائز ہوا۔ اس قسم کی مثالیں تاریخ میں کم نہیں ہیں۔ ہم ایسے افراد کو جانتے ہیں کہ پوری عمر اپنے آپ کو دین دار اور مذہبی جتلاتے رہے، لیکن بعض حوادثات کے نتیجہ میں اپنی راہ کو بدل دیتے ہیں اور لاپروایا مذہب کے مخالف بن جاتے ہیں۔

۱۱۵-یاعبداللہ لاتعجل فی عیب احد بذنبہ فلعلّہ مغفور لہ ولا تأمن علی نفسک صغیر معصیۃ فلعلک معذّب علیہ (خطبہ۱۴۰، فیض الاسلام)

ایک دلچسپ مثال:

امر بمعروف اور نہی از منکر کرنے والے کی مثال ایک طبیب کے جیسی ہے جو مریض کا علاج کرتا ہے۔ ممکن ہے یہ مریض صحت یاب ہو جائے اور سالہا سال زندہ رہے، لیکن خود طبیب ایک حادثہ میں چل بسے۔ اس لحاظ سے امر بمعروف اور نہی از منکر کا فریضہ انجام دینا اپنے لئے احساس برتری و نیک انجام اور دوسروں کے لئے بدبختی کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

۸- نہی از منکر فوراً انجام پانا چاہئے:

حدیث میں آیا ہے: ''کسی حرام کام کو دیکھ کر ایک مؤمن کی پلک تب تک نہیں جھپکتی جب تک اس میں تغیر پیدا نہ کر لے۔'' (۱۱۶)

جن اصولوں کی رعایت کرنی چاہئے:

۱- منکر کو جاننے کے لئے جستجو نہ کریں! اگر کوئی جرم ظاہر ہوا تو اسے نہی کریں، لیکن ہمیں یہ حق نہیں ہے کہ جرم کے سلسلہ میں جستجو کریں۔

۲- امر و نہی کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے کہ جیسے ہم امر و نہی کر رہے ہیں دوسروں کو اس پر طعنہ زنی کا موقع فراہم ہو جائے۔ (یعنی ہمیں ایسے افراد کے سامنے اسے امر و نہی نہیں کرنا چاہئے جو گناہگار کے ساتھ کسی خاص قسم کا حسد رکھتے ہوں کہ ہماری نہی ان کے لئے ایک بہانہ بن جائے اور وہ اس گناہگار کی مذمت کریں۔)

۳- افراد کی حیثیت کو مد نظر رکھنا، مثال کے طور پر جو مخفی طور سے گناہ انجام دیتا ہو اس کی کھلم کھلا نہی نہ کریں۔

۴- اگر یہ احتمال دیں کہ مجرم اپنے جرم کے سلسلے میں کسی قسم کی توجیہ و منطق رکھتا ہے اور اس

۱۱۶- لاتحل لعین مؤمنة ترى الله يعصى فتطرف حتى يغيره.

کا جُرم ہمارے اوپر ثابت نہیں ہوا ہے، تو اس صورت میں امرونہی کا اقدام نہیں کرنا چاہئے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص کسی امام کی شہادت کی تاریخ سے آگاہ نہیں ہے اور اسی روز اس نے شادی کی تقریب برپا کرر کھی ہے۔

۵- اپنی حیثیت کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔

۶- ایک فرد کو امرونہی کرنا نظام حکومت کو کمزور کرنے کا سبب نہ بنے۔ (بعض اوقات ایک فرد کو امرونہی کرنا خصوصی حالات کے پیش نظر نظام حکومت پر تنقید ہوتی ہے)

۷- گناہ سے لڑلیں نہ گناہگار سے۔

۸- خود کو دوسروں پر برتر شمار نہ کریں۔

۹- حمل بر صحت (صحیح ہونے) کے اصول کو نہ بھولنا چاہئے۔

۱۰- زمان ومکان کے حالات کو مدنظر رکھیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اگر کسی مسلمان نے کوئی جرم کیا ہو اور تم نے اسے کفار کی سرزمین میں پایا تو وہاں اُسے سزا نہ دو۔ شاید تمہارے اس عمل سے وہ کفار سے جا ملے گا۔ (۱۱۷)

چند انتباہ!

چونکہ مکّار شیطان تاریخ کے برابر عمر، تجربہ اور شیطنت کا مالک ہے لہٰذا کبھی وہ منکر کو انجام دینے کے لئے معروف اور نیک راہ سے انسان کو آمادہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر:

۱- انسانی روح کو معمولی کاموں کی طرف مائل کرتا ہے تاکہ روح کی ظرفیت پر کردے، اور پھر اہم کاموں کے لئے فرصت باقی نہ رہے۔

۲- انسان کو ایسے نیک کاموں کی انجام دہی پر آمادہ کرتا ہے جو فوراً آسیب ونقصان سے دوچار ہوسکتے ہوں، یعنی ان کے انجام دینے سے آسانی کے ساتھ غرور، تکبّر اور شہرت کا شکار

۱۱۷- وسائل، ۱۸، ۳۱۸

ہو جائے۔

۳-انسان کو اس قدر نیک کام انجام دینے پر آمادہ کرتا ہے تا کہ روح کو عبادت سے متنفر کر دے اور پھر روح عبادت کو بالکل ترک کرے۔

۴-انسان کو ایک ایسی راہ پر گامزن کرتا ہے کہ وہ حق کو بیان کرنے کے قالب میں اپنی ذات کو پیش کرتا ہے۔

۵-کبھی اس کی عبادی حیثیت کو ابھارتا ہے تا کہ اس کی سیاسی حیثیت گھٹ جائے۔

حضرت علی علیہ السلام نے کمیل سے فرمایا:

''اے کمیل! خدا کی قسم میں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ شیطان بعض افراد کو، زنا، شراب نوشی، سودخواری اور جوا جیسے گناہان کبیرہ انجام دینے پر آمادہ کرتا ہے۔ اس کے بعد (ان کے دینی ضمیر کو مطمئن کرنے کے لئے) اُن کو مشکل اور بھاری عبادتوں جیسی خضوع وخشوع سے بھرے رکوع وسجود کا عاشق بنا دیتا ہے۔ اس کے بعد انھیں گمراہ رہبروں کی اطاعت کرنے پر مجبور کر دیتا ہے''۔(۱۱۸)

۶-زمان کا خیال رکھنا: حضرت علی علیہ السلام کے ایک صحابی کو سانپ نے ڈس لیا۔ حضرت نے اس سے فرمایا: ''جانتے ہو کہ سانپ نے کیوں تمھیں ڈس لیا؟''

اس نے جواب میں کہا: ''نہیں''۔

حضرتؑ نے فرمایا: تمھیں یاد ہے کہ ایک مرتبہ قنبر ایک ظالم کے پاس گئے تھے اور تم نے میرے احترام میں قنبر کا احترام کیا تھا، اس کے لئے کھڑے ہوئے تھے اور اس کی تعریف وتمجید کی

۱۱۸-یا کمیل اقسم باللہ لسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ یقول ان الشیطان اذا حمل قوما علی الفواحش مثل الزنا،وشرب الخمر، و الربا، وما اشبہ ذلک...حبّب الیھم العبادۃ الشدیدۃ والخشوع والرکوع و الخضوع والسجود ثم حملھم ولایۃ الائمۃ الذین یدعون الی النار (بحار ج ۷۷،ص ۲۷۴)

تھی؟ ظالم نے تم سے پوچھا تھا: تم میرے سامنے علیؑ کے غلام کا احترام کرتے ہو؟! تم نے جواب میں کہا تھا: کیوں نہ اٹھوں جبکہ خدا کے فرشتے ان کے احترام میں اپنے پر پھیلاتے ہیں۔ ظالم نے جب علیؑ کے غلام کے لئے اتنی تعریفیں سنیں اس کا بغض و کینہ بڑھ گیا اور اس نے قنبر کو آزار و اذیت پہنچائی۔ تمہاری وقت ناشناسی کی سزا یہ ہے کہ تمہیں سانپ نے ڈس لیا۔ (۱۱۹)

اس قضیہ میں، سانپ کا ڈسا ہوا شخص اپنی زعم و خیال میں ایک معروف عمل انجام دے رہا تھا، لیکن یہ ایسا معروف تھا جس میں ایک منکر پوشیدہ تھا۔ کتنے ایسے اعمال ہم سے سرزد ہوتے ہیں اور ہمارے خیال میں وہ معروف ہیں، لیکن زمان و مکان کے حالات پر توجہ نہ کرنے کی وجہ سے حقیقت میں وہ معروف یعنی نیک کام نہیں رہ جاتے۔ آج ہی جبکہ میں یہ باتیں تحریر کررہا تھا، بازار کے مؤمنین کا ایک گروہ میرے پاس آیا اور بازار کے امام جماعت کے بارے میں شکایت کی کہ وہ ظہر و عصر کی نماز میں نافلہ نمازیں پڑھنے کی وجہ سے طول دے دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ نماز جماعت میں شرکت نہیں کرتے۔ یہ محترم امام جماعت اپنے خیال میں نوافل پڑھتے ہیں لیکن یہ ایک ایسا معروف ہے جو بہت سے لوگوں کو نماز جماعت میں شرکت کرنے سے روک دیتا ہے۔

۱۱۹۔ سفینۃ البحار، جلد ۱، صفحہ ۵۹۲، بہ نقل از سخن و سخنوری فلسفی، ص ۱۸۸

کہاں سے شروع کریں؟

۱- اپنے آپ سے:

ظاہر ہے کہ ہماری بات کا اسی وقت اثر ہوگا جب ہم خود منکر میں گرفتار نہ ہوں اور جس چیز کی تاکید کرتے ہوں، پہلے خود اس پر عمل کر چکے ہوں تاکہ خود قرآن مجید کی سخت تنقید کا نشانہ نہ بنیں۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے: ''اے ایمان لانے والو! جو کچھ کہتے ہو اس پر خود عمل کیوں نہیں کرتے؟'' (۱۲۰)

ایک اور جگہ پر فرماتا ہے: ''کیا تم لوگوں کو نیکی کی سفارش کرتے ہو جبکہ اپنے آپ کو فراموش کر دیتے ہو؟'' (۱۲۱)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''جب تک میں کسی کام کو خود انجام نہ دوں، تب تک اس کی کسی اور کو تاکید نہیں کرتا اور جب تک کسی کام سے خود اجتناب نہ کروں کسی کو اس سے منع نہیں کرتا''۔ (۱۲۲)

بے شک آئینہ تب ہی بدصورتی اور خوبصورتی کو دکھا سکتا ہے جب خود صاف اور گرد و غبار

۱۲۰- لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (صف/۲)

۱۲۱- اَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (بقرہ/۴۴)

۱۲۲- ولا انہا کم عن معصیة الا و اتناھی قبلکم عنھا (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۵)

سے پاک ہو۔لیکن خود عمل کامیابی کا راز تو ہے وجوب کا راز نہیں ہے۔(۱۲۳)

۲-خاندان سے:

ظاہری بات ہے کہ اپنی اور اپنے خاندان کی اصلاح معاشرے کی اصلاح پر مقدم ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:"اے پیغمبر! پہلے اپنی بیٹیوں اور بیویوں کو ہدایت کرو اس کے بعد دوسری خواتین کو"۔(۱۲۴)

ایک دوسری جگہ پر بیان ہوا ہے:"اے مؤمنین! خود کو اور اپنے خاندان کو جہنم کی آگ سے بچاؤ!"[۱۲۵] قرآن مجید ایک نبی کی تعریف میں فرماتا ہے:"وہ اپنے خاندان اور اعزہ کو نماز کی تاکید فرماتے تھے"۔(۱۲۶)

عاشور کے دن حضرت امام حسین علیہ السلام نے سب سے پہلے حضرت علی اکبرؑ کو محاذ جنگ پر بھیجا اس کے بعد دوسرے جوانوں کو۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اولاد کے بارے میں خصوصی حقوق بیان فرمائے ہیں۔قرآن مجید نے اپنے خاندان سے ہمدردی رکھنے والوں کی تعریف کی ہے۔(۱۲۷)

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب تک اپنے خاندان والوں کی اصلاح نہ ہو جائے دوسروں کی اصلاح کے لئے اقدام نہ کیا جائے، کیونکہ بعض اوقات بیوی بچے ہدایت کی صلاحیت

۱۲۳-یعنی کوئی اس بہانے سے کہ میں خود نیک وصالح نہیں ہوں اسلئے امر بمعروف اور نہی از منکر مجھ پر واجب نہیں ہے، کہکر اپنی ذمہ داری سے فرار نہیں کر سکتا ہے۔

۱۲۴-یا اَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِکَ وَبَنَاتِکَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ(احزاب/۵۹)

۱۲۵-یا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا قُوا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَاراً(تحریم/۶)

۱۲۶-وَ کَانَ یَاْمُرُ اَھْلَہُ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکَاۃِ(مریم/۵۵)

۱۲۷-اِنَّا کُنَّا قَبْلُ فِی اَھْلِنَا مُشْفِقِیْنَ(طور/۲۶)

نہیں رکھتے، لیکن دوسرے لوگ حق بات کو قبول کر لیتے ہیں۔ اس کی مثال حضرت نوحؑ (۱۲۸) کا بیٹا اور حضرت لوطؑ کی بیوی ہے۔

خاندان کی اصلاح سماج کے اصلاح کا سنگ بنیاد ہے کیونکہ سماج مختلف خاندانوں سے ہی تشکیل پاتا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی بعثت کی آغاز میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت دینے کا حکم ملا تھا۔ (۱۲۹)

عظیم شخصیتوں کی بہت سی کامیابیوں کا بڑا راز یہ تھا کہ ان کی بیویوں اور رشتہ داروں نے ان کے ساتھ ہمفکری و تعاون کیا اور ہاتھ بٹایا تھا۔

روایتوں میں آیا ہے کہ: ''یہ کامیابی کی نشانیوں میں سے ہے، اگر کسی کا بیٹا اس کا ہاتھ بٹانے والا اور معاون ہو''۔ (۱۳۰)

بے شک، نسل انسان کی اصلاح صرف امر و نہی سے نہیں ہوتی۔ جنھیں صالح اولاد کی فکر ہو، انھیں چاہئے کہ ابتداء سے ہی شریک حیات کے انتخاب، حلال رزق حاصل کرنے اور معلم کے انتخاب میں توجہ دیں اور بنیادی قدم اٹھائیں۔

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''میں نے سنا ہے کہ بازار میں، نامحرم مرد تمہاری عورتوں کو دھکا دیتے ہیں۔ کیا تم لوگوں کو شرم نہیں آتی؟ جو غیرت نہ دکھائے خدا اس پر لعنت کرے''۔ (۱۳۱)

۱۲۸- اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ (ھود/۴۶)

۱۲۹- وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (شعراء/۲۱۴)

۱۳۰- من سعادة الرجل ان يكون له ولد يستعين بهم (فروع کافی، ج۶، ص۲)

۱۳۱- حدیث میں ایسے مرد کو ''دیوث'' کا لقب دیا گیا ہے (بحار، ج۱۰۰، ص۲۴۹)

۳-نئی نسل سے:

اگر امر بمعروف اور نہی از منکر کو نئی نسل سے شروع کریں تو زیادہ کامیاب ہوں گے۔ یہ حقیقت تجربہ کی محتاج نہیں ہے، بلکہ آیات اور معصومینؑ کی روایات اس کو واضح انداز میں بیان کرتی ہیں۔ ہم یہاں اس کے چند نمونے ذکر کرتے ہیں:

۱-فرعون کے زمانے میں، حضرت موسیٰ کا صرف نئی نسل نے ساتھ دیا۔(۱۳۲)

۲-پیغمبر اسلامؐ سے کفار کی ناراضگی کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرتؐ نے جوانوں کو اپنی طرف جذب کیا تھا۔(۱۳۳)

۳-حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:''نوجوانوں کی روح صاف وخالی کھیت کی مانند ہے اور نوجوانوں کی تربیت ثابت اور پائیدار ہوتی ہے''۔(۱۳۴)

۴-روایتوں میں ذکر ہوا ہے: **علیک بالاحداث فانّھم اسرع الی کل خیر**: نئی نسل پر توجہ کرو، کیونکہ وہ اور لوگوں کی نسبت نیکی کی طرف جلدی مائل ہوتے ہیں۔(۱۳۵)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''جوانوں نے میری موافقت کی اور بوڑھوں نے میری مخالفت کی۔''(۱۳۶)

۴-ہمسایوں سے:

اپنی اور اپنے رشتہ داروں کی اصلاح کے بعد ہمسایوں کی اصلاح کی باری آتی ہے۔ رسول

۱۳۲-فَمَا آمَنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِنْ قَوْمِهِ(یونس،۸۳)

۱۳۳- افسد شبّاننا(بحار ج۶ جلد ۱۸، ص۱۸۴)

۱۳۴- انّما قلب الحدث کالارض الخالیۃ(نہج البلاغہ، نامہ ۳۱)

۱۳۵-وسائل، ج۱۱،ص۴۴۸

۱۳۶-وافقنی الشبان وخالفنی الشیوخ(جوان، ج۲،ص۴۴۸)

خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''لوگ اپنے ہمسایوں کی تربیت کیوں نہیں کرتے؟ وعظ ونصیحت کیوں نہیں کرتے؟ امر بمعروف اور نہی از منکر کیوں نہیں کرتے؟ اور ہمسائے تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے لئے حاضر کیوں نہیں ہوتے؟''

اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا: ''میں ایسے لاپروا ہمسایوں کو سزا دوں گا''۔ (۱۳۷)

بڑے شہروں کی مصیبت یہ ہے کہ زندگی مشینی ہوگئی، عمومی مراکز تشکیل پائے اور ہمسائیگی کے نظام کا رنگ پھیکا بلکہ بالکل نابود ہوگیا۔ اس سے غافل کہ اگر ہمسائے ایک دوسرے کی فکر میں ہوتے، تو ایک دوسرے کی سیکڑوں مشکلات حل ہو جاتیں۔ اگر ایک ان پڑھ ہمسایہ ایک تعلیم یافتہ ہمسایہ کے پاس روزانہ آدھا گھنٹہ حاضر ہوکر تعلیم حاصل کرتا، تو حکومتیں جو بڑی رقومات تعلیم بالغان پر خرچ کرتی ہیں، ان کی بچت ہوتی اور ان رقومات سے ہزاروں بے گھر لوگوں کے لئے گھر تعمیر کیے جاسکتے تھے۔

بے شک، اگر ہمسائے ایک دوسرے کی خوشی وغم اور سفر وحضر میں ایک دوسرے کے ہمدرد اور مددگار ہوتے، تو بہت سے سماجی مسائل حل ہو جاتے۔

ایک مثال کی طرف توجہ فرمایئے:

ایک محلّے کی ایک خاتون، جس کے کام کا مرکز دفتر، ہسپتال یا مدرسہ ہے، اپنے بچے کے لئے گوناگوں مشکلات سے دوچار ہوتی ہے، من جملہ:

۱- صبح سویرے بچے کو زبردستی نیند سے بیدار کرنا۔

۲- سردیوں اور گرمیوں میں اس بچے کو برف وباران کے خطرات کے باوجود گود میں لے چلنا۔

۳- دیر سے دفتر پہنچنا۔

۴- بچہ کی نگہبانی کے مرکز کے اخراجات برداشت کرنا۔

۱۳۷- کنز العمال، ج ۳، ص ۶۸۴

جبکہ اسی خاتون کی ہمسائیگی میں ممکن ہے کوئی بے اولاد بوڑھی عورت موجود ہو اور جو ہمسایہ کے بچے کی رکھوالی کرنے پر آمادہ ہو، تاکہ اس کی ماں آرام کے ساتھ وقت پر ہسپتال پہنچ جائے۔ اور ایک بیمار کو موت سے نجات دے۔ یا مدرسہ جائے اور کسی پریشانی کے بغیر بچوں کو پڑھا سکے۔ یہی برکتیں دوسرے مشغلوں میں بھی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک ڈاکٹر روزانہ محلّہ کی مسجد میں آ کر محلے کے غریب اور محتاج مریضوں کا علاج کرتا ہے۔ حقیقت میں یہ طبیب اپنے اس عمل سے مسجد کو رونق بخشتا ہے، اپنے انسانی جذبہ کو تقویت بخشتا ہے، محتاجوں کی مدد کرتا ہے، لوگوں میں محبوبیت پیدا کرتا ہے۔ ان حالات میں اگر کبھی اس ڈاکٹر کو کسی مدد کی ضرورت پڑے تو لوگ دل و جان سے اس کی مدد کریں گے اور کہیں سفر پر چلا گیا تو اس کے گھر کی رکھوالی کریں گے۔

اگر یہ روابط خدا کے لئے ہوں اور صحیح منصوبہ بندی کے تحت مسجد کو مرکز بنا کر انجام پائیں تو یہ عمل کتنا لذت بخش ہوگا اور سب کے لئے کتنا خوش آیند ہوگا۔

بے شک علماء کی مدد سے دین سے بے خبر افراد کو باخبر بنایا جا سکتا ہے۔ اگر لوگوں کو امانت کے طور پر کتابیں دی جائیں تو عام لوگوں کے کندھوں سے کتابیں خریدنے کا بوجھ ہلکا ہو سکتا ہے۔ بڑے مکانوں اور گھر کے ساز و سامان کو لوگوں کے اختیار میں دینے سے شادی بیاہ جیسے کار خیر کے لئے بڑے ریسٹورانٹوں اور برتنوں کے کرایہ کا بوجھ ہلکا ہو سکتا ہے۔ افسوس! کہ ہم بعض اسلامی احکام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے کروڑوں روپیہ اور اپنی عمر کے لاکھوں گھنٹے ضائع کر دیتے ہیں۔ اسلامی جمہوریہ ایران کے ایک وزیر صحت نے کہا تھا: ''ہم ماں کے دودھ کے سلسلے میں صحیح اور برحق تبلیغ اور دودھ پلانے والی ماؤں کو روایات اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بچے کو اپنا دودھ پلانے کی طرف متوجہ کر کے بیت المال کے دسیوں لاکھ ڈالر بچانے میں کامیاب ہوئے ہیں، جن سے بیرونی ممالک سے خشک دودھ خریدا جاتا تھا، اور اس طرح دور افتادہ اور پسماندہ علاقوں میں ساز و سامان سے لیس ہسپتالوں کو بڑھاوا دینے میں کامیاب ہو سکے ہیں''۔

جہاں حکومت کو اقدام کرنا چاہئے

انفرادی برائیوں کی نہی، افراد انجام دیتے ہیں اور خاندانی برائیوں کو خاندان والے روکتے ہیں۔ لیکن کبھی برے کام سماج میں وسیع پیمانے پر پھیلتے ہیں، ایسے حالات میں حکومت کے بغیر نہی از منکر ممکن نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ایک حکومت عوام پر ظلم کرتی ہے اور عوام اور حکومت کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں۔ یہاں پر اگر صلح، موعظہ اور آگاہی کارآمد ثابت نہ ہو تو اسلامی ملکوں کو اقدام کرنا چاہئے اور صلح کرانی چاہئے۔ اگر ظالم نے صلح کی کوششوں کو ماننے سے انکار کردیا، تو مسلحانہ اقدام کے ذریعہ اسے شکست دینی چاہئے۔ یہ شکست اتنی مضبوط اور پائدار ہونی چاہئے کہ حکم خدا کے سامنے ظالم سر تسلیم خم کردے اور دوبارہ ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہ کرسکے۔ (۱۳۸)

حکومت کے فرائض صرف اتنے ہی نہیں، بلکہ اسے چاہئے کہ انفرادی طور امر و نہی کرنے والوں کی بھی حمایت کرے، کیونکہ اگر گمراہ اور بدکار لوگ یہ جان لیں کہ امر و نہی کرنے والوں کی حکومت بھی پشت پناہی کرتی ہے تو وہ جلدی اور بہتر صورت میں بُرے کاموں سے ہاتھ کھینچ لیں گے۔

حکومت اور عوام کا تعاون ہمیشہ ثمر بخش رہا ہے اور ان میں سے کوئی ایک اکیلے ہی مکمل

۱۳۸- وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ (حجرات/۹)

کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔ لہذا اسلام کے نورانی احکام کو نافذ کرنے کے لئے اسلامی حکومت کا وجود اور عمل میں آنا ضروری ہے، ورنہ بہت سے ایسے احکام، جن کے نفاذ کے لئے حکومت کی ضرورت ہے، نافذ نہ ہوسکیں گے۔ یہاں پر معلوم ہوتا ہے کہ ولایت فقیہ احکام الٰہی کے نفاذ کے لئے بلاشبہ ایک ضروری امر ہے۔

ماحول کو پاک بنانا:

معروف کے رواج اور منکرات کی روک تھام اور معاشرے کے ماحول کو پاک کرنے کے سلسلہ میں حکومت، میونسپلٹی نیز سرکاری و نیم سرکاری ادارے کلیدی رول ادا کرسکتے ہیں۔ معاشرہ اور ماحول، افراد کے فکری اور اخلاقی میلانات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہم اس سلسلہ میں یہاں قرآن مجید سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

۱- بنی اسرائیل کی تاریخ میں ملتا ہے: ''جوں ہی وہ لوگ حضرت موسیٰ کے معجزہ کے ذریعہ دریائے نیل سے گزرے، ایک بت پرست جماعت کو دیکھ کر متاثر ہوگئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ان کے لئے بھی ایک بت بنائیں تاکہ وہ اس کے گرد پرستش کریں'' (۱۳۹)

۲- حضرت موسیٰ نے سامری سے کہا: ''خدا کی قسم میں تیرے اس طلائی گوسالے کو جلا کر اس کی راکھ کو دریا میں بہادوں گا'' (۱۴۰)

۳- حضرت ابراہیمؑ اکیلے ہی ایک کلہاڑی لیکر بت خانہ میں داخل ہوئے اور تمام بتوں کو توڑنے کے بعد کلہاڑی کو بڑے بت کی گردن میں لٹکا دیا۔ (۱۴۱)

۴- مسجد ضرار کا واقعہ: مدینہ منورہ میں مسجد النبیؐ کے ہوتے ہوئے، منافقین نے ایک اور مسجد

۱۳۹- فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَعْکُفُوْنَ عَلٰی اَصْنَامٍ لَهُمْ قَالُوْا یَامُوْسَی اجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ (اعراف/۱۳۸)

۱۴۰- ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِی الْیَمِّ نَسْفًا (طٰہٰ/۹۷)

۱۴۱- فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا (انبیا/۵۸)

تعمیر کی تا کہ اس مسجد کے بہانے اپنے حامیوں کو منظم کر کے بیرونی دشمنوں سے رابطہ قائم کریں۔ انہوں نے اس مسجد کو باقاعدہ تسلیم کرانے کے لئے پیغمبر اسلام کو دعوت دی تا کہ آپؐ اس مسجد میں ایک نماز جماعت کی امامت فرمائیں۔ آنحضرتؐ اُن دنوں جنگ تبوک کی تیاریوں میں مصروف تھے، اسلئے ان کو مثبت جواب نہ دیا۔ جب آنحضرتؐ جنگ تبوک سے لوٹے تو لوگوں کو منافقین کی تعمیر کردہ مسجد کو منہدم کرنے کے لئے جمع کیا۔ اس واقعہ کا قرآن مجید مین ذکر ہوا ہے۔

مندرجہ بالا چار مثالیں جو قرآن مجید سے میں نے بیان کیں، ان سے یہ نتیجہ لیا جا سکتا ہے کہ نہی از منکر کو نافذ کرنے کے لئے سب سے پہلے بُرائی اور بُرائی پھیلانے والوں کے اڈوں کو نابود کیا جانا چاہئے۔ کیونکہ دوسری صورت میں نہی از منکر علّت کے بجائے معلول سے لڑنے کے مانند ہوگا۔ امر بمعروف اور نہی از منکر کا احیاء کرنے والے نظام اور حکومت کو سب سے پہلے ماحول کو صاف ستھرا بنانے کے لئے اقدامات کرنے چاہئیں۔ منجملہ:

۱- آسان طریقے پر شادی بیاہ کی عملی تبلیغ اور جوانوں کو شادی کے لئے قرض الحسنہ کی سہولیات فراہم کرنا۔

۲- تمام تعلیمی اداروں، پارکوں، عمومی مراکز، ہسپتالوں حتیٰ سرکاری دفاتر میں (حتی الامکان) مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ مراکز کا اہتمام کرنا تا کہ عورتیں سادہ لباس میں کام انجام دے سکیں اور مردوں کی طرف سے بھی کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔

۳- اخلاقی لحاظ سے پست، گمراہ کن اور فساد پھیلانے والی فلموں، کیسٹوں اور کتابوں کی نشر واشاعت پر پابندی لگانا۔ خاص کر بعض گمراہ کن کمپنیوں، اڈوں اور لباس کی دکانوں کو بند کرنا۔

۴- افراد کے انتخاب پر خاص توجہ دینا، تا کہ دشمنوں کے ایجنٹ اور بُرائی پھیلانے والے اپنے افکار کی نشو نما کا موقع نہ پائیں۔ الحمدللہ، اس قسم کے بعض اقدامات اسلامی جمہوریہ ایران کے سائے میں انجام پائے ہیں، اُمید ہے انشاء اللہ یہ کام تکمیل کو پہنچے۔

۵- چونکہ شرم وحیا بہت سے گناہوں کے لئے رکاوٹ اور بے حیائی بہت سی بُرائیوں کے لئے زمین ہموار کرتی ہے، اسلئے نظام کے ذمہ داروں کو چاہئے کہ معاشرے کے تانے بانے میں شرم وحیا کے اصول کو مدنظر رکھیں، تاکہ بدکرداروں کو سماج میں پنپنے کی جگہ نہ مل سکے۔

اس کے علاوہ حکومت کسی کو ایسی عمارتیں تعمیر کرنے کی اجازت نہ دے جن میں رہنے والے لوگ طبیعی طور سے شرم وحیا کا لحاظ نہیں رکھ سکتے۔ بے شک جن عمارتوں میں کوئی شخص اپنے گھر کے اندر سے ہمسایہ کے گھر کے اندرونی حصے کو آسانی کے ساتھ دیکھ سکتا ہو وہاں شرم وحیا باقی نہیں رہ سکتی۔

۶- ایک باتقویٰ منتظم کے لئے انتظامی امور کے اصول میں سے ایک اصل یہ ہے کہ وہ لڑکیوں اور لڑکوں کے عجائب گھر، تجربہ گاہوں اور نمایشگاہوں میں آنے جانے کے نظام الاوقات پر خاص توجہ رکھے۔

۷- جوانوں کے فرصت کے اوقات پُر کرنے کے لئے منصوبہ بنانا۔ یہ ایک ایسا کام ہے جو ماحول سالم بنانے اور بُرائی کو روکنے کے لئے کلیدی رول ادا کرسکتا ہے۔

۸- تیراکی کے لباس کو ایسے ڈیزائن میں سلوایا جاسکتا ہے کہ سادگی اور ہلکے پن کے ساتھ ساتھ تنگ اور چھوٹا بھی نہ ہو۔ یہاں پر ایک حدیث نقل کررہا ہوں:

امام حسنؑ اور امام حسینؑ جب چھوٹے بچے تھے، ایک دن لمبی شلوار پہن کر دریائے فرات میں اتر گئے۔ ایک شخص نے ان سے کہا: ''آپ دونوں کا لباس خراب ہوگیا ہے''۔

انہوں نے جواب میں فرمایا: ''دین وحیاء کے خراب ہونے سے بہتر ہے کہ لباس خراب ہوجائے''۔ (۱۴۲)

۹- اسلام نے سماجی ماحول کو صاف وستھرا بنانے کے لئے، دستکاری؟ بچوں کی تربیت اور گھر

۱۴۲-فساد الازارين احب الينا من فساد الدين (بحار ۴۳، ص ۳۲۰)

کا داخلی انتظام خواتین کے ذمہ رکھا ہے اور کافی حد تک عورت کو گھر کے پرسکون ماحول میں کارآمد کاموں کی ذمہ داری سونپ کر بلاوجہ اور شوہر کی نظروں سے دور گھر سے باہر جانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ البتہ جہاں کہیں جانا ضروری ہو وہاں عورت کو گھر سے نکلنے کی اجازت دی گئی ہے، منجملہ شوہر کے بغیر مکہ مکرمہ جانا۔

جو چیز ماحول کو مکدّر بناتی ہے وہ بے مقصد ادھر ادھر گھومنا پھرنا ہے، ورنہ اسلام نے عورت کو مظاہروں اور انتخابات میں شرکت کرنے، اقتصادی اور سیاسی امور میں آزادی، بڑی سے بڑی علمی کانفرنسوں میں شرکت کرنے اور فنی، علمی اور تربیتی موضوعات پر مقالات لکھنے کی اجازت دی ہے۔ قرآن مجید نے ہم کو تاریخ کے مثالی مردوں کے مانند تاریخ کی مثالی عورتوں کے بارے میں بھی جاننے کی تاکید فرمائی ہے۔ (۱۴۳)

قرآن مجید نے جس طرح بعض مردوں کی نام لیکر تعریفیں کی ہیں اور انھیں دوسروں کے لئے نمونہ عمل قرار دیا ہے، اسی طرح فرعون کی بیوی کو تاریخ کے تمام اہل ایمان کے لئے نمونہ عمل قرار دیا ہے۔ قرآن مجید نی فرعون کی بیوی کو نمونہ عمل قرار دیکر دنیا پر یہ ثابت کردیا ہے کہ عورت، مرد کے زیر اثر نہیں ہے، بلکہ اپنے شوہر کی گمراہیوں کے برخلاف فکری آزادی کی مالک ہوسکتی ہے۔ اگر چہ عورت اپنے شوہر کے گھر میں اس کے دسترخوان پر ہوتی ہے لیکن اقتصادی ضرورتیں اس کی شخصیت پر اثر انداز نہیں ہوسکتیں۔ فرعون کی روٹی کھاتی ہے لیکن اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔ انسان، مالیاتی، اقتصادی اور سیاسی جبر کو ختم کرسکتا ہے، چاہے وہ فرعون کے گھر میں بھی ہو، لیکن اس سب کے باوجود جس قدر مرد اور عورت کا اکٹھا ہونا کم تر ہو ماحول صحیح اور سلامتی سے نزدیک ہوتا ہے اور منکرات کے پھیلاؤ کا میدان تنگ تر ہوتا جاتا ہے۔

۱۰- رکاوٹوں کو ہٹانا: بدقسمتی سے نیک کام انجام دینے کی راہ میں اتنی رکاوٹیں ہیں کہ عام

۱۴۳- جس طرح مرد نمونہ اور مثال بن سکتا ہے، اسی طرح قرآن مجید نے فرعون کی بیوی کو تاریخ بشر کی مثالی خاتون قرار دیا ہے۔

لوگوں کے لئے نیک کام انجام دینا مشکل اور بعض اوقات ناممکن بن جاتا ہے۔ توجہ کے لئے کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

الف- اگر نئی پود کے امتحانات کے دنوں میں، پُرکشش فلمیں دکھائی جائیں اور طالب علموں کی فکر کو یہ فلمیں مشغول کر دیں تو امتحانات میں ناکامی کے سوا کوئی اور نتیجہ نہیں نکلے گا۔ یہ فلمیں نیک کام اور تعلیم کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں، اس لئے حکومت کو ایسی فلموں کے بارے میں ایک صحیح اور درست نظام الاوقات مرتب کرنا چاہئے۔

ب- اگر شادی بیاہ کی شرائط کو اس قدر مشکل اور بھاری بنادیں کہ جوان وقت پر شادی نہ کر سکیں تو یہ شرائط معروف کے لئے رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ یہ کام بھی حکومت کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

ج- اگر نماز کے اوّل وقت پر اساتذہ پڑھانا شروع کریں باورچی خانہ کے ذمہ دار کھانا دینا شروع کریں، ٹیلی ویژن فلمیں دکھانا شروع کرے اور خریدار دوکان پر جائے، تو یقیناً یہ پروگرام سب سے بڑے معروف (نماز) کے لئے رکاوٹ بن سکتے ہیں۔

د- اگر نامناسب اور فیشنی لباس فراوان اور سستے لیکن مناسب اور سادہ لباس نایاب اور مہنگے ہوں، تو یہ معروف کے لئے رکاوٹ ہے۔

ھ- بہت سے پیچیدہ قوانین اور دفتری کاغذبازی... رکاوٹ میں شمار ہوتے ہیں۔

و- اگر ایک لڑکی کو ہائی سکول میں پڑھائی جاری رکھنے سے اسلئے روک دیا جائے کہ اس نے شادی کی ہے تو یہ معروف کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔

ز- اگر ایک ڈرائیور کسی سڑک پر پڑے شخص کو علاج ومعالجہ کے لئے ہسپتال پہنچائے، اور اس ڈرائیور کو گرفتار کرلیا جائے تو یہ معروف کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

ح- اگر مفید کتابوں کو بیرونی ممالک بھیجنے کے لئے زیادہ کرایہ لیا جائے تو یہ معروف کی راہ

میں رکاوٹ ہے۔

ط- اگر ہم بلاوجہ اپنے ماتحت پر اس طرح ناک بھوں چڑھائیں کہ وہ ہم سے ڈرے اور سچ کے بجائے ہم سے جھوٹ کہے تو ہم معروف میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

ی- اگر نماز جماعت کے طولانی ہونے کی وجہ سے بعض لوگ مسجد نہ آئیں تو یہ معروف کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

ک- اگر بے جا توقعات کی بنا پر لڑکے لڑکی کی شادی میں رکاوٹ پیدا کی جائے اور انہیں ریاکاری، قرض لینے کی بنا پر شادی میں تاخیر کے لئے مجبور کیا جائے، جیسے کہیں کہ: ''چونکہ ہمارے فلاں رشتہ دار کا انتقال ہوگیا ہے، اسلئے شادی کی تقریب فلاں تاریخ تک ملتوی ہوجانی چاہئے''۔ یہ سب معروف کی راہ میں رکاوٹیں ہیں۔

عملی تدابیر

مشینی اور برقی زندگی نے بہت سے کاموں کو سرعت و تیزی بخش دی ہے اور لوگوں کے پاس عموماً کافی فرصت ہے۔ اگر ان فرصت کے اوقات اور دنوں کے لئے درست تدبیر اور صحیح فکر نہ کی جائے، تو گمراہی کے میدان ہموار ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ یہاں مندرجہ ذیل چند اچھی اور تعمیری تدابیر قابل ذکر ہیں:

۱- علمی، فنی اور صنعتی نمائش گاہوں کا قیام اور ان مراکز کی مفید اور تعمیری نمائش۔

۲- کھیل کود اور علمی مقابلوں کا قیام۔

۳- غیر ملکی زبان، کمپیوٹر، تیراکی، خوشنویسی اور مضمون نویسی وغیرہ جیسے امور کی تربیت اور ان میں تنوع پیدا کرنا۔

۴- ایسے کارخانوں کا قیام عمل میں لانا، جن میں لوگوں کے فالتو وقت سے استفادہ کر کے پیداوار میں اضافہ کے علاوہ کام کرنے والوں کو نفع پہنچایا جا سکے۔

۵- مختلف عمر کے لوگوں کے لئے مختلف معیاروں پر مشتمل مختلف نوعیت کی کتابوں کی اشاعت اور کتاب خانوں کو وسعت دینا۔

۶- مساجد کو اچھے پروگرام منعقد کر کے، وقت پر نماز قائم کر کے اور صفائی کی رعائت کے لحاظ سے رونق بخشنا۔

۷- مفید فلموں کی نمائش۔

۸-فن وہنر کی تربیت۔

۹-قصہ اور داستان گوئی کی ثقافت کو ترقی دینا۔

۱۰-ضخیم اور مفصل کتابوں کو خلاصہ کی صورت میں سلیس زبان اور مختلف سائزوں میں مناسب اور مختلف قیمتوں کے کاغذ پر طبع کر کے شائع کرنا۔

۱۱-اپنے علاقہ سے مربوط قابل فخر ہستیوں کا تعارف یا ان کے بارہ مین آگاہی حاصل کرنا۔

۱۲-فوجی مشقوں کی تقریبات میں شرکت کرنا اور ان کا مشاہدہ کرنا۔

۱۳-پیدل چلنے کی تبلیغ کرنا اور اسے رائج کرنا، کیونکہ یہ بہترین، عام اور سب سے سستی ورزش ہے اور آسانی کے ساتھ ہر شخص کے لئے ہر جگہ پر ممکن ہے۔

یہاں پر آپ بھی اپنے نقطہ نظر کا اضافہ کرسکتے ہیں۔عملی تدابیر کے لئے ہر وزارت خانہ ایک بجٹ کو مدنظر رکھتے ہوئے شرعی وقانونی مسائل کے تحت اپنے ملازموں کے بچوں کے خالی اوقات کو پُر کرنے کے لئے مختلف پروگرام مرتب کرسکتا ہے۔

امر بمعروف اور نہی از منکر کے سلسلے میں حکومت کے فرائض ان ہی چند نمونوں تک محدود نہیں ہیں۔حکومت کا فرض بنتا ہے کہ سیاسی واجتماعی نیکیوں کا احیاء کرے اور اقتصادی واجتماعی منکرات کو روکے۔

مندرجہ ذیل چند نمونوں پر توجہ فرمایئے:

-قیمتوں کو کنٹرول میں رکھنا اور بازار میں ہرج ومرج پیدا نہ ہونے دینا۔

-فرضی دلّالوں کو روکنا، کیونکہ یہ چیزیں مہنگی ہونے کا سبب ہوتے ہیں۔

-تجارتی معاہدوں کی نگرانی اور معاہدوں کے اسناد مرتب کرنے میں ممکنہ ناجائز فائدہ اٹھائے جانے کی روک تھام۔

-چیزوں کی منصفانہ تقسیم پر توجہ رکھنا، بیت المال کی حفاظت اور اس کے لئے امین ترین افراد کی تلاش اور انتخاب کرنا۔

-روٹی پکانے والی دکانوں کی مکمل نگرانی کرنا، کیونکہ اس کے بغیر ممکن ہے روٹی کی بڑی مقدار ضائع ہو جائے۔

-قدرتی منابع سے بہترین انداز میں فائدہ اٹھانا۔

-بے روزگاروں کے لئے مناسب کام مہیا کرنا اور سادہ مزدوروں کو تربیت دینا تاکہ قدرتی اور ٹیکنیکل منابع سے بہتر فائدہ اٹھایا جا سکے، کیونکہ مشغلہ سب سے بڑا معروف اور بیکاری مختلف منکرات کا پیش خیمہ ہے۔

-عام لوگوں کے لئے ایسے مقامات پر رفت و آمد کے وسائل فراہم کرنا جہاں لوگوں کو فکری سکون اور بالیدگی حاصل ہوتی ہو۔

-چوراہوں اور سڑکوں کے نام ان شخصیات سے منسوب کرنا جن کا نام تاریخ میں زندہ رہنا چاہئے۔

-تن پرور بھکاریوں پر پابندی لگانا۔

-جمعیت والے ٹھکانوں پر نماز ادا کرنے کے لئے مناسب جگہ کا قیام عمل میں لانا۔

-تمام سرکاری مراکز سے اذان نشر کرنا۔

-ملازموں کے لئے وعظ و نصیحت کے جلسے منعقد کرنا، اچھی کارکردگی کے سلسلے میں یاد دہانی کراتے رہنا اور کامل نگرانی کرنا۔ کارکنوں کے روحی حالات پر توجہ کرنا، اور گمراہیوں، منفی مقابلہ بازی، بے جا غرور اور پارٹی بازی پر روک لگانا۔

-گمراہ افراد کی حوصلہ شکنی اور صحیح و سالم افکار و عادات کی حوصلہ افزائی، اور مختلف طریقوں سے لوگوں کی عمومی آگاہی کی سطح کو بلند کرنا۔

-آبادکاری، طبی اور خدماتی منصوبوں اور ہر طرح کے پروجیکٹوں سے متعلق تمام جدوجہد کو الٰہی، معنوی اور ثقافتی رخ دینا۔

-لوگوں کے آب وخاک، ناموس اور ثروت سے ظالموں کے غاصبانہ قبضہ کو ہٹانا، اور ان سے شدت کے ساتھ نمٹنا۔

- ہر قسم کی سیاسی سازش اور بدنیتی سے نظام کو بچانے کے لئے اس کے اندر نگران اور ناظرین معین کرنا۔

-اعلیٰ عہدہ داروں کا نماز جماعت کی پہلی صف میں حاضر ہونا، بذات خود حکومت کے عہدہ داروں کی ایک ذمہ داری ہے اور یہ معروف کو زندہ کرنے کا ایک وسیلہ ہے۔

-ملک کے مختلف مقامات پر مختصر اور بہترین عبادتوں اور نصیحتوں پر مشتمل خوبصورت سائن بورڈوں کو نصب کرنا۔

-اچھے افراد کی حوصلہ افزائی کرنا اور بُرے افراد کی تنبیہ کرنا۔

-حساس اور اہم عہدوں پر لائق اور ماہر مؤمنوں کو تعینات کرنا اور نالائق افراد کو ایسے عہدوں سے برطرف کرنا۔

اور اسی طرح کے سیکڑوں نمونے حکومت کی ذمہ داری کے طور پر بیان کئے جاسکتے ہیں۔

خصوصی گروہ

اگر چہ امر بمعروف اور نہی از منکر تمام مؤمن مردوں اور عورتوں پر واجب ہے، لیکن بعض گروہوں سے یہ چیز زیادہ چاہی گئی ہے:

۱-انبیاء:

انبیاءؑ کے فرائض میں امر بمعروف اور نہی از منکر بھی ہے۔ (۱۴۴)

قرآن مجید نے انبیاء کا سب سے پہلا فریضہ امر بمعروف اور نہی از منکر جانا ہے:

﴿یأمرھم بالمعروف و ینھا ھم عن المنکر﴾ (۱۴۵) اس کے بعد دیگر مسائل کو بیان کیا ہے، چونکہ سب سے پہلا معروف یکتا پرستی اور سب سے پہلا منکر طاغوت پرستی ہے:

﴿أن اعبدوا اللہ و أجتنبوا الطاغوت﴾ (۱۴۶)

۲-ائمہ معصومینؑ:

امام حسین علیہ السلام اپنے بھائی محمد حنفیہ سے، عراق کی طرف نہ جانے کی ان کی تجویز کے جواب میں فرمایا: ''میں امر بمعروف اور نہی از منکر کرنا چاہتا ہوں تا کہ اپنے نانا رسول خداؐ کے نقش

۱۴۴-وَأمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (اعراف/۱۹۹)

۱۴۵-اعراف/۱۵۷

۱۴۶-نحل/۳۶

قدم پر لوگوں کو چلاؤں"۔(۱۴۷)

۳-علماء اور دانشور:

قرآن مجید کا ارشاد ہے:" علماء لوگوں کو حرام کھانے اور حرام باتیں کرنے سے کیوں نہیں روکتے؟"(۱۴۸)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

گزشتہ زمانے میں قوموں کی ہلاکت کا سبب یہ ہوتا تھا کہ کچھ لوگ گناہ کرتے تھے اور علماء خاموش تماشائی بن کر رہتے تھے: **ولم ینههم الربانیون و الاحبار**(۱۴۹)

قرآن مجید فرماتا ہے:" معاشرے کے عقلمند اور معروف شخصیتیں لوگوں کو بُرے کاموں سے کیوں نہیں روکتیں؟"(۱۵۰)

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ایک بیان میں ارشاد فرمایا ہے:" خدائے تعالیٰ نے تم علماء سے مطالبہ کیا ہے ظالم کی پرخوری اور مظلوم کی فاقہ کشی کے سلسلہ میں شرم کریں"۔(۱۵۱)

اگر بدعت (اور کوئی منکر) پیدا ہو، تو علماء پر واجب ہے کہ اپنے علم کو ظاہر کریں ورنہ ان پر خدا کی لعنت ہو"۔

امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں:" خدائے تعالیٰ نے احمقوں کو گناہ کے سبب اور عاقل و دانا لوگوں کو نہی از منکر کو ترک کرنے کی وجہ سے اپنی رحمت سے محروم کیا ہے"۔(۱۵۲)

۱۴۷-ارید ان آمر بالمعروف ونهی عن المنکر واسیر بسیرة جدی...(بحار، ج۴۴، ص۳۲۹)

۱۴۸-لَوْلا يَنْهاهُمُ الرَّبّانِيُّونَ وَ الْاَحْبارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ(مائدہ/۶۳)

۱۴۹-نہج البلاغہ

۱۵۰-فَلَوْ لا كانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسادِ(ہود/۱۱۶)

۱۵۱-نہج البلاغہ، خطبہ۳

۱۵۲-صبحی صالح...لعن الله السفهاء لرکوب المعاصی والعلماء، لترک التناهی.(نہج البلاغہ،۱۹۲)

۴-حکومت کے ذمہ دار:

قرآن مجید کا ارشاد ہے: ''صالح افراد کی حکومت اور جن کو ہم نے طاقت اور وسائل عطا کئے ہیں، ان کی علامت یہ ہے کہ وہ زمین پر نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور امر بمعروف اور نہی از منکر کرتے ہیں''۔(۱۵۳)

بے شک، اسلامی حکومت کو امر بمعروف کرنے والوں کی حمایت میں کسی قسم کا تأمل نہیں کرنا چاہئے۔ حکومت کو چاہئے کہ تبلیغات اور ثقافتی، فنی، اقتصادی اور عسکری وسائل کے ذریعہ بُرائیوں کی روک تھام کرے اور بدکاری کے اڈوں کو بند کرے، مفسدین کو قرار واقعی سزا دے اور گناہ کو بڑھاوا دینے والے قوانین کو حذف کرے۔

۵-والدین:

قرآن مجید فرماتا ہے: ''اپنے نفس اور اپنے اہل کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے''۔(۱۵۴)

امامؑ سے سوال کیا گیا: ''ان کو آگ سے کیسے بچایا جائے؟''

آپؑ نے فرمایا: ''انھیں امر بمعروف اور نہی از منکر کرو''۔(۱۵۵)

۶-معاشرے کی معزّز شخصیتیں:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک خط میں اپنے دوستداروں کو مرقوم فرمایا:

۱۵۳-اَلَّذِينَ اِنْ مَكَّنَّا هُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ (حج/۴۱)

۱۵۴-قُوا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ (تحریم/۶)

۱۵۵-بحار ۷۹، ص ۷۴، تفسیر علی ابن ابراہیم، مذکورہ آیت کی ذیل میں۔

''تمہارے معاشرے کی بزرگ شخصیتیں، بوڑھے اور با اثر افراد، جاہ طلب جاہلوں کی نسبت محبت دکھائیں اور بے تجربہ لوگوں کی راہنمائی کریں ورنہ ان سب پر نفرین ولعنت ہوگی''۔ (۱۵۶)

امام صادق علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا: ''بلاشبہ تمہارے بے وقوفوں کا گناہ تمہارے علماء کے سر ہے۔ جب تم میں سے کوئی کسی بُرے کام کا مرتکب ہوتا ہے جس کی وجہ سے ہمیں اذیت وتکلیف پہنچتی ہے اور اس کا یہ عمل ہم کو لوگوں کے درمیان معیوب بناتا ہے، تم لوگ اس کے پاس جاکر اسے وعظ ونصیحت کیوں نہیں کرتے؟ جبکہ وہ یوں ہی اپنی بیہودگی کو جاری رکھتا ہے اور اپنے عمل سے سماج میں ہماری تحقیر کرتا ہے اور تم بھی خاموش رہتے ہو''۔

امام کے صحابی نے عرض کی: ''لوگ ہماری بات کو نہیں مانتے اور ہماری اطاعت نہیں کرتے''۔

امامؑ نے فرمایا: ''اگر تم نے کہا اور انہوں نے نہیں مانا تو تمہارا فریضہ اور کچھ ہے اور وہ یہ ہے کہ اُن سے رابطے توڑلو اور ان کی مجلسوں اور اجتماعات میں شرکت نہ کرو''۔ (۱۵۷)

پس علماء کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ بیوقوفوں کے پاس جائیں اور انہیں وعظ ونصیحت کریں اور اگر انہوں نے ماننے سے انکار کیا تو ان سے رابطہ توڑلیں۔ امامؑ کا شکوہ اس بات پر تھا کہ علماء اپنے فریضہ کے پہلے مرحلہ پر کیوں عمل نہیں کرتے؟

حدیث شریف میں بیان ہوا ہے:

خدائے تعالےٰ نے جبرئیلؑ کو وحی کی: ''فلاں علاقہ کے لوگوں کو ظلم کے مرتکب ہونے کے

۱۵۶-فروع کافی، جلد ۸، ص ۱۵۸، بہ نقل از میزان الحکمۃ

۱۵۷-لیحملن ذنوب سفهائکم علی علماءِ کم... فقد دخلنی من ذٰلک امر عظیم فقال علیه السلام نعم.. .اذابلغکم عن الرجل منکم ما تکرهونه مما یدخل به علینا الاذی والعیب عند الناس ان تأتوه فتؤنبوه وتعظوه و تقولوا له قولا بلیغا.فقلت له اذاً لایقبل منا و لا یطیعنا؟قال فقال: فاذاً فاهجروه عند ذٰلک واجتنبوا مجالسته. (بحار، جلد ۲، ص ۲۲)

سبب ہلاک کر ڈالو"۔ جبرئیلؑ نے خدا سے ایک زاہد کے لئے عفو و بخشش کی درخواست کی۔ خطاب ہوا: "اسے بھی ہلاک کر دو" جبرئیلؑ نے عابد کے ہلاک کرنے کا سبب پوچھا۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا: "میں نے اسے وسائل فراہم کئے اور لوگوں پر قدرت دی لیکن اس نے امر بمعروف اور نہی ازمنکر کی راہ میں اپنے وسائل اور اپنی طاقت سے استفادہ نہیں کیا۔ (۱۵۸)

اگر چہ امر بمعروف اور نہی ازمنکر ایک عمومی فریضہ ہے، لیکن اس کے لئے ایک خاص گروہ کی بھی ضرورت ہے جو اپنے امکانات و وسائل اور اپنی طاقت کے ذریعہ اس فریضہ پر عمل کرے اور عام لوگوں کی حمایت بھی کرے۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے: **ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأ مرون بالمعروف** (۱۵۹)

تم مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ ہونا چاہئے جو اس فریضہ پر عمل کرے۔ بالکل ایک گاڑی کی طرح جو مخالف سمت سے جارہی ہو تو دیگر تمام گاڑیوں کا فرض بنتا ہے کہ ہارن بجا کر اور لیمپ جلا کر اسے سمجھا دیں کہ وہ مخالف سمت میں جارہی ہے، اور پولیس کا بھی فرض ہے کہ وارننگ، جرمانہ اور طاقت کے ذریعہ ڈرائیور کو تنبیہ کرے۔

امر بمعروف اور نہی ازمنکر کے مراحل:

امر بمعروف اور نہی ازمنکر کے چند مراحل ہیں:

۱۔ قلبی مرحلہ: ہر مسلمان کو بُرے کام سے متنفر ہونا چاہئے اور اچھے کام کی تشویق اور حمایت کرنی چاہئے۔ یہ قلبی و دلی حمایت تمام حالات میں ضروری ہے۔

۱۵۸۔ مکّنت لہ و أقدرتہ فھو لا یأ مر بالمعروف ولا ینھی عن المنکر (وسائل، ج۱۱، ص۴۰۶)

۱۵۹۔ آل عمران/۱۰۴

۲-قولی مرحلہ: عام حالات میں زبان کے ذریعہ اس فریضہ کو ادا کرنا تمام لوگوں کا فرض ہے۔

۳-انقلابی ٹکراؤ کا مرحلہ: اس سلسلے میں سورہ حج کی آیت نمبر ۴۱ میں ارشاد ہوا ہے:

﴿الّذین ان مکّنا هم فی الارض اقاموا الصّلوٰة و آتوا الزکوٰة و امروا بالمعروف ونهوا عن المنکر﴾(۱۶۰)

''یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے زمین میں اختیار دیا تو انھوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی، نیکیوں کا حکم دیا اور برائیوں سے روکا''۔

اس آیت میں امر ونہی کا طاقت اور وسائل کے ذریعہ ذکر ہوا ہے ﴿مکّنا هم فی الارض﴾

۱۶۰-حج/۴۱

چوتھی فصل

امر بمعروف ونہی از منکر

کا

طریقۂ کار

طریقہ کار کی اہمیت

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''امر بمعروف کرنے والے کو اس کے طریقہ کار سے آگاہ ہونا چاہئے''۔(۱)

کسی کے گناہ کا مرتکب ہونے میں کوئی نہ کوئی سبب ہو سکتا ہے۔ جس طرح سر درد کے لئے ممکن ہے کئی ایک اسباب ہوں۔ مثال کے طور پر ممکن ہے ایک عورت کی بے حجابی کے مختلف دلائل اور وجوہات ہوں، من جملہ:

۱- وہ مسئلہ حجاب سے واقف نہیں ہے اور خیال کرتی ہے یہ کوئی عیب نہیں۔

۲- فلسفۂ حجاب اور بے راہ روی کے برے اثرات سے ناواقف ہے۔

۳- احساس کمتری کا شکار ہے اور اپنی شخصیت کو عیاں کرنا چاہتی ہے۔

۴- ہوا و ہوس اور نفسانی خواہشات پر عمل کرنا چاہتی ہے۔

۵- بے پردہ لوگوں کے درمیان اپنے آپ کو پیچھے نہیں رکھنا چاہتی ہے۔

۱- من امر بمعروف فلیکن امرہ ذلک بمعروف (کنز العمال حدیث ۵۵۲۳)

۶-اسکی ماں، بہن اور سہیلیاں بے پردہ ہیں۔

۷-حجاب مخالف پروپیگنڈوں نے اس پر اثر کیا ہے۔

۸-حجاب کے طرفدار نظام سے ٹکر لینا چاہتی ہے۔

۹-خیال کرتی ہے کہ بے حجابی میں ترقی اور نئی زندگی کے راز مضمر ہیں۔

۱۰-دوسروں سے الگ رہنا چاہتی ہے۔

۱۱-خیال کرتی ہے کہ بے پردگی ایک سادہ گناہ ہے اور اس سے کسی کو ضرر نہیں پہنچتا۔

بے پردہ لوگوں کو امر بمعروف کرنے والوں کو چاہئے پہلے مذکورہ بالا تمام عوامل کی تحقیق کر لیں اور ہر ایک مورد کے لئے ایک خاص طریقہ کار اختیار کریں۔

یہاں معلوم ہوتا ہے کہ امر بمعروف اور نہی از منکر ایک عام فریضہ کے علاوہ ایک مہارت کا کام بھی ہے اور اس سلسلے میں علمی، نفسیاتی، اجتماعی، تبلیغی اور فنی مہارت کی ضرورت ہے۔ امر بمعروف اور نہی از منکر کرنے والے سماج کے عالم ودانشور، مفکّر، مصلح اور ہمدرد افراد ہونے چاہئیں۔ اگر ہم نے مشاہدہ کیا کہ بعض اوقات نہی از منکر کرنے کا اثر نہیں ہوتا ہے تو ہمیں صرف بدکار کو ہی قصوروار نہیں ٹھرانا چاہئے، کیونکہ بعض اوقات مختلف دردوں کے لئے ایک ہی طریقہ کار مؤثر ثابت نہیں ہوتا جیسے مختلف بیماریوں کے لئے ایک ہی نسخہ کی تجویز شفا بخش نہیں ہوتی ہے۔

مناسب ہے یہاں پر ایسے لوگوں کے ساتھ برتاؤ کے تنوع کے بارے میں ایک دلچسپ حدیث نقل کروں:

قرآن مجید کا سورۂ بقرہ کی ۱۸۹ ویں آیت میں ارشاد ہے: ''نیکی یہ نہیں ہے کہ گھروں میں پچھواڑے کی طرف سے داخل ہو بلکہ نیکی تقویٰ اور یہ ہے کہ گھروں میں سیدھے دروازوں سے

داخل ہو''۔

یہ آیۂ شریفہ جہاں سفرِ حج میں احرام کی حالت میں پچھواڑے کی طرف سے گھر میں داخل ہونے کی خرافات کورد کرتی ہے، وہاں یہ بھی بیان کرتی ہے کہ ہر کام کے لئے ایک مناسب زمان، مکان، قائد اور طریقہ کار رہوا کرتا ہے اور کام کو انجام دیتے ہوئے حالات و شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔اب ہم چند دلچسپ روایتیں بیان کرتے ہیں:

۱-امام باقر علیہ السلام اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں:''گھروں میں ان کے اصلی دروازوں سے داخل ہو۔یعنی ہر کام کو اس کے اپنے خاص طریقے سے انجام دو۔(ہر بیماری کے لئے ایک خاص نسخے کی ضرورت ہوتی ہے۔اور ہر منکر کو روکنے کے لئے ایک خاص طریقہ کار اور برتاؤ کی ضرورت ہوتی ہے)

۲-امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:''جو بھی کسی کام کو اس کے واقعی طریقہ کار سے انجام دے وہ خطا کا مرتکب نہیں ہوتا، اگر خطا سے دوچار ہو بھی جائے تو حیلے اور شیطنتیں اسے ذلیل نہیں کر سکیں گے''۔(۲)

۳-امام جواد علیہ السلام نے فرمایا:''جو طریقۂ کار کو نہ جانتا ہو، اسے کام کے ناشناختہ ریشے مفلوج کر کے رکھ دیں گے''۔(۳)

ان احادیث کے بیان کا مقصد اور نتیجہ یہ ہے کہ ہر معروف اور منکر کے سلسلے میں اقدام کرنے کے لئے ہر شخص کو ہر زمان و مکان میں ایک خاص طریقۂ کار کو اپنانے کی ضرورت ہے کہ اگر اس کی رعایت نہ کی جائے تو ممکن ہے نتیجہ برعکس نکلے۔

حقیقت میں ہر کام کے لئے ایک طریقہ کار ہوتا ہے، ممکن ہے ایک کام کے لئے مختلف طریقہ

۲-من طلب الامر من وجهه لم یزلّ فان زلّ لم تخذله الحیلة. (الحیاۃ، صفحہ۳۳۹، نقل از الدرۃ الباہرۃ صفحہ۳۸و۴۰)

۳-من لم یعرف الموارد اعتیه المصادر.

کار ہوں۔ مثال کے طور پر ایک نیک کام جس کے بارے میں قرآن مجید اور احادیث میں بہت تاکید ہوئی ہے، لوگوں کی مدد اور انفاق کرنا ہے۔ قرآن مجید نے اس نیکی کو لوگوں میں رائج کرنے کے لئے مختلف اور گوناگوں طریقہ کار بیان فرمائے ہیں، من جملہ:

۱- ''دنیا کا سرمایہ بہت تھوڑا ہے(۴) اور تم انسان اور خدا کے جانشین ہو(۵)۔ حیف ہے کہ تم دنیا کے اسیر ہو جاؤ''(۶)۔ یہاں پر، قرآن مجید انسان کے مقام ومنزلت کو خلیفہ خدا کی حیثیت سے اور دنیا کو حقیر سرمایہ کے طور پر، تعارف کراتے ہوئے انسان کو انفاق کی ترغیب دیتا ہے۔

۲- ''اگر تم کسی مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرو گے تو تمہارے دیگر تمام اموال کی ضمانت ہو جائے گی، اس طرح تم گھاٹے میں نہیں ہو''۔(۷)

۳- ''اگر تم فقیروں کی مدد نہ کرو گے تو تمہارا مال نابود ہو جائے گا کیونکہ فقیروں کی آہ اور محروموں کے حملے تمہیں متزلزل کر کے رکھ دیں گے''۔(۸)

۴- اگر خدا کی راہ میں کوئی چیز دو گے تو خدائے تعالی اس کی تلافی کرے گا۔ اس کا وعدہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔(۹)

۵- جنھوں نے مدد نہ کی، وہ آب وخاک میں غرق ہو گئے۔ فرعون اور قارون کی تاریخ کا جائزہ لینے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے۔(۱۰)

۴- مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ (نساء/۷۷)

۵- اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيفَةً (بقرہ/۳۰)

۶- اَرَضِيتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (توبہ/۳۸)

۷- حصنوا اموالکم بالزکاة.

۸- اَنْفِقُوا... وَلَا تُلْقُوا بِاَيْدِيكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (بقرہ/۱۹۵) (البتہ یہ آیت جنگ کے بجٹ کی فراہمی اور مجاہدین کی مدد کے سلسلے میں ہے کہ اگر ان کی مدد نہ کی جائے تو مسلمان شکست کھائیں گے۔)

۹- ما اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ (سباء/۳۹)

۱۰- فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ (قصص/۸۱)

۶-بعض لوگوں نے آسانی کے ساتھ خدا کی راہ میں ایثار و قربانی پیش کی ہے(۱۱)۔تم کیوں پیچھے رہ گئے ہو؟ انسانوں کو کمال وعروج تک پہنچنے کے لئے آپس میں مقابلہ اور رقابت کرنی چاہئے۔

۷-راہ خدا میں خرچ کئے جانے والے مال کی مثال اس بیج کے ایک دانہ کی ہے، جسے زمین میں بویا جاتا ہے اور اس سے سات خوشے نکلتے ہیں کہ ہر خوشہ میں سو دانے ہوتے ہیں۔(۱۲)

۸-جس مال کی دنیا میں ذخیرہ اندوزی ہوتی ہے اور فقیروں کی مدد نہیں کی جاتی، اسے قیامت کے دن گرم کر کے سرمایہ دار کی پیشانی اور پہلو پر داغا جائے گا اور اس سے خطاب ہوگا: ''یہ وہی مال ہے جس کو تم نے دنیا میں بچا کر رکھا تھا۔(۱۳)

مندرجہ بالا تمام تعبیریں جو در حقیقت قرآنی تعبیریں ہیں، فقراء کی مدد کرنے کے لئے لوگوں کو آمادہ کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔

انسان کی قدر ومنزلت کو اہمیت دینا:

امر بمعروف اور نہی از منکر کے سلسلے میں انسان کی قدر ومنزلت اور اس کی حیثیت کو اہمیت دینا ایک کارآمد وسیلہ ہے۔

اگر انسان یہ جان لے کہ وہ خدائے تعالیٰ کا جانشین ہے(۱۴)، تو وہ ہرگز خدا کی مرضی کے خلاف کوئی کام انجام نہیں دے گا، یعنی قائمقام ہرگز صاحب منصب کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔

۱۱-وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ(حشر/۹)

۱۲-كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِى كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِاْئَةُ حَبَّةٍ(بقرہ/۲۶۱)

۱۳-فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ(توبہ/۳۵)

۱۴-اِنِّى جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً(بقرہ/۳۰)

انسان کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ فرشتوں نے اس کو سجدہ کیا ہے(۱۵)، اور وہ ایک ایسی مخلوق ہے جس میں خدا کی روح پھونکی گئی ہے(۱۶)، یہ وہ تنہا مخلوق ہے جس کی پیدائش پر خدائے تعالےٰ نے اپنی تعریف و تمجید کی ہے(۱۷)، تمام چیزوں کو اس کے لئے مسخر بنادیا ہے(۱۸)، اپنی خلقت میں بہترین عمارت اسے عطا کی ہے(۱۹)، اسے اپنی پرستش کے لئے پیدا کیا ہے(۲۰)، اسی کے لئے انبیاء اور آسمانی کتابیں بھیجی ہیں(۲۱)، اسے ایک لافانی مخلوق بنادیا ہے(۲۲)، اس کی قیمت بہشت سے کم اور کوئی چیز نہیں ہے، خدائے تعالےٰ نے اسے گوناگوں فضیلتیں عطا کی ہیں(۲۳)، زندگی کے مقصد کو روٹی، کپڑا، مکان تک محدود کرنا ایک حیوانی زندگی ہے اور یہ سب عقل و شعور اور عام صلاحیتیں صرف مادی مسائل کے لئے قربان نہ کی جانی چاہئیں۔ یہ جو انسان میں بے انتہا طلبی کی فطرت ہے، وہ اس کی بے انتہا بالیدگی کے امکان کی علامت ہے۔ بے شک اگر انسان اپنی عظمتوں اور مقام و منزلت پر غور و توجہ کرے تو ہرگز اپنے آپ کو برے کاموں میں مبتلا نہیں کرے گا۔

- انسان، ہر وقت بلاواسطہ خدا سے رابطہ قائم کرسکتا ہے۔ (۲۴)

۱۵- فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ (حجر/۳۰)

۱۶- نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي (حجر/۲۹)

۱۷- فَتَبَارَكَ اللهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (مؤمنون/۱۴)

۱۸- سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (لقمان/۲۰)

۱۹- لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِي اَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (تین/۴)

۲۰- وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُونِ (ذاریات/۵۶)

۲۱- اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ رَسُولاً شَاهِداً عَلَيْكُم (مزمل/۱۵)

۲۲- ما خلقتم للفناء بل خلقتم للبقاء (بحار ۶، ص ۲۴۹)

۲۳- وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَا هُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً (اسراء/۷۰)

۲۴- الحمد لله الذى أناديه كلّما شئت لحاجتى و اخلوا به حيث شئت لسرّى بغير شفيع فيقضى لى حاجتى (مناجات ابوحمزہ ثمالی از امام سجاد)

-انسان، جسے خدا نے مکلف بنایا ہے اور اس کے ساتھ ہم کلام ہوا ہے۔(۲۵)

-انسان کی علمی ظرفیت نے ملائکہ کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔(۲۶)

-انسان، اپنے ارادے سے تمام اقدار پر مسلط ہو سکتا ہے۔(۲۷)

- انسان، ایسے مقام پر پہنچ سکتا ہے جس پر خدائے تعالیٰ ملائکہ کے سامنے افتخار کرے۔(۲۸)

- انسان، قصد قربت کے ذریعہ تمام مادیات کو معنوی اور تمام فنا ہونے والی چیزوں کو بقا کا رنگ دے سکتا ہے۔

- انسان، چالیس روز تک اخلاص کی درس گاہ میں پڑھ کر اس طرح فارغ التحصیل ہو سکتا ہے کہ حکمت کے چشمے اس کے دل سے اس کی زبان پر جاری ہو سکیں۔(۲۹)

-انسان، بندگی کے نتیجہ میں ''نعم العبد'' کا تمغہ حاصل کر سکتا ہے۔(۳۰)

-انسان، عبادت کے ذریعہ ہستی میں تصرف کر سکتا ہے۔(۳۱)

- انسان کو جاننا چاہئے کہ عمر کے بڑھنے سے وہ بڑا نہیں ہوتا بلکہ چھوٹا ہوتا جا رہا ہے، کیونکہ اس کی عمر کے سرمایہ میں کمی واقع ہو رہی ہے۔(۳۲)

۲۵-یَاأَیُّهَا النَّاسُ -یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا

۲۶-وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ(بقرہ/۳۱)

۲۷-انما الاعمال بالنیات (بحار،۷،ص۲۰)

۲۸-روایتوں میں آیا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے فرشتوں کے مقابلے میں انسان کے اعمال پر بار ہا افتخار کیا ہے۔

۲۹-من اخلص لله اربعین صباحاً فجر الله ینابیع الحکمة من قلبه علی لسانه (بحار،۷،ص۲۴۹)

۳۰-نِعْمَ الْعَبْدُ (ص/۳۰)

۳۱-وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ(آل عمران/۴۹)

۳۲-إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ (عصر/۲)

-انسان کو جاننا چاہئے کہ اچانک موت اسے پکڑ سکتی ہے (۳۳) اور قبر اس کے اعمال کا صندوق ہے۔

-انسان کو جاننا چاہئے کہ اسکا جہنم میں جانا یقینی ہے لیکن اس سے واپس نکلنا مشکوک ہے۔ (۳۴)

بے شک جس قدر انسان اپنی عالی قدر و منزلت سے آگاہ ہو، اسی قدر اپنے آپ کو برے کاموں میں کم مبتلا کرے گا۔ آپ ایک قیمتی کیسٹ خرید کر، ہر طرح کی آواز اس میں ٹیپ نہیں کرتے، ایک گراں قیمت قالین کو دیکھ کر، اس پر ہرگز جوتے پہن کر نہیں چلیں گے۔

سچ بتایئے کہ ہماری عمر شیطان کی چراگاہ کیوں بنے اور ہماری وابستگی ابلیس سے کیوں رہے؟ ہم خدا کے جانشین ہیں، ہم کیوں اس کے دشمن کے ساتھ رہیں۔

انسان کی قدر و منزلت اس کے معنوی مقام و منصب پر منحصر ہے، ورنہ ظاہراً اوپر چڑھنا دھوئیں کا کام ہے، سیم و زر کا حامل ہونا پہاڑ کا کام ہے، اور شہرت تو ہمالیہ کے پہاڑوں کو بھی حاصل ہے۔

بہر حال جو منکرات کے اردگرد گھومتا ہے وہ اپنی قدر و منزلت کھو دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے: ”جو خدا کو بھول جائے، خدا، خود فراموشی کو اسکی سزا قرار دیتا ہے۔ اس طرح ہم سمجھتے ہیں کہ انسان کی خود اس کے اپنے مقام انسانیت سے غفلت خدا کی سخت ترین سزا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ”جس نے اپنی قدر و منزلت کو سمجھا، دنیا اور خواہشات اس کے سامنے حقیر بن جاتے ہیں، یعنی وہ اپنی عالی روح کے سبب ہوا و ہوس کے طوفانوں سے آسانی کے ساتھ گزر سکتا ہے۔ سائیکل کا ٹائر جو نازک ہوتا ہے سڑک کے جھٹکے سے متاثر ہو جاتا ہے اور

۳۳-بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً (انبیا ٫۴۰)

۳۴-اِنْ مِنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلىٰ رَبِّكَ حَتْماً مَقْضِيّاً * ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا (مریم/۷۱و۷۲)

اسکی رنگ بھی ٹیڑھی ہو جاتی ہے لیکن اس کے برعکس ٹریکٹر کا ٹائیر بڑا اور مضبوط ہوتا ہے، سڑک سے آسانی کے ساتھ گزر جاتا ہے اور متاثر بھی نہیں ہوتا۔ جس قدر روح بلند و بالا ہو اور لامتناہی ذات سے اس کا رابطہ مستحکم تر ہو بلاؤں اور شہوتوں کے طوفان اس پر اثر نہیں ڈال سکتے۔

بے شک انسان کی علمی، سماجی اور خاندانی حیثیت اسے غلط اعمال انجام دینے سے روکتی ہے، لہٰذا قرآن مجید اس سلسلے میں پیغمبر کی بیویوں سے ارشاد فرماتا ہے:

''تمہاری بداعمالی کی سزا دوسری عورتوں کے مقابل دوگنی ہے۔ کیونکہ تم پیغمبر کی بیویاں ہو'' (۳۵)

واقعہ:

حضرت امام صادق علیہ السلام کے زمانے میں شقرانی نامی ایک شخص شراب پینے کا مرتکب ہوا۔ امام صادق علیہ السلام نے اس سے فرمایا: ''اے شقرانی! برا کام جس کسی سے انجام پائے برا ہی ہے، لیکن اگر تم سے سرزد ہو جائے بدتر ہے، بالکل اسی طرح جیسے نیک کام جس سے بھی انجام پائے نیک ہے لیکن اگر تم سے انجام پائے زیادہ اچھا ہے۔ یہ تمہاری مذہبی اور سماجی مقام ومنزلت کی وجہ سے ہے۔ تم ہمارے اقرباء میں سے ہو اسلئے اپنی قدر و منزلت کو پہچانو!'' (۳۶)

بعض اوقات کفار اپنے سردار کے ہمراہ مسلمان ہو جاتے تھے۔ پیغمبر اسلامؐ ان کے سردار کو ہی ان کے سرپرست کے عنوان سے منصوب فرما دیتے تھے اور اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ جو کل تک لوگوں میں محبوب اور سردار تھا، آج اسلام لانے کے بعد ایک معمولی فرد بن جائے۔''

۳۵-مَنْ يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ (احزاب/۳۰)

۳۶- بحار، ج ۴۷، ص ۳۴۹

دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض افراد ٹی-وی کیمرے کے سامنے ایک کھانسی یا چھینک آنے کی وجہ سے معافی مانگتے ہیں، جبکہ یہی شخص اگر کیمرے کے سامنے نہ ہوتا تو معافی نہیں مانگتا۔ یہ سب اس موقع ومحل کی وجہ سے ہے جسے وہ محسوس کرتا ہے۔

یقیناً! افراد کی شخصیت، ان کی حیثیت اور مقام ومنزلت کو مدنظر رکھنا برے کاموں اور منکرات کو روکنے کے اسباب میں سے ہے۔ لہٰذا اس بات کی سفارش اور تاکید کی گئی ہے کہ اپنے نزدیک ترین افراد سے بھی ادب کا لحاظ رکھنا چاہئے، کیونکہ بے تکلف ہوکر کیا جانے والا مذاق، حیا کے پردوں کو چاک کر دیتا ہے اور اس طرح ارتکاب گناہ کی راہیں کھلتی ہیں، حتیٰ بچوں کے بارے میں بھی اس حکم کی رعایت کی جانی چاہئے۔

اگر ہم چاہتے ہوں کہ ہمارے بچے ہماری بات پر عمل کریں، تو ہمیں چاہئے کہ ان کو نیک ناموں سے پکاریں اور ان کا احترام کریں (۳۷)۔ حدیث میں ملتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ بچوں کو ان کی کنیت سے پکارتے تھے۔

اسلام کا دستور ہے: غلاموں کو ''جواں مرد'' کہکر پکارو۔

اسلام کے کارناموں میں سے ایک، بُرے ناموں کو اچھے اور بامعنی ناموں میں تبدیل کرنا تھا۔ اور قرآن مجید میں لوگوں کو بُرے نام سے پکارنے کی ممانعت ہوئی ہے۔ (۳۸)

بہرحال امر بمعروف اور نہی از منکر میں کامیابی کا راز نیک نام سے پکارنے، احترام کرنے، کمالات کا لحاظ رکھنے اور محبت وتشویق کرنے میں مضمر ہے۔ حتیٰ اگر کوئی شخص کسی بھی کمال کا مالک نہ ہو، اور اس کے اجداد، رشتہ دار، استاد یا دوست کسی مقام ومنزلت کے مالک ہوں تو اس وسیلہ سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے: جبکہ تم فلاں کے بیٹے ہو، فلاں

۳۷-علیؑ: اجملوا فی الخطاب تسمعوا جمیل الجواب (کودک فلسفی، ص۱۱۹)

۳۸-حجرات/۱۱

علاقہ کے رہنے والے ہو، فلاں کے دوست ہو، کیا یہ مناسب ہے کہ تم اس طرح کی حرکت کرو؟

امرونہی کے لئے زمین ہموار کرنا:

دینی مدارس (حوزوں) میں ایک اصطلاح ہے کہ ''واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے'' یعنی جس طرح نماز واجب ہے۔ وضو کرنا - جو نماز کا مقدمہ ہے- بھی واجب ہے۔ وضو کے لئے پانی مہیا کرنا بھی واجب ہے۔ پانی کی دستیابی کے لئے پانی کا خریدنا یا رسی اور بالٹی اُدھار لینا اور کبھی کوئیں کا کھودنا بھی واجب بن جاتا ہے۔ جو امر بمعروف یا نہی از منکر کرنا چاہے، اسے پہلے کچھ مقدمات فراہم کرنے چاہئیں۔ اگر کوئی صدارت یا پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے اُمید وار بننا چاہے، وہ بہت پہلے سے سوال وجواب کے جلسات میں شرکت کرتا ہے۔ یونیورسٹیوں کے اجتماعات میں جاتا ہے، اخباروں میں مضمون لکھتا ہے، افراد سے رابطہ قائم کرتا ہے، بجٹ تیار کرتا ہے۔ تبلیغات کے وسائل اور مراکز کا انتخاب کرتا ہے۔ بے شک ہر ایک کو اپنے مقاصد کے لئے کچھ مقدمات فراہم کرنے چاہئیں۔ اسی طرح امر بمعروف اور نہی از منکر کے لئے بھی زمین ہموار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم یہاں پر ایک سادہ مثال بیان کرتے ہیں:

اگر ائمہ جماعات، دینی طالب علم، جوان علماو فضلاء، ہر علاقے میں نوجوانوں سے رابطے قائم کریں اور ان کے لئے علمی جلسے منعقد کریں اور ان کی مشکلات کو سنیں، ان کے غم وشادی میں شریک ہوں تاکہ نوجوان نسل جوان اور پرہیزگار علماء کو اپنا بہترین وعزیز ترین دوست جانیں تو یہ کام ملک کو ہر خطرے سے محفوظ کرسکتا ہے، کیونکہ معاشرے میں جو بھی فساد برپا ہوا ہے جوان ایک متقی و پرہیزگار عالم کی قیادت میں روک سکتے ہیں اور گلی کوچوں سے لیکر سرحدوں تک کی حفاظت میں متحد و منظم ہوسکتے ہیں۔

لیکن افسوس ہے کہ بہت امور میں جوان طلاب اور نوجوانوں کے درمیان روابط و تعلقات

ضعیف اور پھیکے ہیں۔لہذا ایک دن ویڈیو، دوسرے دن سٹلائٹ، تیسرے دن ایک نااہل شخص، چوتھے دن ایک شبہہ واعتراض اور بعض اوقات ایک کیسٹ اور تقریر، ایک نہ ایک نوجوان کو اسلام سے دور کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ یہ گناہ گزشتہ زمانے میں ہماری غفلتوں کا نتیجہ ہے۔

گناہ کے پیش خیمہ کو روکنے کے طریقے

جس طرح مرغ کو ذبح کرنا بھیڑ کے ذبح اور اونٹ کے نحر کرنے کا پیش خیمہ ہو جاتا ہے، اسی طرح چھوٹے گناہ بڑے گناہوں کا پیش خیمہ بنتے ہیں۔

نامحرم کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا گناہ کے لئے زمین ہموار کرنے کا سبب بنتا ہے۔ بُرا دوست، بُری کتاب اور بُری فلم، گناہ کے دریا میں غرق ہونے کا مقدمہ ہے۔ لہٰذا اسلام نے گناہ کے مقدمات اور پیش خیموں پر بھی روک لگائی ہے۔ اسلئے نہی از منکر کرنے کے لئے تفکیک اور جدا کرنے کا ایک پروگرام مرتب کیا جانا چاہئے:

۱- انسان سے گناہ کے وسیلہ اور ذریعہ کو جدا کرنا۔

۲- دو ایسے افراد کو ایک دوسرے سے جدا کرنا، جن کے ایک ساتھ رہنے سے گناہ کا ارتکاب ممکن ہو اس سلسلے میں روایت ہے کہ ''فلاں کے ساتھ دوستی نہ کرو''۔

۳- انسان کو گناہ کی جگہ سے دور رکھنا۔ (بعض مجلسوں میں شرکت کرنا اور بیٹھنا منع ہے)

۴- انسان کو گناہ کے مرتکب ہونے کے وقت سے دور رکھنا (اس کام کے لئے ایک منظم منصوبہ کی ضرورت ہے)۔

۵- انسان کو گناہوں کے دلالوں سے دور رکھنا۔

فرصت کے اوقات کو بھرنا:

گناہ پر روک تھام کا ایک طریقہ فرصت کے اوقات کو بھرنا ہے۔پیغمبر اسلامؐ کی بیوی (حضرت ام سلمہ) سے پوچھا گیا: ''آپ بوڑھی ہو چکی ہیں، پھر کیوں کام کرتی ہیں؟'' جواب میں فرمایا: ''بیکار انسان فتنہ کا مرتکب ہوتا ہے''۔

الف- آئینہ کا انداز:

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث نقل ہوئی ہے، آپؐ نے فرمایا: ''المؤمن مرأة المؤمن''، یعنی: ''مؤمن، مؤمن کا آئینہ ہے''۔

اگر ہم اس چھوٹی سی حدیث پر غور کریں تو ہمیں امر بمعروف کے سلسلے میں چند نکات مل جائیں گے، من جملہ:

۱- آئینہ صاف اور پاک جذبہ سے عیب کو بیان کرتا ہے انتقام یا کسی غرض کے پیش نظر نہیں۔

۲- آئینہ اس وقت عیب کی نشاندہی کرتا ہے جب خود گرد وغبار سے پاک ہو۔

۳- آئینہ مقام ومنزلت کا لحاظ نہیں کرتا ہے۔

۴- آئینہ عیب کو بڑھا چڑھا کر پیش نہیں کرتا ہے۔

۵- آئینہ عیب کو دکھانے کے ساتھ مثبت نکات کو بھی دکھاتا ہے۔

۶- آئینہ عیب کو آمنے سامنے بیان کرتا ہے نہ کہ پیٹھ پیچھے۔

۷- آئینہ، خاموشی کے ساتھ عیب کی نشاندہی کرتا ہے۔

۸- آئینہ کو اگر توڑ دیا جائے اور اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھی اٹھا کر دیکھے جائیں تو وہ ٹکڑے بھی عیب وخوبی کو دکھاتے ہیں۔اسی طرح اگر مؤمن کی بے احترامی بھی کی جائے تب بھی وہ اپنے ارادے سے منحرف نہیں ہوتا ہے۔

۹-آئینہ عیب کو اپنے دل میں نہیں چھپاتا، بلکہ جوں ہی اس کے پاس سے ہٹتے ہیں، اس سے عیب زائل ہو جاتا ہے۔

۱۰-اگر آئینہ نے میرے عیب کو بتایا تو مُجھے اپنی اصلاح کرنی چاہئے نہ کہ میں آئینہ کو توڑ دوں۔ اگر کسی مسلمان نے آپ کو نہی از منکر کی تو آپ کو اپنی خرابی یا گناہ کو خود سے دور کرنا چاہئے، تنقید کرنے والے پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔

مجھے یاد ہے کہ میں نے جوانی میں اس حدیث کے بارے میں ۲۶ نکتے یادداشت کئے تھے، لیکن اس وقت مندرجہ بالا نکات کے علاوہ ذہن میں کچھ باقی نہیں بچا ہے۔

اس سلسلے میں فارسی کے مندرجہ ذیل چند شعر قابل ملاحظہ ہیں:

گر نصیحت کنی، بخلوت کن　　که جز این شیوه نصیحت نیست
هر نصیحت که برملاباشد　　آن نصیحت بجز فضیحت نیست

☆ ☆ ☆

ای غزالی گریزم از یاری　　که اگر بدکنم نکو گوید
مخلصِ آن شوم که عیبم را　　همچو آئینه روبرو گوید
نه که چون شانه هاهزارزبان　　پشت سرفته وموبه موگوید

(گلستان سعدی باب ٤)

تیاری و آمادگی:

حق بات شُکَر کے مانند ہے۔ لیکن اسی شُکَر کو اگر بچے کے حلق میں ڈالا جائے ممکن ہے اس کا دم گھٹ جائے۔ اس لئے شُکَر کو شربت میں تبدیل کیا جانا چاہئے تاکہ تمام افراد کے لئے قابل استعمال بن جائے۔ بعض اوقات حق بات کے لئے مقدمات کی ضرورت پڑتی ہے اور نہی از منکر کے لئے بھی زمین ہموار کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک واقعہ:

میں نے خدا کے فضل وکرم سے تا بحال دو ہزار گھنٹوں سے زیادہ اسلامی جمہوریہ ایران کے ریڈیو، ٹی وی پر گفتگو کی ہے۔ بعض موضوعات پر گفتگو کرنے کے لئے پہلے سے تیاری کرتا ہوں۔ میں اس بات کو نہیں بھولتا کہ ایک بار میں نے فیصلہ کیا تھا کہ کفن کے بارے میں بیان ہوئی روایتوں پر گفتگو کروں، میں نے سوچا کہ بعض افراد میری اس گفتگو کو سننا پسند نہیں کریں گے، لہذا میں نے اس طرح زمین ہموار کی اور کہا کہ: لوگوں کی عام اور اہم ضرورتوں میں سے ایک، لباس بھی ہے۔ اسلام نے ہر موسم ہر زمانہ اور کام کے لئے مخصوص لباس معین کئے ہیں اور اس سلسلے میں کچھ احکام صادر کئے ہیں، جیسے بچے کا لباس، کام کاج کا لباس، جنگ کا لباس، نماز عید کا لباس، نماز باران کا لباس، حج اور احرام کا لباس، دلھن کا لباس، برہنہ لوگوں کو دینے کے لباس، لباس کی صفائی، لباس میں پیوند لگانا، لباس کا رنگ، لباس کی سلائی، لباس کی قسمیں وغیرہ...

مندرجہ بالا عنوانوں میں سے ہر ایک کے بارے میں ایک حدیث بیان کی۔ اس طرح میں نے لوگوں کو لباس کی اس بحث کے دوران رفتہ رفتہ آخری لباس (کفن) اور اس کے بارے میں روایات سننے کے لئے آمادہ کیا۔ لیکن اگر ابتداء میں ہی یہ کہتا کہ ''آج میری بحث کا موضوع کفن ہے'' تو شاید لاکھوں لوگ ٹی وی کو بند کر دیتے۔

ایک اور واقعہ:

میں ایک کانفرنس میں تقریر کے لئے مدعو ہوا تھا۔ راستے میں کانفرنس کے مسئول نے مجھ سے کہا: ''اس کانفرنس کے مندوبین یونیورسٹیوں کے پرفیسر اور علمی شخصیتیں ہیں۔ ضروری ہے کہ تقریر ان کے شان کے مطابق ہو''۔ اور مجھ سے چاہا کہ سادہ اور عمومی گفتگو سے اجتناب کروں۔ میں نے اس سے پوچھا: سادہ بات کیا ہے؟ کیا بڑے اور بزرگ لوگوں کو سادہ مسائل کی طرف توجہ دلانا ضروری نہیں ہے؟ ہمیں گفتگو کے طریقہ کار پر توجہ دینی چاہئے نہ یہ کہ اصل مطلب کو حذف

کر دیں۔

اس کے بعد میں نے اس سے کہا: مقدمات اور زمین ہموار کرنے کے بعد سادہ ترین مطلب بھی بڑی سے بڑی شخصیات کو بتائے جا سکتے ہیں، حتیٰ بیت الخلاء کے آداب جیسے مسائل بھی کہے جا سکتے ہیں۔ میری اس گفتگو کو سننے کے بعد وہ کچھ فکر مند ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ دانشوروں کے سامنے میری تقریر پھیکی پڑے اور بات خراب ہو جائے۔

بہر حال میں کنفرانس میں داخل ہوا اور اپنی گفتگو کا آغاز اس طرح کیا کہ: "سب سے اچھا ڈاکٹر وہ ہے جو کسی عضو کی بیماری کے لئے نسخہ لکھتے وقت دیگر تمام اعضاء اور ان کے باہمی ارتباط کا خیال رکھے۔ مثال کے طور پر گردوں کے لئے تجویز کی ہوئی گولیاں دل اور اعصاب کے لئے مضر نہ ہوں اور دل کے لئے تجویز کی گئی دوا دوسرے اعضاء کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔

اس کے بعد میں نے کہا: سب سے بہتر ڈاکٹر اسلام ہے جو ہر مسئلہ کے لئے نسخہ دیتا ہے اور یہ نسخہ نظام خلقت اور تعلیم و تربیت کے تمام پہلوؤں کے مطابق ہے۔ اس کے بعد میں نے سامعین سے اجازت چاہی تا کہ ایک سادہ مثال پیش کروں۔ میں نے کہا: یہی پیشاب کرنے کا مسئلہ، اسلام میں کچھ قواعد و ضوابط رکھتا ہے جو نظام طبیعت کے مطابق بیان ہوئے ہیں۔ اسلام نے ہمیں دستور دیا ہے کہ پیشاب کرتے وقت انسان کے بیٹھنے کی حالت:

۱- سورج اور چاند کی طرف نہ ہو۔

۲- قبلہ رو اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے نہ ہو۔

۳- ہوا کی طرف نہ ہو۔

۴- ندی میں نہ ہو۔

۵- میوہ دار درخت کے نیچے نہ ہو۔

۶- سونے اور عام لوگوں کی رفت و آمد کی جگہ پر نہ ہو۔

۷- ملاءِ عام میں نہ ہو۔

۸- کھڑے ہو کر پیشاب نہ کریں۔

۹- سخت اور پتھریلی زمین پر پیشاب نہ کریں۔

۱۰- غصبی زمین میں نہ کریں۔

۱۱- کیڑے مکوڑوں کے بلوں میں نہ کریں۔

۱۲- پانی سے پاک کیۓ بغیر نہ اٹھیں۔

آپ اس معمولی اور جزئی مسئلہ میں اسلام کی ہمہ گیری اور کاملیت کا مشاہدہ کر سکتے ہیں آپ نے دیکھا کہ پیشاب کرنے کے لئے تجویز کردہ نسخہ میں طبیعی، سماجی، طبّی، اخلاقی اور دینی جیسے تمام مسائل کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

اس کے بعد میں نے اپنی تقریر کو اسی طرح جاری رکھتے ہوئی تمام کی۔ واپس لوٹتے ہوئے میں نے کانفرنس کے مسئول سے پوچھا آپ نے دیکھا کہ میں نے پیشاب کرنے کے آداب جیسے سادہ مسئلہ کو کیسے بیان کیا جبکہ سامعین دانشور اور تعلیم یافتہ تھے؟

اس نے کہا: آپ نے اپنی بات کا پیش خیمہ اور مقدمہ بیان کر کے ان کو یہ باتیں سننے پر آمادہ کیا۔

بے شک بہت سی باتیں زمین ہموار کرنے کے بعد خوبصورت بن جاتی ہیں اور اس کے بغیر باعث تنفر ہوتی ہیں۔

ایک اور مثال:

اگر ہم دسترخوان پر رکھی گئی سبزی کو دیکھیں کہ اس کو مناسب طریقے سے صاف نہیں کیا گیا ہے اور کہیں: سبزی کیوں صاف نہیں کی گئی ہے؟ تو ممکن ہے جس نے سبزی کو دھویا ہو ناراض ہو جائے اور سخت ردعمل ظاہر کرے۔ لیکن اگر صاحب خانہ کی زحمتوں کا شکریہ ادا کرتے

ہونے پہلے جانے کے لذیذ ہونے کا ذکر کیا جائے اس کے بعد کہا جائے کہ اگر سبزی کو دھونے میں کچھ اور توجہ دی جاتی تو بہتر تھا، تو نہ صرف اس بات کا اثر ہوگا بلکہ منفی ردعمل بھی نہ ہوگا۔

تنقید اسی وقت مؤثر ہو سکتی ہے جب ہم مثبت نکات، خدمتوں اور زحمتوں کے شکریہ اور قدردانی سے غافل نہ ہوں۔

ب- ترغیب کا طریقہ:

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو معروف یا نیک کاموں کی انجام دہی سے خائف ہیں ایسے لوگوں کو نیک کاموں کی طرف رغبت دلا کر اس کی انجام دہی پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو بُرے کاموں سے دوری اختیار کرنا اپنے لئے ناممکن سمجھتے ہیں ایسے لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ چونکہ وہ بُرے کام کرنے کے عادی ہوگئے ہیں اسلئے اپنی اس روش کو بدل نہیں سکتے۔ جبکہ صحیح ترغیب اور اس سلسلے میں اچھی مثالوں کو بیان کرنے سے یہ مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے۔

ج- کہانی، شعر اور مختلف فنون سے استفادہ:

مذکورہ بالا موضوعات میں ہر ایک سے حق کی دعوت اور امر بمعروف اور نہی از منکر کے لئے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید کی خوش الحانی سے تلاوت، اذان کا موزون ہونا، نماز جمعہ و جماعت اور عید پروگرام، حج کے مراسم، لباس کی تبدیلی، نماز جماعت کے صفوں کی تنظیم، مؤذن کی خوش لحن آواز کی تاکید، نمازگزار کے لباس کی صفائی، مسجد کی صفائی اور بہترین لباس و عطر کا استعمال، لوگوں کو معروف اور نیک کاموں کی طرف مائل کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

فساد اور گمراہیوں کی طرف دعوت دینے میں ہنر اور فن کا کردار کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ سامری اپنے مجسمہ سازی کے فن کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوا۔

مؤدبانہ گفتگو اور فصاحت و بلاغت لوگوں کو جذب کرنے کا بہترین طریقہ اور وسیلہ ہے،

بالکل یوں ہی جیسے خوبصورت اور مناسب چہرہ بات کو مؤثر بنانے میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ پیغمبروں میں سے ایک بھی بدصورت نہ تھا اور پیغمبری کے شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ کسی ایسی بیماری میں مبتلا نہ ہو جو عام لوگوں میں ان کے لئے نفرت کا باعث بنے۔

فطری طور پر انسان حسن وزیبائی کو پسند کرتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے کائنات کو زیبا اور خوبصورت خلق کیا ہے۔ قرآن مجید کو خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کرنے کی اسلام نے مکرر تاکید فرمائی ہے۔ اسلام نے انسان کی آرائش کے لئے کچھ دستورات فرمائے ہیں۔

قرآن مجید میں حکم ہے کہ مسجد جاتے وقت زینت اور آرائش کا خیال رکھا جائے۔ خوش بیانی اور خیر خواہانہ بحث وگفتگو کی قرآن مجید نے تاکید کی ہے۔

قرآن مجید کے ناموں میں سے ایک نام احسن القصص ہے۔ قصہ اور کہانی کہنا ایک فن ہے اور قرآن مجید میں تقریباً ۲۵۰ واقعی قصے موجود ہیں۔

ہمارے ائمہؑ اپنے بچوں کو تاکید فرماتے تھے کہ ''حضرت ابوطالب کے اشعار کو قرآن مجید کی طرح حفظ کرو''۔

شعراء اپنے اشعار کے ذریعہ بہترین کردار ادا کر سکتے ہیں۔

ایک ساتھ اجتماعی شعر خوانی میں جو ایک دلکشی پائی جاتی ہے وہ ایک شخص کی نغمہ خوانی میں نہیں ہوتی۔ خوش خطی کے مثبت اثر سے بھی ہمیں غافل نہیں رہنا چاہئے۔

پیغمبر اسلامؐ نے مختلف کاموں کے لئے سترہ منشی مقرر فرمائے تھے۔ ان میں سب سے خوبصورت اور وجیہ شخص پیغمبر اسلامؐ کے غیر ملکی مہمانوں کے ساتھ تعلقات کے فرائض پر معین تھا۔

آج، استعماری دنیا گندی اور گمراہ کن لیکن خوشنما تصویروں کے ذریعہ اپنے مقاصد تک پہنچتی ہے۔ بین الاقوامی جاسوس خوبصورت عورتوں کے ذریعے مخفی اطلاعات حاصل کرتے ہیں۔ آج

کل دنیا میں سب سے زیادہ بکنے والی کتابیں ناول ہیں۔ قصہ کہانی کہنا کوئی آسان کام نہیں ہے، یہ ایک الٰہی کام ہے۔ خدائے تعالےٰ فرماتا ہے: ''ہم نے تمہارے لئے قصہ کہے ہیں۔ اہم اور مشکل ترین علمی، فکری اور ثقافتی مسائل کو داستانوں کی صورت میں لوگوں تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ بہرصورت دنیائے فن، شعر، فلم، تصویر، آرٹ، خط اور قصہ ایک ایسی دنیا ہے کہ گمراہ لوگ اس میں داخل ہوکر اس کے ذریعہ اپنے منحوس مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ ہمیں صحیح مقاصد کے حصول کے لئے بہتر طور پر اس دنیا میں داخل ہونا چاہئے۔

خوبیوں کو بھی بیان کرنا چاہئے:

تنقید اور نہی از منکر میں صرف نقطہ ضعف کو بیان نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اچھائیوں کو بھی بیان کرنا چاہئے۔

قرآن مجید نے شراب کی ممنوعیت کے بارے میں پہلے اس کے فوائد کی بات کی ہے اس کے بعد فرماتا ہے: ''اس کا نقصان اس کے نفع سے بیشتر ہے''۔ صحیح ہے کہ شراب کے ذریعہ بہت سے لوگوں کے رزق کا مسئلہ حل ہوتا ہے، جیسے، کاشتکار، شراب بنانے والے کارخانوں میں مشغول ملازم، شراب ڈھونے والی گاڑیاں، جام اور بوتلیں بنانے والے کارخانے، تھوک اور پھٹکر فروش دکاندار، دلال، روابط برقرار کرنے والے اور شراب پیش کرنے والے خادم اور بیرے۔ لیکن کیا شراب کے برے اثرات جو انسان کے دماغ واعصاب پر، نظام ہاضمہ اور انسانی نسل پر پڑتے ہیں جیسے ٹریفک حوادث، خودکشی مستی کے عالم میں کئے جانے والے نامناسب فیصلے، کیا ان سب کا اس کے فوائد سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے؟ جو بات یہاں پر قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ ان فوائد کے باوجود قرآن مجید نے شراب کو حرام قرار دیا ہے۔

آپ بھی نہی از منکر کرتے ہوئے پہلے مثبت نکات کو بیان کرنے کے بعد یہ کہہ سکتے ہیں:

"اُن خوبیوں کا مالک آخر یہ منکر کیوں انجام دیتا ہے؟"

د-نفسیاتی طریقۂ کار (اُمید پیدا کرنا):

بعض اوقات گناہگار خود کو بد بخت اور محروم سمجھ کر نا اُمیدی کے عالم میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اب نجات کی کوئی راہ باقی نہیں رہی۔

ایسے افراد روز بروز بیشتر گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ نہی از منکر کرنے والوں کو ایسے افراد کا ذہنی علاج کرنا چاہئے۔ ان کو خدا کی طرف سے توبہ کے قبول ہونے، توبہ کرنے والوں کے ساتھ خدا کی مہربانیاں بیان کرنی چاہئیں اور اس کے علاوہ توبہ کرنے والوں کے واقعات بیان کرنے چاہئے تاکہ اس کا گناہ اسے نا اُمیدی سے دوچار نہ کرے۔ اُس سے کہنا چاہئے کہ نا اُمیدی بذات خود گناہ کبیرہ ہے۔ اس کا احترام کرنا چاہئے۔ اس کے گزرے زمانے کو فراموش کر دینا چاہئے۔ ہمیں یاد کرنا چاہئے کہ ایک زمانے میں اسی کی طرح ہم بھی گناہ گار تھے اور خدا نے ہمیں بخش دیا ہے۔ اس سے کہنا چاہئے کہ: فرعون کی دعوت پر حضرت موسیٰؑ کو شکست دینے کے لئے جو جادوگر فرعون کے دربار میں جمع ہوئے تھے اور فرعون کے انعام واکرام پر اُمید باندھے ہوئے تھے اور اس کی عزّت کی قسم کھاتے تھے، کس طرح حضرت موسیٰؑ کا معجزہ دیکھنے کے بعد یکسر بدل گئے۔ اپنے عقائد کو بدل کر فرعون اور اس کے مال ودولت کی طرف پشت کر کے فرعون کی طرف سے ہر قسم کی دھمکی اور خطرہ کو مول لینے پر آمادہ ہو گئے اور آخر کار شہادت سے سرفراز ہوئے۔

بے شک ہم ایک دعوت سیر وسیاحت، تحفہ یا ملاقات یا خط یا کتاب، یا استدلال کے ذریعہ اور ایک منطقی ہمدردانہ رابطہ قائم کر کے بہت سے لوگوں پر اثر ڈال سکتے ہیں اور ان کے جرائم سے چشم پوشی کر کے عزت واحترام کے ذریعہ ایک متزلزل شخص کا علاج کر سکتے ہیں اور اسے حق کی طرف راہنمائی کر سکتے ہیں۔

۵-تغافل کا طریقہ:

برے کام کو انجام دینے کا ایک سبب یہ ہے کہ انسان احساس کرے کہ وہ معاشرے میں کوئی عزت وآبرو نہیں رکھتا ہے، کوئی اس کی بات پر بھروسہ نہیں کرتا اور اسکی غلطی کو صاف نہیں کیا جائیگا۔ اس حالت میں کم تری اور بے عزتی کا احساس اسے ہر قسم کے گناہ کی طرف لے جاتا ہے۔

اسلام فرماتا ہے: ''بعض اوقات انسان کو تغافل اور تجاہل عارفانہ سے ایسی صورت اختیار کرنی چاہئے جیسے وہ گناہ کار کے گناہ اور برائی سے آگاہ ہی نہیں ہے تا کہ اس طرح اس شخص کی عزت وآبرو محفوظ رہے۔

ایک واقعہ:

قرآن مجید فرماتا ہے:

''حضرت یوسف کے بھائیوں نے دسیوں سال کے بعد جب انھیں دیکھا تو انھیں نہ پہچان سکے انہوں نی حضرت یوسف سے کہا: ''ہمارا ایک بھائی تھا اس کا نام یوسف تھا جو چور تھا''۔

حضرت یوسف نے تغافل اور تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔ اور یہ نہیں کہا کہ تمہارا وہ بھائی میں ہی ہوں، تم کیوں مجھ پر چور ہونے کی تہمت لگاتے ہو۔(۳۹)

اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے شراب نہیں پی ہے تو اس کی اس بات کو مان لو (چاہے وہ جھوٹ بولتا ہو) اور ہرگز اس کا منہ نہ سونگھو!

اگر بیٹے نے کہا کہ: ''میں نے آپ کی جیب سے پیسے نہیں نکالے ہیں'' تو اس کے کہنے پر اعتماد کرو۔

البتہ یہ تغافل شخصی، جزئی اور انفرادی غلطیوں پر جائز ہے۔ ورنہ اہم مسائل میں جیسے اگر دشمن

۳۹- فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ (یوسف/۷۷)

اور کفار اسلامی نظام کا تختہ الٹنے کی سازش کر رہے ہوں تو اس صورت میں یہ تغافل دشمن کے حق میں مفید ثابت ہوگا۔ لہٰذا اس صورت میں تغافل جائز نہیں ہے۔ (۴۰)

افراد کی استعداد کا لحاظ رکھنا:

حضرت امام صادق علیہ السلام نے ایک شخص کو کسی کام سے ایک علاقہ میں بھیجا۔ اس نے اپنی ایک رپورٹ میں اس علاقہ کے لوگوں کے بارے میں سخت تنقید کی۔ امام نے فرمایا: ''اے سراج! ایمان کے دس درجے ہیں۔ بعض لوگ ایمان کا ایک درجہ رکھتے ہیں اور بعض لوگ دو درجہ اور بعض لوگ سات سے دس درجہ تک ایمان رکھتے ہیں۔ کامل تر ایمان رکھنے والوں کو دوسروں سے ان کی استعداد سے زیادہ توقع نہیں رکھنی چاہئے۔''

امر بمعروف اور نہ از منکر میں بھی لوگوں کی استعداد کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر ایک جوان جس نے ابھی کچھ عرصہ سے سگریٹ پینا شروع کی ہے اس کو ایک ایسے بوڑھے کے برابر نہیں رکھا جا سکتا جو سالہا سال سے سگریٹ پینے کا عادی ہو۔ اس جوان پر نسبتاً زیادہ دباؤ ڈالا جا سکتا ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: '' کاش شیعہ جوانوں کے سروں پر کوڑوں کی پھٹکار گونجتی رہتی تاکہ دین شناسی کے سلسلے میں کوشش کرتے''۔ (۴۱)

جبکہ امام صادق علیہ السلام ہرگز بوڑھوں کے بارے میں یہ تعبیر استعمال نہیں کرتے تھے۔ ائمہ معصومؑ دین کے تمام مطالب و معارف کو ہر ایک سے بیان نہیں کرتے تھے۔

مثال کے طور پر جابر جعفی جو امام باقر علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے، ہزاروں احادیث کو

۴۰۔ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ (نساء/۱۰۲)

۴۱۔ ليت السياط على رؤوس اصحابي حتى يتفقهوا في الحلال والحرام. (بحار، ج۱، ص۲۱۳)

جانتے تھے، لیکن انھیں ان سب حدیثوں کو بیان کرنے کی اجازت نہیں تھی، سلمان فارسی کچھ ایسے مسائل سے آگاہ تھے کہ ابوذر ان سے بے خبر تھے۔ انبیاء کی تبلیغ کے طریقے میں ہم پڑھتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے: ''ہم لوگوں کے ساتھ ان کی استعداد وظرفیت کے مطابق بات کرنے پر مامور ہوئے ہیں'' (۴۲)

افراد کے حالات اور ان کی استعداد کا ان کے شخصی اور روزمرہ کے کاموں میں بھی لحاظ کرنا چاہئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: ''انسان کی روح بعض اوقات کام سے دلچسپی رکھتی ہے اور بعض اوقات متنفر ہوتی ہے''۔ (۴۳)

جب تم ذہنی طور پر آمادہ ہو تو کام شروع کرو۔ عبادت میں سستی ایک ایسی چیز ہے کہ دعاؤں میں خدا سے اس سے دوری چاہی گئی ہے۔ **اللّھم انّی اعوذبک من الکسل - والکسل عن عبادتک**۔ اسی طرح عبادت میں نشاط وتازگی ایسی نعمت الٰہی ہے کہ معصوم ائمہؑ نے خدائے تعالیٰ سے اس کی درخواست کی ہے، روایت میں آیا ہے کہ: ''جس کے پاس بچہ ہو، وہ اپنے آپ کو بچہ بنائے'': ''**من کان لہ صبیاً فلیتصبّی**''۔

یہ اسلئے ہے کہ آپ بچے کی حالت کو محسوس کر کے اس کی استعداد کو مدنظر رکھ سکیں۔

تمام عیبوں کو ایک دفع نہ کہیں:

نہی از منکر اور تنقید میں مخاطب پر بوچھار کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اگر ایک ماں اپنی بیٹی کی تعلیمی حالت سے مطمئن نہ ہو تو اسے اس طرح پیش نہ آنا چاہئے کہ: ''تم پڑھائی میں پیچھے ہو، تمہاری سلائی اچھی نہیں، کھانے میں زیادہ نمک ہے کپڑے نہیں دھوئے ہیں...''

۴۲-انا امرنا معاشر الانبیا ان نکلّم الناس بقدر عقولھم. (بحار، ج۲، ص۶۹)

۴۳-ان للقلب اقبالا و ادباراً.

اس قسم کی نہی بہت سے لوگوں کے لئے نا قابل برداشت ہوتی اسلام نے ۲۳ سال کے عرصے میں اپنے احکام لوگوں میں بیان کئے ہیں۔

واقعہ:

کہا جاتا ہے کہ ایک روز حضرت عیسیٰ کچھ لوگوں کے ساتھ ایک کتے کی لاش کے پاس سے گزرے۔

ایک نے کہا: یہ لاش کس قدر بد بو دے رہی ہے۔

دوسرے نے کہا: کس قدر سیاہ اور بدصورت ہے۔

لیکن حضرت عیسیٰ نے فرمایا: اس کے دانت کس قدر سفید ہیں!

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ نہی از منکر میں تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

مختصر یہ کہ بات کہنے کے شیوہ اور طریقہ پر کافی غور وفکر لازم ہے۔ کبھی ایک طالب علم کو اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اگر محنت کرو گے تو اچھے نمبر لاؤ گے۔ اور کبھی یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تم میں پڑھنے کی استعداد نہیں ہے فضول پڑھ رہے ہو! ان میں سے ہر ایک جملہ طالب علم کے ذہن پر ایک خاص اثر ڈالے گا۔

لوگوں کو دعوت دینے سے پہلے بہتر ہے کہ ان سے پوچھا جائے کہ کیا وہ آمادہ ہیں؟ حضرت موسیٰ فرعون سے فرماتے ہیں ﴿هل لک الیٰ ان تزکّیٰ﴾ (۴۴) ''کیا تم پاکیزہ کرداری کی طرف قدم بڑھانے کے لئے آمادہ ہو؟''

پیغمبر اسلامؐ موسم حج میں لوگوں سے پوچھتے تھے: ''کیا تم لوگ آمادہ ہو کہ تم سے گفتگو کروں''؟ جب آپ لوگوں کی آمادگی اور رضامندی دیکھتے تو قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کر کے انھیں متأثر فرماتے تھے۔

۴۴- نازعات/۱۸

بعض اوقات لوگ ایسے حالات میں ہوتے ہیں کہ حق کو قبول کرنے کی آمادگی رکھتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے:"ان للقلب اقبالاً وادباراً" آمادگیوں میں بھی حالات یکساں نہیں ہوتے۔ بعض اوقات مختصر بات کو سننے کی آمادگی ہوتی ہے اور کبھی مفصل استدلال سننے کی آمادگی ہوتی ہے۔ امر بمعروف اور نہی از منکر میں وہی لوگ کامیاب رہتے ہیں جو زمان و مکان، نفسیاتی اور سماجی لحاظ سے تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوں تاکہ ان کی بات کافی حد تک مؤثر ثابت ہو۔

واقعہ:

ایک عالم دین نماز میت پڑھتے وقت کہتے تھے کہ: اگر میت مرد ہے تو اس کا کفن کھول کر مردہ کا چہرہ لوگوں کو دکھاؤ۔

جب کفن کو کھول دیا جاتا تو، وہ عالم اپنے ہمراہ لوگوں سے مخاطب ہو کر فرماتے تھے: دیکھو اس مرحوم کی آنکھیں بند ہو چکی ہیں۔ جب تک تمہاری آنکھیں کھلی ہیں، بُری نظر سے پرہیز کرو! اس کے پاؤں نہیں ہلتے۔ جب تک تمہارے پاؤں ہل رہے ہیں، بُری جگہوں پر نہ جاؤ! اب اس کی زبان بول نہیں سکتی۔ جب تک تم لوگ بات کرنے کی طاقت رکھتے ہو، بُری بات زبان پر نہ لاؤ!"

ان جذباتی حالات میں چند منٹ کا موعظہ خاص کر مرحوم کے رشتہ داروں پر مفید اثرات ڈالتا ہے، جبکہ دوسرے حالات میں یہ اثر پیدا نہیں ہو سکتا۔

در سے کہو تا کہ دیوار سنے:

قرآن مجید حضرت عیسیٰؑ سے فرماتا ہے: "کیا تم نے لوگوں سے کہا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو خدا مانو؟" (۴۵)

یہاں شرک اور دوگانہ پرستی کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے، لیکن جچے تلے انداز میں کہ حقیقت

۴۵۔ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِی وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ (مائدہ/۱۱۶)

میں اس کے مخاطب دوسرے لوگ ہیں۔

ایک اور جگہ پر خدائے تعالےٰ پیغمبر اکرمؐ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:

''اگر تمہارے ماں، باپ تمہارے پاس بوڑھے ہو جائیں تو تم ان سے سخت مزاجی سے پیش نہ آنا''۔(۴۶)

جب کہ ہم سب جانتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ بچپن میں ہی اپنے ماں باپ کے سایہ سے محروم ہو چکے تھے۔ بہر حال کبھی غیر مستقیم جیسے'' در سے کہوتا کہ دیوار سنے'' کے طریقے کامیاب ہوتے ہیں۔

و-محبت پیدا کر کے:

امر بمعروف اور نہی از منکر کے لئے عشق و محبت بہترین وسیلہ اور بنیاد ہے۔قرآن مجید میں جگہ جگہ پر خدائے تعالٰی اپنی نعمتوں کا ذکر فرماتا ہے تا کہ اپنے بارے میں انسان کی محبت میں اضافہ کرے۔ یہ اس لئے ہے کہ جس چیز کو وہ پسند کرتا ہے، ہم اسے انجام دیں اور جس چیز کو وہ پسند نہیں کرتا اس سے پرہیز کریں، اگر والدین اپنے ،بچوں کے سامنے اپنی محبتوں اور عنایتوں کو گنائیں، تو بچوں میں ان کے لئے محبت بڑھتی ہے اور وہ ان کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔خدائے تعالےٰ کی نعمتوں کو پہچاننے کے لئے یہ بھی بہتر ہے کہ فرض کریں اگر خدا کی یہ نعمتیں نہ ہوتیں تو کیا ہوتا؟

-اگر پانی کڑوا ہوتا؟

-اگر زمین کی حرکت سست ہوتی اور دن رات طولانی ہوتے؟

-اگر زمین کو کھودنے کے بعد پانی تک نہ پہنچتے؟

-اگر سورج زمین کے نزدیک ہوتا؟

۴۶-اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُ هُمَا اَوْ کِلاَ هُمَا فَلاَ تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ (اسراء/۲۳)

-اگر درختوں کے پتے ہمارے لئے آکسیجن نہ بناتے؟

-اگر حیوانات انسان کے قابو میں نہ ہوتے؟

-اگر بارش نہ ہوتی؟

-اگر زمین اپنی برکتوں کو ہم سے روک لیتی؟

اور ایسے ہی ہزاروں اگر کو تصور میں لایئے!

اگر ہم صرف انگوٹھے سے محروم ہوتے تو کیا ہم قلم، سوئی یا ہتھوڑے کو ہاتھ میں لے کر کام کر سکتے تھے؟

اگر ہماری آنکھوں کی پلکوں میں سپرنگ کی حالت نہ ہوتی اور پلکیں آنکھوں پر پڑی رہتیں تو کیا ہماری تمام نقل و حرکت مفلوج ہو کر نہ رہ جاتی؟

اگر ہمارے آنسو نمکین نہ ہوتے تو کیا ہماری آنکھیں جو چربی سے بنی ہیں کسی اور چیز سے محفوظ رہ سکتی تھیں؟

یہاں پر لاکھوں اور کروڑں اگر پیدا ہو سکتے ہیں جن کے بارے میں انسان اپنی پوری عمر میں کبھی ایک بار بھی غور نہیں کرتا؟

جو کسی کو معروف یا نیکی کی سفارش کرنا یا کسی بُرے کام سے روکنا چاہے، اس کے لئے بہترین راہ یہ ہے کہ پہلے خدا کی نعمتوں اور مہربانیوں کو بیان کر کے اسے خدا کا عاشق بنائے۔ اس صورت میں ایک عاشق ہر حکم کی تعمیل کے لئے آمادہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہر اس کام سے پرہیز کرتا ہے جسے معشوق پسند نہ کرتا ہو۔

اپنے بچوں کو نماز کی ترغیب دینے والوں کو چاہئے کہ پہلے ان کے سامنے خدائے تعالیٰ کی نعمتیں بیان کریں۔

پہلے محبت و مہربانی پھر امر و نہی:

قرآن مجید، جو لوگوں کو عبادت کا حکم دیتا ہے فرماتا ہے: ''اس کعبہ کے رب کی عبادت کرو، کیونکہ اس نے تمہیں بھوک اور خوف سے نجات دیدی ہے''۔ (۴۷)

جس قدر بولنے والا عزیز و محبوب ہو، اسی قدر اس کی بات مؤثر ہوگی۔ جس دن حضرت رسول اکرمؐ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، ہر ایک قبیلہ اعزاز و افتخار حاصل کرنے کے لئے چاہتا تھا کہ پیغمبرؐ اُن کی دعوت قبول فرمائیں۔ لیکن آنحضرتؐ اپنی غیر جانبداری کو برقرار رکھتے ہوئے اُن کو سمجھانا چاہتے تھے کہ اُن کے لئے سب برابر ہیں۔ کیونکہ بعض اوقات ایک خاص موقف اور کسی فرد یا پارٹی کی حمایت انسان کی محبوبیت میں ہمیشہ کے لئے رخنہ ڈال دیتی ہے اور اس کی بات کے اثر کو کم کر دیتی ہے۔ اس روز پیغمبر خداؐ نے فرمایا: ''میں اپنے اونٹ کی لگام چھوڑ دیتا ہوں وہ جہاں پر بیٹھے گا اسی گھر کا مہمان ہو جاؤں گا''۔

یہ تجویز سب کو پسند آئی، لہٰذا اونٹ کو چھوڑ دیا گیا اور اونٹ ابوایوب انصاری کے گھر جا کر بیٹھ گیا، اس زمانے میں ابوایوب انصاری سے غریب تر مدینہ میں کوئی نہ تھا۔ بہر حال امر بمعروف کرنے والا عزیز اور محبوب ہونا چاہئے۔ محبوبیت کی شرط یہ ہے کہ سب کو ایک نگاہ سے دیکھے۔ لیکن تبلیغ کے بعد جس نے حق کو جلدی اور بہتر صورت میں قبول کیا، اس کے ساتھ خاص برتاؤ کیا جانا چاہئے، قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے: ''اے پیغمبرؐ! جو لوگ آپ پر ایمان لائے ان کے لئے رحمت کے پر کھول دیجئے (۴۸) اور منافقین کے ساتھ سختی سے پیش آیئے''۔ (۴۹)

مناسب ہے کہ یہاں پر دلوں کو جذب کرنے والے پیغمبر اسلامؐ کی سیرت کے چند نمونے

۴۷- فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ٭ اَلَّذِی اَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ (قریش/۳،۴)

۴۸- وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (شعراء/۲۱۵)

۴۹- وَاغْلُظْ عَلَيْهِم (توبہ/۷۳، تحریم/۹)

بیان کئے جائیں:

۱- آنحضرتؐ اپنے صحابیوں میں سے کسی کو اگر تین دن تک نہیں دیکھتے تھے تو اس کو خود ڈھونڈنے نکل پڑتے تھے۔(۵۰)

۲-آپؐ شہر کے دور دراز علاقہ میں موجود مریضوں کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔(۵۱)

۳- جب کسی مسافر کی خدا حافظی کرتے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے لئے دعا فرماتے تھے۔(۵۲)

۴-جنگ کے خاتمے پر ضعیفوں کے پاس جا کر ان کی مدد فرماتے تھے۔(۵۳)

۵- جب کوئی آپؐ کے پاس صدقہ وزکات لے آتا تو اس کے خاندان پر درود بھیجتے تھے۔(۵۴)

۶-لوگوں کو بہترین ناموں سے پکارتے تھے۔حتی عورتوں اور بچوں کے نام بھی احترام کے ساتھ لیتے تھے۔(۵۵)

۷-اگر کبھی کسی سے کوئی پرانی چیز قرض لیتے تو واپس کرتے وقت اُسے نئی چیز دیتے۔(۵۶)

۵۰-یتفقد اصحابه (بحار، ۱۶،ص ۱۵۱)

۵۱-یعود المرضیٰ فی اقصی المدینه (بحار، ۱۶،ص ۲۲۵)

۵۲-اذا ودّع مسافراً اخذ بیده، ثم دعا له بما أراد (سنن النبی/۱۱۶)

۵۳-سنن النبی،ص ۷۱

۵۴-اذااتیٰ احد بصدقة عند رسول الله(صلی الله علیه و آله) قال: اللهم صلّ علی آل فلان.(سنن النبی/ص ۷۸)

۵۵-یدعوا اصحاب بکناهم اکراماً لهم واستمالة لقلوبهم... و یکنّی ایضاً النساء... و الصبیان فلیستلین به قلوبهم. (سنن،ص ۱۵۲)

۵۶-سنن النبی،ص ۸۸

۸-لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے۔

پیغمبر اسلامؐ کے کمالات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔لہٰذا یہی چند نمونے کافی ہیں۔ بہر حال امر بمعروف کرنے اور برائیوں سے روکنے والے کو ہر دلعزیزی اور محبوبیت کا پیکر ہونا چاہئے، اس کا پورا وجود، عالی روح اور وسعت نظر کا حامل ہونا چاہئے اور اس کے تمام اعمال عفوو بخشش پر مبنی اور صاف ستھرے ہونے چاہئیں۔

ایک اور نمونہ:

شقرانی نام کا ایک شخص شراب پی کر حضرت امام صادق علیہ السلام کے پاس آیا۔امام علیہ السلام نے پہلے اس کا کام کر کے اسے خوش کیا۔اس کے بعد ایک میٹھی گفتگو کے ذریعہ اسے نہی از منکر کیا لیکن درج ذیل دو نکتوں کی رعایت کے ساتھ۔

پہلے شراب پینے کے سلسلے میں اشارہ تک نہیں کیا۔

دوسرے اس کے ساتھ احترام کے ساتھ پیش آئے اور فرمایا: "اے شقرانی! نیک کام جس سے بھی انجام پائے خوبصورت ہے لیکن اگر تم نیک کام انجام دو تو زیبا تر ہے کیونکہ تم ہم سے منسوب ہو"۔

برا کام جس سے بھی سرزد ہو بُرا ہے لیکن اگر تم سے سرزد ہو تو بدتر ہے کیونکہ تم ہم سے وابستہ ہو۔(۵۷)

مساجد کو رونق بخشنے کے لئے- جو ایک معروف اور نیک عمل ہے- ایسے منظم پروگرام کی ضرورت ہے تاکہ تمام لوگوں کے ذہنوں میں مساجد کے بارے میں اچھی یادیں باقی رہیں۔مثلاً

اگر ڈاکٹروں کے اسناد انہیں مسجد میں منعقدہ ایک تقریب میں عطا کی جائیں۔

اگر لڑکیوں کی عقد و نکاح کی تقریبات فضول خرچی اور اصراف سے ہٹ کر مساجد میں منعقد

۵۷-بحار، ج ۴۷،ص ۳۵۰

کی جائیں۔

اگر مقابلوں کے انعامات مسجد میں تقسیم کئے جائیں۔

اگر ہر انسان مساجد کے سلسلے میں اچھی یادیں ذہن میں رکھتا ہو تو مسجدیں غم کدہ نہ بنیں گی بلکہ ہر ایک کے دل ان کی طرف کھنچیں گے۔ جس روز اپنی بیٹی کے لئے سونے کی بالیاں خریدی ہیں اگر اسی شب اسے ایک نصیحت بھی کریں۔ اگر تحفے، ہدیے، عیدی اور انعام وغیرہ دیتے وقت اس پر اچھے کام کرنے یا برے کاموں کو چھوڑنے کی نصیحت کے طور پر ایک جملہ بھی لکھ دیں تو جلدی اور بہتر نتیجہ حاصل کر سکتے ہیں۔ بے شک پہلے لوگوں کو جذب کرنا چاہئے اور اس کے بعد امر و نہی کرنی چاہئے۔

ذ- محبت کا طریقہ:

پیغمبر اسلامؐ اور آپؐ کے معصوم اہل بیتؑ کی زندگی کی تاریخ میں امر بمعروف اور نہی از منکر کے طریقوں اور ان کے طرز عمل کی ہزاروں مثالیں نظر آتی ہیں، جن میں سے ہم یہاں ان کے چند نمونے اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

۱- ایک شامی مرد نے امام حسن مجتبیٰؑ کی شان میں گستاخی کی۔ امامؑ اسے گھر لے گئے اور اس کا ایسا احترام اور خاطر تواضع کی کہ وہ شخص اپنے کئے پر پشیمان ہو گیا۔ (۵۸)

۲- ایک شخص نے امام سجاد علیہ السلام کو کچھ ناحق جملے کہے۔ حضرتؑ نے اس شخص سے فرمایا: "تجھے کوئی مشکل یا حاجت ہو تو میں اسے پورا کر سکتا ہوں"۔

اس کے بعد ایک ہزار درہم نقد اور ایک نیا لباس اسے عطا کیا۔ یہ شخص امامؑ سے رخصت

۵۸- بحار، جلد ۴۳، ص ۳۴۴

ہوتے وقت یہ جملہ کہہ رہا تھا، ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ فرزند رسول خداؐ ہیں''۔(۵۹)

۳-دوسرے خلیفہ کے ایک رشتہ دار نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے ساتھ گستاخی کی۔لوگ اسے قتل کرنا چاہتے تھے۔امامؑ نے ایسا کرنے سے لوگوں کو منع کیا۔ایک دن امام موسیٰ کاظمؑ نے اس شخص کی کھیت میں جاکر اس سے پوچھا: اس کھیتی سے تمہیں کتنے نفع کی توقع ہے؟

اس نے کہا: اس قدر۔

امامؑ نے اُسے تین سو دینار عطا کئے اور فرمایا: اسے لے لو اور اس کھیت کی درآمد بھی تمہاری اپنی ہے۔

اس طرح امام علیہ السلام نے اس شخص کو اپنی نسبت مہربان بنالیا۔(۶۰)

۴- روایات میں آیا ہے: ''جو بھی تمہارے ساتھ رابطہ توڑنا چاہے اس سے رابطہ برقرار کرا اور جو تمہارے ساتھ بُرا کرے اس کے ساتھ نیکی کرو''۔(۶۱)

۵- ایک مسیحی کا بیٹا مسلمان ہوا۔امام صادق علیہ السلام نے اس سے فرمایا: ''اب جبکہ تم مسلمان ہوگئے ہو اپنی ماں کا زیادہ احترام کرو''۔

جوں ہی اس کی ماں نے محسوس کیا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس کا بیٹا اس کے ساتھ زیادہ مہربانی اور احترام کرتا ہے، تو وہ بھی مسلمان ہوگئی۔(۶۲)

۶-حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''بعض افراد کی اصلاح احترام کے ذریعہ کی جاسکتی ہے جبکہ بعض دوسروں کی اصلاح تنبیہ کے ذریعہ ہی ممکن ہے''۔(۶۳)

۵۹-بحار، جلد ۳۶، ص ۹۵و۹۹

۶۰-بحار، جلد ۴۸، ص ۱۰۲

۶۱-بحار، ۷۱، ص ۱۵۷

۶۲-اصول کافی ۲، بر الوالدین، حدیث ۱۱

۶۳-استصلاح الاخیار باکرامهم والاشرار بتادیبهم. (بحار، ۷۵، ص ۸۲)

۷- امام سجاد علیہ السلام دعائے مکارم اخلاق میں خدائے تعالیٰ سے فرماتے ہیں:

''خدایا! مجھے ایسی توفیق عطا کر، کہ اگر کوئی میرے ساتھ ناحق اور غیر منصفانہ برتاؤ کرے، میں اس کا خیر خواہ بنوں''۔

''جو مجھے برا بھلا کہے، میں اس کی ستائش کروں''۔

''جو مجھے محروم کرے میں اسے بذل و بخشش سے نوازوں''۔

''جو مجھ سے دوری اختیار کرے میں اس سے نیکی کروں''۔ (۶۴)

۸- ایک شخص نے پیغمبر خداؐ کی عبا کو پیچھے سے ایسے کھینچا کہ عبا کے کنارہ نے پیغمبرؐ کی گردن مبارک پر خراش ڈالے۔ لوگ غضبناک ہوئے اور اُسے تنبیہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن پیغمبر گرامیؐ نے محبت سے اُن کو ایسا کرنے سے روک دیا۔

اس قسم کے جذباتی برتاؤ کی مثالیں ائمہؑ کے شاگردوں اور اصحاب میں بہت پائی جاتی ہیں ہم یہاں پر ان میں سے صرف دو نمونے پیش کرتے ہیں:

۱- ایک زمانے میں سخت قحط پڑا۔ ایک یہودی غذا حاصل کرنے کے لئے علامہ سید مرتضیٰ کے درس میں آیا اور ان سے درخواست کی کہ ان سے علم نحو پڑھنا چاہتا ہے۔ سید مرتضیٰ نے اس کی درخواست منظور کی اور حکم دیدیا کہ اس کے لئے روزانہ ایک رقم معین دی جائے۔ اس یہودی نے کچھ عرصہ تک درس پڑھا اور چند مہینے کے بعد ہی سید مرتضیٰ کے ذریعہ مسلمان ہوگیا۔ (۶۵)

۲- ایک دن مالک اشتر کھردرے کپڑے کا پیراہن اور عمامہ پہنے بازار کوفہ سے گزر رہے تھے۔ ایک شخص نے - جو مالک کو نہیں پہچانتا تھا - مالک کو اس حالت میں دیکھ کر ان سے گستاخی کی اور ایک ڈھیلا ان کی طرف پھینک دیا۔ مالک اشتر کسی قسم کے غیض و غضب کے اظہار کے بجائے

۶۴- وسدّدنی لان اُعارض من غشّنی بالنّصح واجزی من ھجرنی بالبرّ وثیب من حرمنی بالبذل واکافئ من قطعنی بالصلة واخالف من اغتابنی الی حسن الذکر وان اشکر الحسنہ واغضی عن السیئہ (دعائے مکارم الاخلاق)

۶۵- الغدیر، جلد ۸، ص ۸۱

آگے بڑھ گئے۔ بعض لوگ یہ ماجرا دیکھ رہے تھے، انہوں نے اس شخص سے کہا: ''لعنت ہو تم پر تم جانتے ہو کہ تم نے کس شخص کی بے احترامی کی ہے؟''

اس نے جواب دیا: ''نہیں!''

لوگوں نے کہا: ''یہ مالک اشتر حضرت علی علیہ السلام کے خاص صحابی ہیں''۔ یہ شخص مالک اشتر کا نام سنتے ہی کانپنے لگا اور اپنے کیے پر پشیمان ہوا۔ اس نے جا کر ان سے معافی مانگنے کا فیصلہ کیا۔ وہ مالک اشتر کے پیچھے گیا۔ اس نے مالک کو ایک مسجد میں نماز میں مشغول پایا۔ وہ نماز تمام ہونے تک انتظار کرتا رہا۔ اس کے بعد خود کو مالک کے پیروں پر گرا کر اس کے پیر چومتے معافی مانگنے لگا۔

مالک نے خندہ پیشانی اور محبت بھرے لہجے میں اس سے فرمایا:

''**فقال لاباس علیک فو اللہ مادخلت المسجد الّا لاستغفرن لک**''

''کوئی بات نہیں، خدا کی قسم میں تمہارے لئے مغفرت کی دعا کرنے کیلئے ہی مسجد میں آیا ہوں'' (٦٦)

وجدان وضمیر سے مدد لینا:

ایک شخص پیغمبر اکرمؐ کے حضور آیا اور عرض کی: ''میں ایک زنا کار ہوں''۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''کیا تم تیار ہو کہ کوئی تمہاری ناموس کے ساتھ یہ کام انجام دے؟''

اس نے کہا: ''نہیں!''

پیغمبر نے فرمایا: ''پس اب تم بھی یہ کام نہ کرنا''

٦٦۔ مجموعہ ورام، ج ۱، ص ۲، بہ نقل از اخلاق فلسفی، ج ۱، ص ۸۷

انسانی اور قومی جذبات کو ابھارنا:

امر بمعروف کے لئے جذبات کو ابھارنا ایک مؤثر اور طاقت ور وسیلہ ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے: ''کسی دوسرے کی غیبت نہ کرو کیونکہ وہ دوسرا بھی تمہارا بھائی ہے اور اسکی عزت وآبرو محترم ہے، اور وہ موجود بھی نہیں ہے کہ اپنا دفاع کرے۔ کیا کسی کو یہ پسند ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟''

غیبت کرنا اپنے بھائی کا گوشت کھانے کے مانند ہے، وہ بھی ایسے بھائی کا جو اس دنیا سے جاچکا ہے۔ (٦٧)

پیغمبر اسلامؐ بیعت کے ذریعہ، اخوت و برادری کا ماحول پیدا کر کے، گزشتہ انبیاء کے پیروں کی وفاداری کی داستانیں بیان کر کے، لوگوں سے صلاح ومشورے کر کے، غیر مسلمان بیماروں کی عیادت کر کے، آپ کو بُرا بھلا کہنے والوں سے محبت کر کے، فتح مکہ کے دن مکہ والوں کو آزاد کر کے، اور ان کے لئے عام معافی کا اعلان کر کے اور ان دیکھے لوگوں کے لئے دعائے خیر کر کے، غرض لوگوں کو خیر اور نیکی کی دعوت اور امر بمعروف اور نہی از منکر کے لئے تمام انسانی جذبات سے استفادہ فرماتے تھے۔

اگر چہ وطن پرستی بت پرستی کے مانند شرک ہے، لیکن وطن دوستی اور اپنے شہر و دیار سے محبت انسان کا ایک فطری حق ہے۔ ظالموں کا ایک کام یہ بھی ہے کہ لوگوں سے ان کا یہ فطری حق چھین کر انھیں انکے وطن سے جلاوطن کر دیں۔ (٦٨)

امر بمعروف کے لئے لوگوں کی وطن دوستی کے جذبے سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، مثلاً ان سے کہا جائے: ''وطن کی عزت اور قومی آزادی کے احترام میں آپ اس طرح عمل کریں۔ یا اس

٦٧- وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً... (حجرات/۱۲)

٦٨- قَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا (بقرہ/۲۴۶)

طرح نہ کریں''۔

بے دین ممالک اسی وطن دوستی کے جذبے کے تحت دسیوں لاکھ رضا کاروں کو محاذ جنگ کی طرف روانہ کرتے ہیں۔

تاریخ اور جغرافیہ کے مطالعہ کے سلسلے میں بھی وطن دوستی کے جذبہ سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی علاقہ کے اہم مردوں اور مثالی عورتوں کی تاریخ اس علاقہ کے جوانوں کو پڑھنے کے لئے دی جائے تو ان میں مطالعے کا مزید شوق اور جذبہ پیدا ہوگا۔ اس کے برعکس کلی طور سے تاریخ اور جغرافیہ کا تفصیلی مطالعہ کوئی خاص جذبہ اور شوق پیدا نہیں کرتا۔ بہر حال نیک کاموں کو رائج کرنے اور برے کاموں کو روکنے کے لئے قصد قربت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس سلسلے میں ہر قومی اور حب الوطنی کے جذبہ سے فائدہ اٹھانے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

ایک شخص نے اپنی ماں سے سخت کلامی کی تھی۔ دوسرے دن امام صادق علیہ السلام نے اس شخص کو دیکھ کر اس سے فرمایا: ''اپنی ماں سے گستاخی کیوں کی؟ کیا تم نہیں جانتے ہو کہ تمہاری ماں کا شکم تمہارا مسکن تھا؟ اسکی گود تمہارا گہوارہ تھی؟ اور اس کے سینے تمہارے لئے غذا فراہم کرتے تھے؟''

اس کے بعد فرمایا: ''آئندہ اس کے ساتھ سختی سے پیش نہ آنا''۔ (۶۹)

مخفی نصیحت:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ: جو بھی اپنے دینی بھائی کو پوشیدہ طور سے وعظ و نصیحت کرے تو گویا اس نے اسے سجایا اور احترام کیا ہے اور جو مجمع عام میں وعظ و نصیحت کرے اس نے اس کی بے

۶۹-اما علمت ان بطنها منزل قد سكنته، و أن حجرها مهد قد غمزته، و ثديها وعاء قد شربتها ؟ قال قلت: بلى قال : فلا تغلظ لها. (بحار،۷۱،ص۷۶)

احترامی کی ہے۔(۷۰)

وعظ و نصیحت مختصر ہو:

حدیث شریف میں آیا ہے: ''اذا وعظت فاوجز'' ''اگر کسی کو وعظ و نصیحت کرنا ہو تو مختصر کرو''۔

بعض اوقات چھوٹے جملوں اور مختصر بات کے اثرات طولانی بحث و مباحثہ سے زیادہ ہوتے ہیں اور آسانی سے انسان کے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ انھیں یاد کرنے اور لکھنے مین بھی آسانی ہوتی ہے۔

وعدہ وعید:

امر بمعروف اور نہی از منکر کا ایک طریقہ اولیائے خدا کے وعدے بیان کرنا ہے۔ چونکہ انسان کو ایک نیک کام انجام دینے اور برے کام سے روکنے کے لئے ایک محرّک کی ضرورت ہوتی ہے، اور یہ وعدے ان کے لئے بہترین محرک ہو سکتے ہیں۔ انبیاء لوگوں سے کہتے تھے: ''تم لوگ گمراہیوں سے اپنے آپ کو بچاؤ اور توبہ کرو، خدا تم لوگوں کو بہترین طریقے سے کامیاب کرے گا''۔(۷۱)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: ''میں علی بن یقطین کے لئے بہشت اور شفاعت کی ضمانت لیتا ہوں''۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص سے - جو اپنے درخت کی دیکھ بھال کے بہانے مالک باغ کے اہل وعیال کے لئے باعث زحمت بنتا تھا - فرمایا: ''اگر تم اس ایک درخت کو

۷۰- من وعظ اخاه سراً فقد زانه ومن وعظه علانیة فقد شانه۔ (بحار، ج۷۵، ص۳۷۴)

۷۱- وَاَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعاً حَسَناً اِلٰى اَجَلٍ مُسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ (ہود/۳)

بخش دو تو میں تمہارے لئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں''لیکن وہ شخص نہیں مانا۔

امام صادق علیہ السلام نے ایک شخص، جو بنی امیہ کی حکومت میں مالیات جمع کرتا تھا، سے فرمایا: ''اگر توبہ کرلو تو میں تمہارے لئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں''۔

وعید بھی منکرات کو ترک کرنے میں کارساز ہوتی ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے: ''طاغوت کی پیروی کرنے والے دنیا وآخرت میں غضب ولعنت خدا سے دوچار ہوں گے''۔ (۷۲)

خلاصہ یہ کہ انسان کے اعمال وکردار میں اولیائے خدا کی دعائیں یا ان کی ملامت بہت مؤثر ہوتی ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ کے چوبیسویں خطبہ میں فرماتے ہیں: ''اگر تم لوگ خدا کی راہ میں قدم بڑھاؤ اور فریضہ الٰہی انجام دینے کے بعد دنیا میں کامیاب بھی نہ ہو جب بھی میں قیامت کے دن تمہاری کامیابی کا ضامن ہوں''۔ (۷۳)

تعلیم کے طریقے:

امر ونہی کرنے والا اگر اپنے امر ونہی کے راز ورمز کو بیان کردے، تو زیادہ کامیاب ہوسکتا ہے۔ لیکن بعض اوقات خدا کے اوامر ونواہی کے دلائل واسرار پیچیدہ ہوتے ہیں، کبھی امر ونہی آزمائش کے لئے ہوتے ہیں، بعض اوقات اس کے دلائل کو سمجھنے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے اور بعض اوقات حکم کے آگے تسلیم ہوجانا بذات خود سبب اور دلیل ہوتا ہے۔ (۷۴)

لیکن بہت سے امر ونہی کی بنیاد دلیل ومنطق پر مبنی ہے اور اگر ہم انھیں لوگوں میں بیان کریں

۷۲- وَاتَّبَعُوا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ. وَ اُتْبِعُوا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (ہود/۵۹و۶۰)

۷۳- واتقوا الله عباد الله و فرّوا الى الله من الله.

۷۴- ایک علمی دورہ کے دوران حضرت موسیٰ حضرت خضرؑ کے کاموں سے انتہائی تعجب اور حیرت میں پڑے لیکن جوں ہی حضرت خضرؑ نے اپنے ان کاموں کے دلائل بیان کئے، حضرت موسیٰ کو سکون ملا۔ (کہف/۸۲-۶۳)

تو جلد نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں۔لہٰذا آیات وروایات میں بہت سے دلائل کی طرف اشارہ ہوا ہے، من جملہ:

نماز کے حکم کا فلسفہ خدا کی یاد ہے۔اس کی یاد دلوں کو آرام دینے کا تنہا وسیلہ ہے(۷۵)۔نماز کا دوسرا فلسفہ خدا کا شکرادا کرنا ہے۔(۷۶)

نماز کا تیسرا فلسفہ یہ ہے کہ نماز آپ کو فحشا اور منکر سے روکتی ہے۔(۷۷)

روزہ رکھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان میں تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔(۷۸)

جہاد کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ زمین پر فتنہ وفساد کو روکا جائے کہ اگر ایک گروہ اٹھ کر ظالموں کا مقابلہ نہ کرے تو زمین پر فتنہ وفساد پھیل جائے گا۔(۷۹)

خمس وزکات کا فلسفہ فقر وپسماندگی کو دور کرنا، دینی تبلیغات کی حمایت، اسیروں کی آزادی، فقیر ہوگئے لوگوں، زکات کے مأمورین اور ابن السبیل کی مدد کرنا، دوسروں کے دل جیتنا اور ایسے ہی دیگر امور ہیں۔

حج کا فلسفہ، ملت اسلامیہ کا ایک مقام پر جمع ہونا ہے جس کے بہت سے فواید کے بارے میں قرآن مجید میں اشارہ ہوا ہے(۸۰)۔بیشک اسلامی تعلیمات کے راز ورمز اور فلسفہ سے آگاہی اس امر میں کامیابی کا بہترین طریقہ ہے۔

۷۵-اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی(طٰہٰ/۱۴)،اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوب(رعد/۲۸)

۷۶-اُعْبُدُوا رَبَّکُمُ الَّذِی خَلَقَکُم(بقرہ/۲۱)

۷۷-اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (عنکبوت/۴۵)

۷۸-کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیامُ...لَعَلَّکُمْ تَتَّقُونَ(بقرہ/۱۸۳)

۷۹-وَلَوْلاَ دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ...(بقرہ/۲۵۱)

۸۰-لِیَشْھَدُوا مَنَافِعَ لَھُمْ(حج/۲۸)

آ گاہ کرنا:

بہت سے لوگ ایسے ہیں، جو اپنی برائیوں کے اثرات اور خطرات سے بے خبر ہیں اور ضروری معلومات نہیں رکھتے۔ ایسے لوگ جوں ہی ایک خطرہ، جیسے سگریٹ کے خطرات سے آ گاہ ہوتے ہیں فوراً اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر لوگ بعض بیماریوں، معلول اور ناقص الخلقہ بچوں کی پیدائش کے دلائل جانتے ہوں اور شروع سے ہی اس کی روک تھام کریں تو ان حوادث اور مصیبتوں سے دوچار نہ ہوں گے۔ مثال کے طور پر اگر میاں بیوی ہمبستری کے وقت بعض ہدایات کو ملحوظ نہ رکھیں تو ممکن ہے ان کے بچہ میں ایسا نقص پیدا ہو جائے کہ والدین اور بچے کو پوری عمر عذاب میں مبتلا رہنا پڑے۔ خوش قسمتی سے یہ ہدایتیں اسلامی روایتوں میں ذکر ہوئی ہیں۔ کاش کہ تمام میاں بیوی شادی سے پہلے ایک تربیتی کلاس میں اس قسم کی معلومات و آ گاہی حاصل کرتے!

ایک دانا باورچی سنگترے کے چھلکے سے بہترین مربا تیار کرتا ہے، لیکن ایک نا آ گاہ باورچی بہترین چیز کو ضائع کر دیتا ہے۔

ایک تجربہ کار ڈرائیور ایک سادہ اور معمولی گاڑی کے ذریعہ بہت سے سفر کرتا ہے لیکن اس کے برخلاف ایک ناتجربہ کار ڈرائیور اچھی سی اچھی اور جدید ترین گاڑی کو لے کر کسی کھڈ میں جا گرتا ہے۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: ''لوگوں کا سب سے اہم مسئلہ، آ گاہی ہے۔ اگر لوگ ہماری، یعنی اہل بیت پیغمبر کی باتوں کو جان لیں، تو قطعاً ہمارے طرفدار بن جائیں گے''۔ (۸۱)

لہٰذا حدیث شریف میں آیا ہے: ''خدائے تعالیٰ نے علما سے عہد لیا ہے کہ جاہلوں کی تربیت

۸۱- ان الناس لو علموا محاسن کلامنا لا تبعونا۔ (وسائل، ج۱۸، ص۶۵، حدیث۵۲)

کریں''۔(۸۲)

بے شک اگر تیراکی، ڈرائیونگ، ہنراور فنکاری کی ٹریننگ اور تربیت نہ ہوتی تو کس قدر خطرات رونما ہوتے اور کتنا سرمایہ اور کتنی جانیں ضائع ہو جاتیں؟!

واقعہ:

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک خاتون کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے۔ ایک آدمی وہاں سے گزرا۔ آنحضرتؐ نے اس شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''یہ میری بیوی ہے۔ بہتر ہے کہ میں تمہیں اس حقیقت سے پہلے ہی آگاہ کردوں تا کہ تم بدظنی کا شکار ہو کر گناہ کا ارتکاب نہ کرلو''۔

پیغمبر خداؐ کا آگاہ کرنے کا یہ طریقہ سوءظن سے بچنے کا بہترین اور سادہ ترین طریقہ ہے۔

واقعہ:

ایک مہمان امام محمد باقر علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوا اور اپنے دل میں سوچنے لگا: ''امامؑ کا کمرہ کیوں اس قدر خوبصورت اور سجا ہوا ہے؟

امام علیہ السلام مہمان کے خیال کی طرف متوجہ ہوئے۔ گھر سے رخصت کرتے ہوئے مہمان سے فرمایا: کل بھی ہمارے ہاں آنا۔ دوسرے دن جب یہ مہمان آیا، امامؑ اسے ایک سادہ کمرہ میں لے گئے اور فرمایا: ''کل جو کمرہ تم نے دیکھا تھا وہ میری بیوی کے سرمایہ سے بنا ہے۔ وہ مالک اور آزاد ہے اور پسند کرتی ہے کہ اس کا کمرہ سجا سجایا اور خوبصورت ہو۔ لیکن میرا کمرہ یہی ہے جسکی سادگی ہر طرف سے نمایاں ہے۔

ناآگاہ لوگوں کو آگاہ کرنے کا امامؑ کا یہ طریقہ سوءظن، تہمت، غیبت اور عیش پرستی جیسے منکرات کو روکنے کا ایک اچھا طریقہ ہے۔

۸۲-اخذ علی العلماء ان یعلموا. (بحار، ج ۲، ۷۸)

تعلیم دینے کو معمولی نہ سمجھیں:

میں نے حادثات کے ہسپتال میں ایک بیمار کو دیکھا کہ اس کا پورا بدن جل چکا تھا۔ میں نے اس کا سبب پوچھا۔

مجھے بتایا گیا: ''اس خاتون نے دیکھا کہ لیمپ میں مٹی کا تیل ختم ہو رہا ہے۔ اس نے جلتے ہوئے چراغ میں تیل ڈال دیا۔ لیمپ بھڑک اٹھا، چونکہ اس خاتون کے کپڑے نائیلون کے بنے ہوئے تھے اسلئے یہ حادثہ پیش آیا۔ اگر ریڈیو ٹی-وی سے یہ تعلیم دی گئی ہوتی کہ جلتے ہوئے لیمپ میں تیل نہ ڈالا جائے تو یہ حادثہ پیش نہ آتا۔

دور نہ جائیں۔ یہی جو ہم روزانہ ایک کلو سبزی استعمال کرتے ہیں، اس کے لئے کتنی دفعہ کرایہ کے پیسے خرچ کرتے ہیں، ہم ایک بار سبزی کو کھیت سے مٹی سمیت ٹرک میں شہر کی سبزی منڈی تک لاتے ہیں ٹرک والا اس کے لئے کرایہ لیتا ہے۔ دوسری دفعہ سبزی فروش اسے سبزی منڈی سے خرید کر دوکان پر لاتے ہیں اور پھر کرایہ دیتے ہیں۔ تیسری بار ہم دو کلو سبزی خرید کر گھر لاتے ہیں اور صاف کرنے کے بعد اس میں سے ایک کلو صاف سبزی الگ کر کے بقیہ کچرا کوڑے دان میں ڈالتے ہیں۔ چوتھی دفعہ میونسپلٹی کی گاڑی بھاری اخراجات کے ساتھ اسی سبزی کے کچرے کو شہر سے باہر لے جاتی ہے۔ غور کیجئے کہ ہم ایک کلو سبزی کے مٹی وغیرہ کیلئے چار بار کرایہ کے اخراجات برداشت کرتے ہیں۔ لیکن اسی سبزی کو صحیح تعلیم و تربیت کے ذریعہ کھیت میں ہی صاف کر کے صرف قابل مصرف سبزی کو پلاسٹک میں رکھ کر دوکان تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ اس طرح بہت سے بیکار افراد کو کھیتوں میں سبزی صاف کرنے پر لگا کر ان کے لئے روزگار کے مواقع فراہم کئے جاسکتے ہیں۔ یہ بذات خود ہم وطنوں کے لئے ایک خدمت ہے۔ میرے خیال میں پانی پینے، راستہ چلنے، ناخن کاٹنے جیسے سادہ اور جزئی مسائل کے لئے بھی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے تا کہ

اخراجات بھی کم ہوں اور دیگر فوائد بھی حاصل ہو جائیں۔

آج کل یونیورسٹیوں میں امکانات سے بہتر طور پر فائدہ اٹھانے کے لئے کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں۔ ان سب کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو آگاہ کیا جائے کہ مختصر امکانات کے باوجود زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ نہی از منکر میں اہم قدم یہ ہے کہ لوگوں کو مفاسد کے خطرات سے آگاہ کیا جائے۔

سہل و آسان بنانا:

بعض اوقات گناہگار تصور کرتے ہیں کہ ترکِ گناہ یا کسی نیک کام کو انجام دینا ان کے لئے مشکل ہے۔ امر بمعروف اور نہی از منکر کا ایک طریقہ یہی ہے کہ ہم بتائیں کہ یہ کام ممکن اور آسان ہے اور لوگوں سے کہیں: ''نیک کام انجام دینا کوئی مشکل نہیں بلکہ آسان ہے''۔ اس سلسلے میں ہم نمونے پیش کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

۱- کیا اس شخص نے بڑی عمر میں پڑھائی شروع نہیں کی؟ لیکن اب وہ لکھ پڑھ سکتا ہے۔

۲- کیا فلاں شخص تم سے ضعیف و کمزور نہ تھا پھر بھی حج پر جا کر صحیح و سالم واپس چلا آیا؟

۳- کیا فلاں سگریٹ یا چرس پینے والے نے اپنی عادت نہیں چھوڑی؟

۴- کیا فلاں شخص نے اپنی بیٹی یا بیٹے کی جلد شادی کر کے خیر و برکت نہ پائی؟

۵- کیا فلاں شخص نے ایک گمنام خاندان سے اپنی شریک حیات کا انتخاب کر کے خوشحال زندگی نہ پائی؟

۶- کیا فلاں شخص نے سادہ طور پر شادی کر کے نقصان اٹھایا ہے؟

بہر حال بعض افراد برے کاموں میں مبتلا ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ان بُرے کاموں سے نجات نہیں پا سکیں گے، مثلاً کہتے ہیں: ہم طویل مدت سے داڑھی مونڈتے چلے آیے ہیں۔

یا: فلاں شخص کے ساتھ طویل عرصہ سے ہماری دوستی چلی آ رہی ہے۔

یا: ہم فلاں گناہگار کے شریک کار ہیں اور آپس میں دوستی کا عہد و پیمان رکھتے ہیں۔

یا: میں نے ہر ایک سے یہ کہہ دیا ہے کہ میرا ارادہ یوں ہے، اب کس طرح کہوں کہ یہ کام بُرا ہے؟

قرآن مجید اور روایات میں ایسے نمونے ملتے ہیں کہ اگر انسان مصمم ارادہ کر لے تو اس کے لئے تمام کام آسان ہو سکتے ہیں۔ فرعون کی بیوی طاغوتی محل کے اندر موسیٰ کی حامی تھیں۔ موسیٰ سے مقابلہ کرنے کے لئے جو جادوگر آئے تھے، اچانک حضرت موسیٰ کے حامی بن گئے۔ نمونوں اور مثالوں کو تاریخ سے اور فلموں کے ذریعہ بیان کرنا منکرات کو ترک کرنے اور نیکیاں انجام دینے کے عمل کو آسان بنانے کا ایک طریقہ ہے۔

نمونہ سازی:

کامیاب چہروں کو پہچنوانا، ان کی قدر دانی وتشویق کرنا، لوگوں کو حق کی طرف مائل کرنا اور گمراہ چہروں کی تحقیر وملامت کرنا ایسے عوامل ہیں جو لوگوں کو امر بمعروف اور نہی از منکر کرنے میں مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں۔ یہی لوگ جو ہر سال عاشورا کے دن ''یا حسینؑ!'' کی فریاد بلند کرتے ہیں، حقیقت میں امامت، عصمت ومظلومیت کے حق میں اپنی حمایت کا اعلان کرتے ہیں۔ یہ جو خدا اور اولیائے خدا کے دشمنوں سے بیزاری اور ان پر لعنت وملامت کی اتنی تاکید کی گئی ہے، یہ اس لئے ہے کہ لوگ ان لوگوں کو اختیار کرنے سے بچیں۔ قرآن مجید فرماتا ہے: ''دنیا کے تمام لوگ فرعون کی بیوی سے سبق حاصل کریں، کہ کس طرح وہ فرعون کے مال ومقام اور طاقت سے مرعوب نہ ہوئیں!(۸۳)

۸۳۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَةَ فِرْعَوْنَ (تحریم/۱۱)

خدائے تعالیٰ نے فرعون کی بیوی کی تعریف و تمجید کر کے انھیں تمام لوگوں کے لئے مثال اور نمونہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ پر فرماتا ہے کہ: ''لوگوں کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمدؐ کی پیروی کرنی چاہیے، کیونکہ یہ دونوں بزرگوار اسوہ اور نمونہ ہیں''۔ (۸۴)

بہت سے امور میں نمونہ، مثالی اور برائیوں سے ٹکر لینے والے افراد کو پہچنوانے کی ضرورت ہے۔ مندرجہ ذیل چند مثالیں قابل غور ہیں:

۱- جوں ہی ایک آدمی اپنی اذان کے ذریعہ خاموشی کو توڑتا ہے تو دوسروں کے لئے بھی اذان دینے کا راستہ ہموار ہو جاتا ہے۔

۲- ہوائی جہاز میں جوں ہی ایک آدمی کھڑا ہو کر نماز میں مشغول ہوتا ہے، دوسرے شائقین نماز کے لئے بھی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔

۳- جیسے ہی ایک تریاک کا عادی شخص تریاک ترک کرتا ہے تو وہ دوسرے نشہ کے عادی لوگوں کے لئے نمونہ بن سکتا ہے۔

۴- جب ایک آدمی دینی طالب علم یا یونیورسٹی کا طالب علم بن جاتا ہے تو وہ اپنے دوسرے دوستوں کو متاثر کرتا ہے۔

طنز و مزاح کی صورت میں نہی از منکر:

ایک دن بہلول نے دیکھا کہ کچھ مزدور مسجد تعمیر کرنے میں مشغول ہیں انہوں نے ان سے پوچھا کہ اس مسجد کا بانی کون ہے؟

جواب ملا: ہارون رشید۔

بہلول نے سنگتراش سے کہا کہ ایک پتھر پر یہ عبارت لکھدو: ''بانی مسجد، بہلول!''

سنگتراش نے ایک پتھر پر یہ عبارت کندہ کر کے بہلول کے حوالے کر دیا۔ بہلول نے رات

۸۴- لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب/۲۱)

کے اندھیرے میں ایک سیڑھی سے چڑھ کر اس پتھر کو مسجد کے صدر دروازہ کے اوپر نصب کر دیا۔ دوسرے دن مزدوروں نے وہ پتھر دیکھ کر ہارون رشید کو اس کی خبر دی۔ ہارون رشید نے بہلول کو بلا کر ان سے پوچھا کہ اس مسجد کا بانی تو میں ہوں تم نے کیسے اس پر اپنا نام نصب کیا ہے؟

بہلول نے جواب میں کہا: تم اگر خدا کے لئے مسجد بنا رہے ہو تو میرے نام کو رہنے دو، خدا تو جانتا ہے کہ اصل میں بانی کون ہے۔

اور بہلول نے اس طنز و مزاح کے ذریعہ ہارون رشید کو سمجھایا کہ تم میں اخلاص نہیں ہے۔

ایک دن بہلول ہارون رشید کی مجلس میں داخل ہوئے۔ چونکہ ہارون رشید ابھی نہیں آیا تھا اسلئے بہلول اسکی جگہ پر جا کر بیٹھ گئے۔ خادموں نے انھیں وہاں سے اٹھایا اور پٹائی کی۔ جوں ہی ہارون مجلس میں داخل ہوا، بہلول نے اس سے کہا: ''میں چند منٹ تمہاری جگہ پر بیٹھا تھا، میری پٹائی ہوگئی، افسوس ہے تمہارے حال پر کہ ایک عمر سے اہل بیت پیغمبر کی جگہ پر بیٹھ رہے ہو!''

بہلول نے اس طنز کے ذریعہ ہارون کو سمجھایا کہ: ''اس کا راستہ باطل اور اس کی حکومت غصبی ہے''۔

ثواب وعذاب کا بیان:

ایک اور طریقہ جس سے لوگوں میں معروف کی انجام دہی اور منکرات سے دوری کے محرّکات کو تقویت دی جا سکتی ہے، نیک کاموں کی جزا اور برے کاموں کی سزا کو بیان کرنا ہے، قرآن مجید اور روایات میں اس سلسلے میں سیکڑوں جملے نظر آتے ہیں۔ ہمارے علماء نے ثواب و عذاب کے موضوع پر کئی کتابیں بھی لکھی ہیں۔

گناہوں کی سزا سے آگاہی، امتوں کے زوال کے اسباب، اقوام کی ذلت وعزّت کی تاریخ سے اگاہی اور گناہ سے اپنے آپ کو بچانے والوں پر خدا کے لطف وعنایتوں کو بیان کرنا ایک

عظیم تعمیری کام ہے۔ حضرت یوسفؑ نے اپنی عظمت کے راز کو اپنے بھائیوں کے سامنے ایک جملہ میں بیان فرمایا﴿انّہ من یتّق ویصبر فانّ اللہ لا یُضیع اجر المحسنین﴾(۸۵) ''بھائیو! جان لو جو تقویٰ اور صبر اختیار کرتا ہے خدا اسکی جزا کو ضائع نہیں کرتا''

بہر حال نیکیوں کی جزا و ثواب اور منکرات کی سزا و عذاب بیان کرنا نیک کاموں کو انجام دینے اور بُرے کاموں سے روکنے کا ایک اچھا طریقہ ہے۔

تدریجی طریقہ:

جس طرح شیطان انسان کو رفتہ رفتہ بُرائی اور فساد میں پھساتا ہے(۸۶)، اصلاح اور امر بمعروف بھی قدم بہ قدم انجام پانا چاہئے۔ شراب کو حرام قرار دینے کے سلسلے میں ہم اسی طریقہ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ شراب پینا چند مرحلوں میں ممنوع قرار پایا:

پہلا مرحلہ: قرآن مجید نے فرمایا: ''انگور سے بہتر رزق بھی بنایا جا سکتا ہے اور مست کرنے والا سیال بھی''۔(۸۷)

دوسرا مرحلہ: قرآن مجید نے فرمایا: ''اگر چہ جوا اور شراب میں کچھ فائدہ بھی پایا جاتا ہے، لیکن اس کا نقصان فائدہ سے زیادہ ہے''۔ اس طرح قرآن شراب کے منکر ہونے کا اعلان کرتا ہے''۔(۸۸)

تیسرا مرحلہ: قرآن کریم نے فرمایا: ''نماز کی حلات میں مست نہ ہو''۔(۸۹)

۸۵-یوسف/۹۰

۸۶-لاَ تتّبِعُوا خُطُواتِ الشّیطانِ (بقرہ/۱۶۸)

۸۷-تتّخِذُونَ مِنہُ سَکَراً وَرِزْقاً حَسَناً (نحل/۶۷)

۸۸-وَمَنَافِعُ لِلنّاسِ وَ اِثْمُھُمَا اَکْبَرُ... (بقرہ/۲۱۹)

۸۹-لاَ تَقْرَبُوا الصّلٰوۃَ وَ اَنْتُمْ سُکَارٰی (نسا/۴۳)

چوتھا مرحلہ: قرآن مجید نے فرمایا: ''شراب کلی طور پر حرام ہے۔ خواہ اس سے مست ہو جاؤ یا نہ ہو۔ کم ہو یا زیادہ ہو، نماز کی حالت میں ہو یا اس کے علاوہ''۔(۹۰)

یہ مرحلہ وار طریقہ زمان و تاریخ کی حد بندی سے آزاد ہے اور جغرافیائی وسعت میں بھی یہ ایک معقول طریقہ ہے۔ جس طرح پیغمبر اسلام پہلے انفرادی طور سے تقویٰ و پرہیز گاری کی دعوت دیتے ہیں(۹۱)۔ اس کے بعد اپنے رشتہ داروں(۹۲) کو متنبہ فرماتے ہیں اور اس کے بعد اہل مکہ اور مکہ کے اطراف(۹۳) اور آخر میں تمام اہل زمین سے خطاب فرماتے ہیں(۹۴)۔

سود کے بارے میں بھی یہی مراحل نظر آتے ہیں اور سود چند مراحل میں حرام قرار پایا ہے:

پہلا مرحلہ: قرآن مجید فرماتا ہے: ''جو نفع تمہارے مال میں سود کے ذریعہ اضافہ ہوتا ہے، خدا کے نزدیک وہ اضافہ نہیں ہے۔(۹۵)

دوسرا مرحلہ: ''قرآن مجید سود خوری کو یہودیوں کی بری عادت شمار کرتا ہے۔(۹۶)

تیسرا مرحلہ: قرآن مجید انسان کو اضافہ اور زیادہ سود سے منع کرتا ہے۔(۹۷)

چوتھا مرحلہ: قرآن مجید سود لینے کو خدا سے اعلان جنگ کے برابر قرار دیتا ہے۔(۹۸)

تدریجاً اور قدم بہ قدم اقدام تربیت کا ایک اصول شمار ہوتا ہے۔ کفار کا ایک اعتراض یہ تھا

۹۰-اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ... رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ (مائدہ/۹۰)

۹۱-وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ * وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (مدثر/۴و۵)

۹۲-وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (شعراء/۲۱۴)

۹۳-لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (انعام/۹۲)

۹۴-وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ... (سباء/۲۸)

۹۵-فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللهِ (روم/۳۹)

۹۶-وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ (نساء/۱۶۱)

۹۷-لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً (آل عمران/۱۳۰)

۹۸-فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللهِ وَرَسُولِهِ (بقرہ/۲۷۹)

کہ: ''کیوں قرآن مجید مکمل ایک ہی بار پیغمبر اسلامؐ پر نازل نہ ہوا؟

قرآن مجید فرماتا ہے: ''تدریجی نزول روح کے سکون کے لئے مؤثر ہے''۔(۹۹)

تکرار کا طریقہ:

تربیت اور تعلیم میں بہت سے فرق ہیں۔ ان میں سے ایک فرق یہ ہے کہ تربیت میں تکرار ایک ضروری اصل ہے، جبکہ تعلیم میں جوں ہی شاگرد ایک مطلب سمجھ گیا پھر اس میں تکرار کی ضرورت نہیں ہوتی۔

چونکہ اسلام کا منصوبہ صرف تعلیمی نہیں ہے بلکہ تربیتی بھی ہے، لہٰذا اس میں تکرار ضروری ہے، ہم ہر دن رات چند بار نماز پڑھتے ہیں۔ خدا پر ایمان کا حساب و کتاب خدا کی یاد سے جدا ہے۔ قرآن مجید کسی کے بارے میں فرماتا ہے: ''وہ خدا پر ایمان نہیں رکھتا ہے''۔(۱۰۰)

لیکن بعض دوسروں کے بارے میں فرماتا ہے: ''وہ خدا کو فراموش کر گئے ہیں''۔(۱۰۱)

ہم خدائے تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اُسے فراموش کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہئے اس کی یاد سے اپنے ایمان کو شگفتہ کریں۔ معاد کے بارے میں بھی یہی مفہوم ہے، یعنی بعض لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے (۱۰۲) لیکن بعض دوسرے ایمان رکھتے ہیں، لیکن فراموش کر بیٹھتے ہیں۔ (۱۰۳)

بہر حال انسان اس قدر فراموش کار ہے کہ اسے کبھی کبھی یاد دہانی کرنا بھی کافی نہیں ہے۔

۹۹-وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ (فرقان/۳۲)

۱۰۰-اِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ (الحاقۃ/۳۳)

۱۰۱-نَسُوا اللَّهَ (توبہ/۶۷)

۱۰۲-اِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ (نجم/۲۷)

۱۰۳-نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ (ص/۲۶)

لہٰذا قرآن مجید فرماتا ہے کہ: ''اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو'' (۱۰۴)

انسان میں فراموش کاری اس حد تک ہے کہ اسلام میں تاکید اور سفارش ہوئی ہے ہر شب و روز پانچ مرتبہ ایک بلندی پر جاکر تیز اور خوش لحن انداز میں آواز بلند کی جائے: ''حی علی الصلوٰۃ''، البتہ ہر روز یہ اور اس سے مشابہ جملے ستر بار فضا میں تکرار ہونے چاہئیں۔ (۱۰۵)

ہر نماز میں سورۂ حمد کی تکرار اسقدر ضروری ہے کہ اس سورہ کے بغیر نماز ہی نہیں ہے (۱۰۶)۔ خود سورہ حمد میں ایاک، صراط، رحمٰن اور رحیم کی تکرار موجود ہے۔ بعض مفسرین کے مطابق خود سورہ حمد دوبار نازل ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ملائکہ کے حضرت آدم پر سجدہ اور ابلیس کے تکبر کی داستان، موسیٰ و فرعون کا قصہ، نوحؑ اور اس کی ہٹ دھرم قوم کی کہانی اور ایسی ہی بہت سی دوسری داستانیں بارہا تکرار ہوئی ہیں۔ فخر الدین رازی نے قرآن میں تکرار اور اس کے آثار و فوائد کے سلسلے میں اپنی تفسیر میں دس نکات بیان کئے ہیں۔ سورۂ رحمٰن میں ایک آیت تیس سے زیادہ بار تکرار ہوئی ہے۔

بہرحال غفلت اور فراموشی کے لئے ہر لحہ ایک یاددہانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ ایک نماز میں رکوع، سجود اور قیام کے دوران دسیوں بار جملۂ ''اللہ اکبر'' کی تکرار کرتے ہیں۔

خدا کی یاد روح کی غذا ہے جسم کی غذا کی طرح اس کی بھی تکرار ہونی چاہئے۔ قرآن مجید میں آیۂ شریفہ ﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾ ایک سو چودہ بار تکرار ہوئی ہے۔ اسلام نے ہمیں

۱۰۴- وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا (انفال/۴۵)

۱۰۵- ہم شب و روز کے دوران پانچ نمازیں پڑھتے ہیں اور ہر نماز میں ایک اذان اور ایک اقامت ہے اور ان میں کچھ جملے تکرار ہوتے ہیں یعنی شب و روز کی دس اذان و اقامت میں دو بار '' حی علیٰ الصلوۃ'' پڑھتے ہیں (یعنی ۲۰ بار) اور دو بار ''حی علیٰ الفلاح'' پڑھتے ہیں (یعنی ۲۰ بار) اور دو بار حی علیٰ خیر العمل '' پڑھتے ہیں (یعنی ۲۰ بار) اور پانچ اقامت میں دو بار ''قد قامۃ الصلوٰۃ'' پڑھتے ہیں (یعنی ۱۰ بار) ان سب کا حاصل ۷۰ ہوتا ہے۔

۱۰۶- لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب (مستدرک، ج ۴، ص ۱۵۸)

تاکید فرمائی ہے کہ اگر دستر خوان پر کئی قسم کی غذائیں موجود ہوں تو ہر ایک غذا کے لئے الگ الگ بسم اللہ کہنا چاہئے۔ اسلام کے تربیتی مکتب میں دن کے تمام گھنٹوں کے لئے جدا جدا اور مخصوص دعائیں بیان ہوئی ہیں کہ اگر کسی کو پہلے اور دوسرے گھنٹے میں فرصت نہ ملی تو تیسرے گھنٹے کی خاص دعا پڑھ سکتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے ایک ائرپورٹ پر ہر ایک گھنٹے کے بعد ایک ہوائی جہاز پرواز کرتا ہے اور مسافر جس پرواز میں چاہے اس میں سوار ہو سکتا ہے۔

بہت سے لوگ جو گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں، صرف ایک تذکر و یاددہانی سے گناہ ترک نہیں کرتے، لہٰذا ہر ایک انسان کو تذکر دینا چاہئے، حتیٰ بعض افراد کو کئی بار تذکر و یاددہانی ضروری ہے۔ آپ جب بیمار ہونے کی صورت میں ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں تو اس کے پاس اتنی بار جاتے ہیں کہ صحت یاب ہو جائیں۔ کوئی بیمار ہرگز یہ نہیں کہتا ہے کہ چونکہ ایک ڈاکٹر کے پاس جا کر صحت یاب نہیں ہوا، اسلئے کسی اور ڈاکٹر کے پاس نہ جاؤں گا اور کوئی دوا نہ کھاؤں گا۔

مدارات:

حضرت ابراہیمؑ نے جوں ہی ستارہ پرستوں کو دیکھا، فرمایا: ''یہ ستارہ میرا پروردگار ہے'' لیکن جوں ہی ستارہ ڈوب گیا، فرمایا: ''میں ڈوبنے والوں کو دوست نہیں رکھتا''

چاند کو دیکھ کر کہا: ''یہ میرا پروردگار ہے''

جب چاند غائب ہو گیا تو کہا: ''اگر میرا حقیقی پروردگار میری ہدایت نہ کرے تو میں قطعاً گمراہوں میں شامل ہو جاؤں''

تیسری بار سورج کو دیکھا اور کہا: ''یہ ستارہ اور چاند سے بڑا ہے، لہٰذا یہ میرا پروردگار ہے''۔ جب سورج بھی ڈوب گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ''میں ہر اس چیز سے بیزار ہوں جسے تم لوگ خدا کا شریک بناتے ہو''۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ خدا پرست تھے، کیونکہ انہوں نے ستارہ، چاند اور سورج کی پوجا کرنے والوں سے گفتگو کے آخر میں فرمایا: " میں تمہارے، شرک سے بیزار ہوں"۔ یہ نہیں فرمایا کہ: "میں اپنے شرک سے بیزار ہوں"۔

آپؑ نے جو چاند، ستارہ اور سورج کو مخاطب ہوتے ہوئے چند بار کہا کہ" یہ میرا پروردگار ہے"۔ اس کا فلسفہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے سب سے بڑے منکرات یعنی شرک کی نہی کے لئے مدارا کا طریقہ اختیار کیا اور رفتہ رفتہ اپنے اعتراضات اور تنقید میں اضافہ فرماتے گئے۔

یعنی پہلی مرتبہ فرمایا: "میں ڈوبنے والوں کو دوست نہیں رکھتا" ﴿انّی لااحب الأفلین﴾

دوسری مرتبہ فرمایا: "چاند کی پوجا ایک گمراہی ہے خدا ہمیں اس میں مبتلا نہ کرے" ﴿لئن لم یهدنی ربّی...﴾

تیسری مرتبہ فرمایا: "میں ہر اس چیز سے بیزار ہوں جسے تم لوگ خدا کا شریک قرار دیتے ہو" "انّی بریٔ ممّا تشرکون"

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اس مدارات کے ذریعہ لوگوں کو سمجھایا کہ نابود ہونے والا موجود، ہرگز خدا نہیں ہوسکتا ہے، خواہ وہ ستارہ جیسا چھوٹا ہو یا سورج جیسا بڑا۔

انہوں نے لوگوں کو سمجھایا کہ گمراہی کے بارے میں آگاہ ہوتے ہی فوری طور پر جرأت اور بہادری کے ساتھ اس سے پیچھے ہٹنا چاہئے اور ہٹ دھرمی سے اجتناب کرنا چاہئے۔

وہ لوگوں سے بیزار نہ تھے بلکہ لوگوں کے شرک سے متنفر تھے۔ ﴿ممّا تشرکون﴾

حکمت، موعظہ اور مثبت مجادلہ:

قرآن مجید پیغمبر خداؐ سے فرماتا ہے: "آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ دعوت دیں اور ان سے اس طرح سے بحث کریں جو بہترین طریقہ

ہے''۔ (۱۰۷)

واضح ہے کہ لوگوں کی فکری، ذہنی اور علمی استعداد الگ الگ ہوتی ہے۔ ایک گروہ کو استدلال کے ذریعہ، ایک گروہ کو موعظہ اور ایک گروہ کو بحث ومباحثہ کے ذریعہ دعوت دی جاسکتی ہے۔

کلمہ حکمت کا استعمال ایسے موارد میں ہوتا ہے جہاں اقوال اور تجویزیں انسانوں کی عقل وفطرت کی مستحکم بنیادوں پر استوار ہوں۔ مثال کے طور پر سورۂ اسراء میں انسان کو، فقر کے لئے اولاد کُشی، زنا، قتل، یتیم کا مال ہڑپ کرنے، ایسے کام انجام دینے جن کا وہ علم نہ رکھتا ہو، تکبّر اور غرور کی حالت میں راہ چلنے، اور کم تولنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید فرماتا ہے: ''یہ ممانعتیں حکمت ہیں، کیونکہ ان چیزوں کے بُرے ہونے میں کسی ایک کو بھی شک وشبہ نہیں ہے''۔ اس لحاظ سے حکمت کے معنی محکم اور قطعی بات ہے۔ مثال کے طور پر سینما اور سٹلائٹ کو برا بھلا نہ کہئے کیونکہ آپ کی تنقید مستحکم نہیں ہے اور حقیقت میں اسے سائنسی ترقی کی مخالفت کہا جائے گا۔ اس کے برعکس بُری فلموں کی مخالفت کرنے کو دوست ودشمن سبھی منطقی اور مستحکم سمجھتے ہیں۔

واقعہ:

امام سجاد علیہ السلام نے جب شام میں بنی امیہ کی حکومت کو رسوا کرنا چاہا، تو فرمایا: ''میرے والد امام حسینؑ کو دردناک طریقے پر یوں شہید کیا گیا، جیسے ایک پرندے کو قفس میں چاقو سے سوراخ سوراخ کر کے مارا جاتا ہے''۔

یہاں پر اگر امام زین العابدینؑ صرف اتنا فرماتے کہ: ''میرے والد کو شہید کیا گیا'' تو شام کے لوگوں کے لئے خاص بات نہ تھی، کیونکہ ان کو اہل بیت کے بارے میں کوئی واقفیت اور شناخت نہ تھی۔ اور وہ کہتے: ''جنگ میں تو کچھ افراد مارے ہی جاتے ہیں ان میں سے ایک امام حسینؑ بھی تھے''۔

۱۰۷- اُدْعُ اِلٰی سَبِیلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِی هِیَ اَحْسَنُ (نحل/۱۲۵)

امام سجادؑ نے فرمایا: ''اگر انہیں قتل کرنے کا ارادہ بھی رکھتے تھے، تو اس حالت میں کیوں قتل کیا؟ کیوں ایک پرندے کی طرح اُن کے بدن کو سوراخ سوراخ کیا؟ دریا کے کنارے انھیں کیوں پیاسا قتل کیا؟ انہیں کیوں دفن نہ کیا؟ اُن کی خیمہ گاہ پر حملہ کیوں کیا؟ ان کے شیر خوار طفل کو کیوں شہید کیا؟ یہ کلمات اتنے متاثر کرنے والے تھے کہ شام میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور اموی حکومت کے خلاف ایک فکری اور ثقافتی انقلاب برپا ہوگیا۔

امر بمعروف اور نہی از منکر میں ایسے مسائل پر تکیہ کرنا چاہئے جو ناقابل تردید اور یقینی ہوں۔ ایسی بات جو ہر ایک کے لئے قابل قبول ہو، اسے حکمت کہتے ہیں۔

لیکن موعظہ حسنہ ایسا موعظہ ہے جو محبت اور اچھے بیان پر مشتمل ہو اور مناسب زمان و مکان میں صحیح طریقے پر انجام پائے۔

مجادلۂ خوب کا مقصد بحث و گفتگو میں اخلاقی حدود کی رعایت کرنا، دوسروں کے مثبت اور قوی نکات کو قبول کرنا ہے گویا استدلال میں برابر کا مقابلہ ہے۔ (۱۰۸)

عقائد کی اصلاح کریں تو برائیاں کم ہوں جائیں گی:

بعض گناہ اور اخلاقی برائیاں باطل عقائد و تخیلات سے ابھرتی ہیں۔ اگر ہمارا طریقہ کار عقائد کی اصلاح ہو تو ہم اچھا نتیجہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں چند نمونے پیش خدمت ہیں:

۱۔ کچھ افراد قرآن مجید کی نہی اور ممانعت کے باوجود اپنی زندگی کے سلسلہ میں طاغوتوں اور ظالموں پر بھروسہ کرتے ہیں اور ان کے ظلم میں شریک ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد ظالموں کی مدد سے اقتدار ہاتھ میں لینا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: ''تمام قدرت اور قوت خدا کے لئے مخصوص ہے'' ﴿انّ القوة لله جميعاً﴾

۱۰۸۔ اگر تفاسیر اور روایات کا مطالعہ کیا جائے تو اس آیت کی تفسیر میں چند دلکش نکات ملیں گے۔

اگر انسان معتقد ہو کہ تمام اقتدار و طاقت کا مالک صرف خدا ہے تو وہ اقتدار حاصل کرنے کے لئے ریاکاری، خودنمائی، چاپلوسی اور عیب پوشی کا سہارا نہیں لے گا۔

کچھ دوسرے لوگ سیکڑوں بلکہ ہزاروں بُرے کام انجام دیتے ہیں ان کا مقصد عزت حاصل کرنے کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔ ان کا خیال، یہ ہے کہ دولت، عہدہ، مشرق و مغرب سے وابستگی، فلاں خاندان سے شادی کرنا، فلاں کام میں مشغول ہونا اور اسی جیسے دیگر مسائل ان کے لئے عزت بخش ہیں۔ جیسا کہ حضرت نوح کا بیٹا اپنے باپ کی تنبیہ کے مقابل میں کہتا تھا: ''میں پہاڑ پر چڑھ جاؤنگا اور غرق ہونے سے بچ جاؤں گا''۔ جبکہ وہ اس امر سے غافل تھا کہ قہر الٰہی کے مقابل پہاڑ بھی نجات نہیں پا سکتا۔ اگر ایسے افراد باور کرلیں کہ قرآن مجید تمام عزت کو خدا سے مربوط جانتا ہے ﴿فان العزة لله جميعا﴾ (۱۰۹) لوگوں کی عزت کی کمی و زیادتی فقط اللہ کے ہاتھ میں ہے نہ کہ دوسروے لوگوں کے ہاتھ میں، تو وہ ہرگز ادھر اُدھر نہ بھٹکیں کہ قرآن اُن کی ملامت کرتے فرمائے: ''کیا تم دوسروں سے عزت کی درخواست کرتے ہو؟!''

بے شک ہمارا یہ اعتقاد اور ایمان کہ عزت و قدرت صرف خدا کے ہاتھ میں ہے، ہمیں بہت سے گناہوں کے ارتکاب سے بچا سکتا ہے۔

فساد کی جڑ کاٹ دو:

قرآن مجید فرماتا ہے: ''بدگمانی نہ رکھو، تجسس نہ کرو'' (۱۱۰) کیونکہ بدگمانی تجسس کا سرچشمہ ہے اور تجسس غیبت کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

جنسی گناہوں کی روکتھام کے لئے، قرآن کریم نے بری نگاہ ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے قول کے مطابق یہ نگاہ دل کے لگاؤ کا سرچشمہ اور فساد میں مبتلا ہونے کا سبب بنتی

۱۰۹- اَيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا (نساء/۱۳۹)

۱۱۰- اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا (حجرات/۱۲)

ہے(۱۱۱)۔ اگر قرآن مجید نے عورتوں کو پاؤں پٹک کر چلنے (۱۱۲) کی ممانعت کی ہے یا ناز ونخرے اور جذبات کو ابھارنے (۱۱۳) کے انداز میں بات کرنے کی نہی کی ہے تو یہ دراصل گناہ کی جڑ کاٹنے کے لئے ہے۔

گھر یا دفتر میں نامحرم کے ساتھ خلوت میں رہنا یا مکان ایسا تعمیر کرنا کہ ہمسایہ کے گھر میں نظر پڑے، حصار کے بغیر کوٹھے بنانا، جن کے ہاں جوان بیٹیاں ہوں ان کا جوان بیٹوں والے خاندان کو گھر کرایہ پر دینا، گناہ میں آسانی سے مبتلا ہو جانے والے افراد کو حد سے زیادہ آزاد رکھنا، گمراہ کن ویڈیو فلمیں دیکھنے کی آزادی، پارکوں، بسوں اور یونیورسٹیوں میں لڑکیوں، لڑکوں کے درمیان روابط کی آزادی، لڑکیوں اور لڑکوں کو اسکول میں آمد و رفت کے اوقات پر کنٹرول نہ رکھنا اور اسی طرح کے دوسرے مسائل گناہ کے ارتکاب کا سبب بنتے ہیں۔ زن و مرد کو ایک دوسرے سے جدا رکھنا ان کی تحقیر اور بے احترامی نہیں ہے بلکہ یہ ایک قسم کا تعمیری قدم ہے۔ کون اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ یونیورسٹیوں میں لڑکیوں اور لڑکوں کا الگ الگ رہنا ان کی فکری یکسوئی اور علمی بالیدگی کا سبب بنتا ہے۔

اسلام اور اسلامی انقلاب نے ثابت کر دیا کہ سماجی، تعلیم اور سیاسی میدانوں میں عورت کی موجودگی اور سرگرمیوں کا مغربی بے راہ روی اور برائیوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ عورت ایک ایسی مکمل مخلوق ہے جو کمال و ترقی کے تمام میدانوں میں مرد کے دوش بدوش قدم اٹھا سکتی ہے اور سماج کی تعمیر و ترقی اور قوم و ملت کی تقدیر سازی میں مرد کی طرح بلکہ بعض تربیتی اور فنی امور میں مرد سے آگے بڑھ کر نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ تاریخ اسلام میں ایسی عورتیں گزری ہیں جو خیرو

۱۱۱-فانه لن یزنی فرجک ما حفظت عینک. (میزان الحکمہ، ج ۴، ص ۲۴۲)

۱۱۲-وَلاَ یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ (نور/۳۱)

۱۱۳-فَلاَ تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِی فِی قَلْبِهِ مَرَضٌ (احزاب/۳۲)

برکتوں کا سرچشمہ محسوب ہوئی ہیں۔ ایسی ہی مثالی خواتین میں سے ایک زرارہ کی بہن تھیں جو پہلے خود شیعہ ہوئیں اس کے بعد اپنے بھائی زرارہ کو شیعہ بنا دیا۔ امام صادق علیہ السلام کے زمانہ سے امام مہدی (ع) کے زمانہ تک اسکی نسل میں معروف شیعہ فقہا گزرے ہیں۔

واقعہ:

حضرت علی علیہ السلام سے عرض کیا گیا: ''رسول خداؐ عورتوں کو سلام کرتے تھے، آپؑ کیوں نہیں کرتے؟''

آپؑ نے فرمایا: ''رسول اکرمؐ مجھ سے تیس سال بڑے تھے لیکن میں جوان ہوں اور ڈرتا ہوں کہ کہیں بعض عورتوں کا جوابِ سلام مجھ پر (سلام کرنے کے صلہ سے زیادہ) بُرا اثر نہ ڈالے''۔ (۱۱۴)

حضرت امام باقرؑ کے زمانے میں ایک مرد ایک عورت کو قرآن کی تعلیم دیتا تھا۔ اس مرد نے ایک دفعہ دوران تعلیم عورت سے مزاح کیا تھا۔ امام علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس تعلیم کو بند کرو۔ (۱۱۵)

اس امر کا ذکر ضروری ہے کہ برائیوں کی بنیادوں سے جنگ، جنسی گناہوں تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ سیاسی مسائل میں بھی برائیوں کی جڑ کاٹنا ضروری ہے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے ﴿اِذھب الیٰ فرعون انه طغیٰ﴾ (۱۱۶) لوگ باپ کی نسبت حکام سے زیادہ مشابہت (۱۱۷) رکھتے ہیں۔ حکومت کی اصلاح کے لئے حاکم کی اصلاح ضروری ہے اور نئی نسل کی

۱۱۴- محجۃ البیضاء، ج ۳، ۳۸۵

۱۱۵- فقال لا تعودن الیھا.

۱۱۶- طٰہٰ/۲۴

۱۱۷- الناس بامرائھم اشبه بآبائھم (کودک، ج ۱، ص ۳۶۸)

اصلاح کے لئے خاندانوں کی اصلاح ضروری ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے: ''اگر فقہا اور حکام کی اصلاح ہو جائے تو معاشرے کی اصلاح خود بخود ہو جاتی ہے''۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے: ''اگر بادشاہ میں تبدیلی رونما ہوئی تو تاریخ اور زمانہ بھی بدل جاتا ہے''۔(۱۱۸)

کسی نظام کی اصلاح حکام اور منتظموں اور ذمہ دار افراد کی اصلاح کے ذریعہ انجام پاتی ہے۔

قرآن کریم فرماتا ہے: ''کفر کے رہبروں سے جنگ کرو''۔(۱۱۹)

واقعہ:

حضرت علی علیہ السلام سے لوگوں نے عرض کیا: ''آپ جنگ صفین کے بھگوڑوں پر حملہ کرتے تھے جبکہ جنگ جمل کے فراریوں کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی، اس کا سبب کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ''جنگ صفین میں فرار کرنے والے اپنے قائد و رہبر معاویہ کے گرد جمع ہوتے تھے اور دوبارہ منظم ہو جاتے تھے، لیکن جنگ جمل میں فراریوں کے سردار کام آ چکے تھے ان کے لئے کوئی پناہ گاہ نہ تھی، اسلئے میں ان کو آزاد چھوڑ دیتا تھا''۔

بے شک جہاں طاقتوں اور عسکری و اقتصادی منصوبوں کے مراکز قائم ہیں، امر بمعروف اور نہی از منکر کے لئے ان ہی مراکز کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

۱۱۸- بحار، ج ۷۷، ص ۳۳۶

۱۱۹- توبہ/۱۲

بری رسموں کو توڑنا:

بعض اوقات سماج میں کچھ منکرات لوگوں میں ایک عادت اور سنّت کی صورت میں رائج ہوجاتے ہیں، ایسے رسومات کو توڑنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں ہوتا۔ لیکن بہرصورت بعض افراد کو مستحکم اور پکے ارادے اور دور اندیشی کے ساتھ خدا پر توکل کر کے میدان کارزار میں اُترنا چاہئے اور ایسی رسومات کے طلسم کو توڑنا چاہئے۔

ایک نمونہ کی طرف توجہ فرمائیے:

اسلام فرماتا ہے: ''اپنے بیٹے کی بیوی سے باپ شادی نہیں کرسکتا''، لیکن جاہلیت کے زمانہ کا عقیدہ یہ تھا کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے بھی شادی نہیں کی جانی چاہئے۔

قرآن مجید پیغمبر اسلامؐ سے فرماتا ہے: ''اپنے منہ بولے بیٹے زید کی طلاق شدہ بیوی سے شادی کرو تاکہ یہ رسم ٹوٹ جائے اور دوسروں کے لئے راستہ کھل جائے''۔ (۱۲۰)

لیکن ایسا کام ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کو یہ کام انجام دینا چاہئے جو ان برے رسم ورواج کو توڑنے کے بجائے اپنے آپ کو ہی تلف نہ کردیں، کیونکہ کبھی مخالفت کی لہریں ایسی تیز ہوتی ہیں کہ انسان ان کے مقابلے کی تاب نہ لاکر دوسرے بلند مقاصد تک پہنچنے سے بھی رہ جاتا ہے۔ اس سلسلے میں بھی ہم ایک نمونہ نقل کرتے ہیں:

خلفاء کے زمانے میں مستحب نمازیں باجماعت پڑھی جاتی تھیں۔ جوں ہی حکومت حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ آئی، آپؑ نے حکم دیا کہ صرف واجب نمازیں باجماعت پڑھی جائیں۔ اچانک مخالفت کا ایسا طوفان اٹھ کھڑا ہوا کہ حضرتؑ کو یہ فرمانا پڑا کہ: ''جو چاہو، انجام دو''۔

چونکہ مستحب نمازوں کے بارے میں امام کے اسقدر مخالفت ہوئی جس نے لوگوں کی تمام

۱۲۰- احزاب/۳۷

قابلیتوں وصلاحیتوں اور امامؑ کے بلند مقاصد کو متاثر کر کے رکھدیا تھا لہٰذا امام نے لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

دوسروں کی قدروں کا احترام:

اپنی طرف جذب کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ دوسروں کے اصول و اقدار کا احترام کیا جائے۔ اگر کسی شخص یا گروہ کے مثبت نکات کو قبول کر کے اس کی ستائش و احترام کریں اور اس کے بعد ان کے منفی نکات پر انھیں نہی اور تنقید کریں تو کامیاب ہو سکتے ہیں۔

جب صدر اسلام کے مسلمانوں پر کفار مکہ کی طرف سے سخت دباؤ پڑا تو چند مسلمان ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ کفار نے بھی ایک جماعت کو تحفہ تحائف کے ساتھ حبشہ بھیجا تا کہ مسلمانوں کو وہاں سے باہر نکلوا دیں۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے کہا: ''میں مسلمانوں اور کفار کی باتوں کو خود سننا چاہتا ہوں''۔

اس کے بعد مسلمانوں کے ترجمان حضرت جعفر طیّار سے سوال کیا کہ: ''آپ کیا کہتے ہیں؟''

حضرت جعفر طیّار نے اسلام کے مقاصد بیان فرمائے۔ چونکہ حبشہ کا بادشاہ عیسائی تھا اسلئے کفار نے اُسے اکسانے کے لئے کہا: ''مسلمان حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں بے توجہی برتتے ہیں''۔

اس پر حضرت جعفر طیّار نے سورۂ مریم کی تلاوت فرمائی، جسمیں حضرت عیسیٰؑ کی عظمت بہترین انداز سے بیان کی گئی تھی۔ نجاشی نے جب دیکھا کہ اسلام اُن کے مقدسات کا اس قدر احترام کرتا ہے تو اس کی آنکھوں میں شوق کے آنسو بھر آئے اور اس نے مسلمانوں کو اپنے یہاں پناہ دیدی۔ کفار نا اُمید ہو کر واپس مکہ چلے گئے۔ حضرت جعفر طیّار کا حسن سلیقہ، بلاغت اور نفسیاتی

تبلیغ اس کا سبب بنی کہ حبشہ میں دین اسلام کی داغ بیل پڑ گئی۔ اسلام میں اس کی سفارش اور تاکید کی گئی ہے کہ: ''ہر قوم کے سردار کا احترام کیا جائے!'' (۱۲۱)

قرآن مجید تورات، انجیل اور گزشتہ انبیاءؑ کا پوراپورا احترام کرتا ہے اور تمام ادیان کی عبادتگاہوں کا بھی احترام کرتا ہے، بلکہ ان کی حفاظت اور ان سے دفاع کو ضروری سمجھتا ہے۔ (۱۲۲)

نیک کاموں کو رائج کر کے منکرات کو محدود کرنا:

اس سلسلے میں تمہید کے بغیر چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں:

۱- بدکرداروں کی ایک جماعت حضرت لوط کے خوبصورت مہمانوں سے بدکاری کی غرض سے آئی۔ حضرت لوطؑ نے ان سے کہا: ''میں اپنی بیٹیوں کا نکاح تم لوگوں سے کرنے کو تیار ہوں تاکہ تم اس بُرے کام سے دستبردار ہو جاؤ جو تم میرے مہمانوں سے کرنا چاہتے ہو'' (۱۲۳)۔ لیکن وہ بدکار گناہ کے انجام دینے پر مصر تھے۔

اس واقعہ میں حضرت لوط معروف اور نیک کام کی پیشکش کے ذریعہ منکر کو روکتے ہیں۔ یعنی اپنی بیٹیوں سے نکاح کی پیشکش کر کے لواط کے گناہ سے جنگ کرتے ہیں۔

۲- جب خدائے تعالیٰ حضرت آدم کو ایک غذا کے کھانے سے منع کرنا چاہتا ہے، تو پہلے دوسری غذاؤں سے استفادہ کرنے کی اجازت دیتا ہے اور فرماتا ہے: ''بہشت میں موجود ہر قسم کی غذا اور کھانے سے استفادہ کرو لیکن فلاں غذا کے پیچھے نہ جاؤ''۔ (۱۲۴)

۱۲۱- اکرموا کریم کل قوم (مستدرک، ج۸، ص۳۹۵)

۱۲۲- وَلَوْلاَ دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوامِعُ وَ بِيَعٌ وَ صَلَوٰاتٌ وَمَسَاجِدُ... (حج/۴۰)

۱۲۳- هٰؤُلاءِ بَنَاتِي هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ (ہود/۷۸)

۱۲۴- وَكُلاَ مِنْهَا رَغَداً حَيْثُ شِئْتُمَا وَ لاَ تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (بقرہ/۳۵)

بے شک نیک کاموں کے امکانات فراہم کرنے کی صورت میں منکرات انجام دینے کا امکان باقی نہیں رہ جاتا۔

۳-حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''اگر خلیفۂ دوم متعہ کو حرام قرار نہ دیتا تو شقی افراد کے علاوہ کوئی بھی شخص زنا کا مرتکب نہ ہوتا''۔(۱۲۵)

۴-خدائے تعالیٰ میاں بیوی کو ماہ مبارک رمضان کے دنوں میں ہمبستری کرنے سے منع فرماتا ہے۔لیکن اس کے برعکس ماہ رمضان کی راتوں میں (صبح ہونے سے پہلے) اس کی اجازت دیتا ہے۔یعنی خدائے تعالیٰ حلال طریقے سے ایک کام انجام دینے کی اجازت دیتا ہے پھر اسی حلال کام (ہمبستری) کو خاص دنوں میں انجام دینے سے منع فرماتا ہے۔(۱۲۶)

شاید یہی سبب ہے کہ لفظ ''امر بمعروف'' مسلسل نہی از منکر سے پہلے بیان ہوتا ہے۔یعنی سماج میں اسقدر معروف اور نیک کام رائج کئے جائیں کہ منکر کے لئے کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔

اسلام میں سفارش ہوئی ہے کہ والدین اپنے بچہ سے بچوں جیسا رول ادا کریں تاکہ ان کا بیٹا یہ محسوس کرے کہ وہ ہمجولی بھی رکھتا ہے اور اس کی یہ خواہش پوری ہوسکے۔(۱۲۷)

اگر ہم سماج میں ازدواج کو آسان بنائیں، تو آدھے گناہ کم ہوجائیں گے۔امام صادقؑ نے فرمایا: ''جس نے شادی کی، اس نے اپنے نصف دین کو محفوظ کرلیا''۔(۱۲۸)

قرآن کریم کا ارشاد ہے: ''فحشا اور منکر کو روکنے کا طریقہ یہ ہے کہ نماز جیسے معروف کو انجام دیا جائے''۔(۱۲۹)

۱۲۵-مازنی الاشقی (بحار، ج۵۳،ص۳۱)

۱۲۶-أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ (بقرہ/۱۸۷)

۱۲۷-من كان له صبي فليتصبَّ (کودک فلسفی، ج۲،ص۱۳۰)

۱۲۸-من تزوج فقد احرز نصف دينه (بحار، ج۱۰۳،ص۲۱۹)

۱۲۹-إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (عنکبوت/۴۵)

-اگر ہماری مسجدوں میں مکمل جامعیت ہوتی یعنی ہم ہر موقع پر مسجدوں سے رابطہ رکھتے تو بے شک فتنہ وفساد کے مراکز کی رونق بہت کم ہو جاتی۔

-اگر والدین اپنے بچوں سے مناسب انداز میں محبت کرتے تو اُن کے بچے نااہل افراد سے دوستی کرنے پر مجبور نہ ہوتے۔

-اگر سرمایہ دار فقیروں اور محروموں کا حق ادا کرتے تو ان کی مخالفت نہیں ہوتی۔(۱۳۰)

سیر وسیاحت اور کھیل کود ایسے معروف ہیں جو بہت سے مفاسد، بیماریوں، نااُمیدیوں اور منکرات کو روک سکتے ہیں۔

حکومت کے ذمہ داروں کی پرہیزگاری اور عدل وانصاف ایسے معروف ہیں جو اسلامی حکومت کی نسبت نااُمیدی اور مایوسی جیسے بڑے منکرات کو روک سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ منکرات سے مقابلہ کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ فرصت کے اوقات پُر کیے جائیں، طبیعی ضرورتوں کو پورا کیا جائے اور حلال کے راستے کھلے رکھے جائیں۔

خدائے تعالےٰ جس طرح حرام چیزوں سے پرہیز کو پسند فرماتا ہے اس طرح یہ بھی پسند کرتا ہے کہ حلال چیزوں سے استفادہ کیا جائے۔

قرآن مجید میں حلال کو اپنے اوپر حرام کرنے والوں کی شدید تنقید اور مذمت کی گئی ہے۔(۱۳۱)

سورہ تحریم میں خداوند اپنے پیغمبر کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''تم نے اپنی بعض بیویوں کی خوشنودی کے لئے حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کیوں کرلیا؟'' (۱۳۲)

مفید فلمیں، اچھے اور مثبت نغمے، مفید اور اچھی کتابیں، مفید ملاقاتیں، مناظر طبیعت کی سیر،

۱۳۰-وَاَنفِقُوا فِی سَبِیلِ اللہِ وَلاَ تُلقُوا بِاَیدِیکُم اِلَی التَّھلُکَۃِ (بقرہ/۱۹۵)

۱۳۱-آللہُ اَذِنَ لَکُم اَم عَلَی اللہِ تَفتَرُونَ (یونس/۵۹)

۱۳۲-لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللہُ لَکَ تَبتَغِی مَرضَاتَ اَزوَاجِکَ (تحریم/۱)

کام فراہم کرنا اور علمی، ہنری، فنی اور دستکاری جیسے کاموں کے ذریعہ فرصت کے اوقات پُر کرنا، منکرات کی کمی کا باعث ہوتا ہے۔

خوبیوں کو ظاہر کرنا:

اگر چہ کار خیر جتنا پوشیدہ اور مخفی ہو اتنا اس کا صلہ بیشتر ہے، لیکن بعض اوقات خدا کی خوشنودی کے لئے نیک کام کو ظاہر بھی کرنا چاہئے، لیکن خدا کے لئے نیکیوں کو ظاہر کرنا ریا اور خودنمائی سے جدا ایک چیز ہے۔

اگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کھلے عام انجام پانے والے گناہوں کی سزا سخت اور شدید ہے تو وہ اسلئے ہے کہ اس طرح سے گناہ کا ارتکاب پورے معاشرے کو فساد اور گناہ کے لئے آمادہ کرتا ہے۔

اگر نماز جماعت اور دوسرے خیر کو ظاہر کرنے کا اجر و ثواب زیادہ ہے تو اسی آمادہ سازی کے فلسفہ کے پیش نظر ہے۔

ماہ مبارک رمضان میں روزہ رکھنا دوسرے مہینوں کی نسبت آسان ہے اور یہ اسی لئے ہے کہ ماہ رمضان میں ایک ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں اسلامی افواج کی مشترکہ فوجی مشقیں، جس کے مظاہرہ سے دشمن مرعوب ہوتا ہے، اس کو عمل صالح سے تعبیر کیا گیا ہے (۱۳۳)۔

آج جب کہ بدکار افراد گناہ کو کھلم کھلا انجام دیتے ہیں، اہل ایمان کیوں اپنے نیک کام کو چھپا کے رکھیں؟ بے پردہ عورتیں سڑکوں پر کھلم کھلا نکلتی ہیں، لیکن پردہ دار عورتیں سڑک کے کنارے واقع بڑی مسجدوں میں دیواروں کے پیچھے لوگوں سے چھپ کر عبادت میں مشغول ہوتی ہیں۔ خوبیاں بھی کھلے عام انجام پانی چاہئیں تا کہ معاشرے کا ماحول معروف کے ماحول میں

۱۳۳۔ وَلَا يَطَؤُنَ مَوْطِئاً يَغِيظُ الْكُفَّارَ ... إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ (توبہ/۱۲۰)

تبدیل ہو جائے۔

فاش کرنا:

تاریخ میں لکھا ہے:

ایک شخص اپنے ہمسایہ کے ہاتھوں ستایا جاتا تھا۔ اس نے پیغمبر اکرمؐ کے حضور آ کر شکایت کی۔ آنحضرتؐ نے صبر کی تلقین فرمائی۔ اس شخص نے ایک مدت صبر کیا، لیکن اس کا ہمسایہ اذیت و آزار پہنچاتا رہا۔ اس نے دوبارہ پیغمبر اسلامؐ کے حضور شکایت کی۔ آنحضرتؐ نے پھر سے صبر کرنے کی تلقین کی۔ اس شخص نے بہت صبر کیا لیکن اس ہمسایہ پر وعظ و نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اذیت پہنچاتا رہا۔ بالآخر پیغمبر اسلامؐ نے آخری مرتبہ اس شخص سے فرمایا: ''جمعہ کے دن لوگوں کی آمد و رفت کے کنارے اپنا سامان لیکر بیٹھنا اور جو تم سے پوچھے: ''سڑک کے کنارے کیوں بیٹھے ہو؟'' تو جواب میں کہنا کہ میرے ہمسایہ نے مجھے تنگ کر کے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے۔

اس شخص نے اسی طریقہ پر عمل کیا اور اذیت دینے والے ہمسایہ نے جب دیکھا کہ اس کی سماجی عزت و آبرو خطرہ میں ہے تو اس نے فوراً آ کر اس شخص سے درخواست کی کہ اپنے گھر لوٹ جائے۔ اب وہ اذیت و آزار نہیں دے گا۔ (۱۳۴)

گمراہ چہروں کو بے نقاب کرنا:

بہت سے منکرات اور گمراہیوں کا سرچشمہ ایسے مرموز چہرے ہوتے ہیں جو بڑی طاقتوں کے ہاتھ اپنی ضمیر فروشی کی بناء پر فریب کاری کے ذریعہ حقائق کو لوگوں کے سامنے برعکس پیش کرتے ہیں اور نیک کاموں کو انجام دینے میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ ایسے افراد کے طریقہ کار

۱۳۴- اصول کافی، ج ۲، ص ۶۶۸ - سفینۃ البحار، ج ۱، ص ۶۶

عبارت ہیں:

۱- دین تراشی: ایسے افراد چند مطالب خود اپنے ہاتھوں سے لکھکر کہتے ہیں کہ قانون الٰہی یہی ہے(۱۳۵)۔ جس طرح سامری نے ایک بچھڑے کو بنا کر لوگوں سے کہا:'' تمہارا خدا یہ ہے''(۱۳۶)۔

۲- برے کاموں کی توجیہ: یہ مرموز چہرے طاغوت کے برے کاموں کو معروف کے روپ میں پیش کر کے ان کے بُرے کاموں کی توجیہ کرتے ہیں تا کہ اس طرح لوگوں کو خاموش کر سکیں. ایسے ضمیر فروش افراد عام طور پر صاحب القاب ومنصب ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر معاویہ، سمرۃ بن جندب- جو صحابی کا عنوان رکھتا تھا- کو پیسے دیکر حدیث جعل کراتا تھا۔ آج بھی ایسے ملاؤں کی کمی نہیں ہے جو نماز جمعہ کے خطبوں میں مقدس لفظ'' اولوالامر'' کو تاریخ کے ظالموں پر منطبق کرتے ہیں۔

۳- حوصلہ شکنی: ضمیر فروش چہرے لوگوں کو طاغوت کے خلاف بغاوت یا نہی از منکر کرنے سے روکتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں:'' تم نہیں لڑ سکتے''۔ یا کہتے ہیں:'' تماری جان، مال اور آبرو خطرے میں پڑ جائے گی، بہتر ہے تم اپنے کام میں مشغول رہو''۔ یا کہتے ہیں: ''بدکار طاقتور ہے''۔

ایسی ہی اور باتیں بتا کر لوگوں کو حق کے لئے کھڑے ہونے سے روکتے ہیں۔

۴- تفرقہ ڈالنا: مرموز چہرے، لوگوں کے اتحاد و اتفاق کے خطرے سے استکبار اور سامراجی طاقتوں کو بچانے کے لئے تفرقہ اندازی اور نئی نئی پارٹیاں بنا کر یا پارٹیوں میں تفرقہ ڈالکر اپنے آقاؤں کی خدمت کرتے ہیں۔

۱۳۵- يَكْتُبُونَ الْكِتابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هذا مِنْ عِنْدِ اللهِ (بقرہ/۷۹)

۱۳۶- هذا إِلٰهُكُمْ وَ إِلٰهُ مُوسىٰ (طٰہٰ/۸۸)

بہر حال امر بمعروف اور نہی از منکر کرنے والوں کو سب سے پہلے ایسے مرموز چہروں کو بے نقاب کرنا چاہئے، جو معروف کی انجام دہی اور منکرات کو روکنے میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

سرگوشی کے ذریعہ امر بمعروف:

قرآن مجید میں ہے کہ:'' بہت سی سرگوشیوں میں خیر نہیں ہے۔بجز اُن باتوں کے جو امر بمعروف و نہی از منکر یا لوگوں کے درمیان اصلاح کے لئے ہوں''۔(۱۳۷)

اس آیہ کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ محروموں کی مدد، نیکیوں کی تاکید اور لوگوں کے درمیان صلح و صفائی جیسے کام پوشیدہ اور مخفی انجام پانے کے سزاوار ہیں۔

بالکل واضح ہے کہ ایسے کام مخفی طور سے انجام پانے میں لوگوں کی عزت و آبرو محفوظ رہتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:'' اگر کسی بھکاری نے ہاتھ پھیلایا اور تم نے اس کی مدد کی، تو تمہاری یہ مدد اسکی عزت و آبرو کا صلہ ہے۔ حق یہ ہے کہ ہاتھ پھیلانے سے پہلے اسکی مدد کی جائے۔''

ایک حدیث میں بیان ہوا ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام نے کعبہ کی طرف ایک نظر ڈال کر فرمایا:

''اے کعبہ! تو بہت محترم ہے، لیکن مؤمنین کی آبرو تجھ سے بھی زیادہ محترم ہے''۔

ہمارے معصوم امامؑ رات کے اندھیرے میں بھی اپنا منہ چھپا کر فقرا کی مدد کرتے تھے تا کہ افراد کی مدد کے ساتھ ان کی عزت و آبرو بھی محفوظ رہے۔ امر بمعروف اور لوگوں کے درمیان اصلاح کا کام بھی پوشیدہ انجام پانا چاہئے۔

خاندانوں کے مشیر اور وہ لوگ جن کے پاس لوگوں کی معلومات ہوا کرتی ہیں، رازدار ہونے

۱۳۷-لاَ خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلاَّ مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلاَحٍ بَيْنَ النَّاسِ (نساء/۱۱۴)

چاہئیں۔راز داری کے بارے میں اسلامی منابع میں بہت سی آیات وروایات ہیں جن کے بیان سے یہاں صرف نظر کرتے ہیں۔

اجتماعی اقدام:

حق کی دعوت اور منکرات کو روکنے کے سلسلے میں بعض اوقات اجتماعی طور پر اقدام کی ضرورت ہوتی ہے۔ایسی صورت میں انفرادی طور سے تذکر دینا موثر ثابت نہیں ہوتا۔ایک جماعت کو یہ کام سونپا جانا چاہئے۔بعض اوقات اس امر کی ضرورت پیش آتی ہے کہ ایک طومار درست کیا جائے اور اس پر بہت سے لوگ دستخط کریں۔

بعض مظاہرے حقیقت میں وہی امر بمعروف اور نہی از منکر ہے کہ اجتماعی صورت میں انجام پاتا ہے۔اگر ایران کے لوگ لاکھوں کی تعداد میں نکل کر مظاہرے نہ کرتے تو طاغوت اور ظالم ہرگز سرنگوں نہ ہوتا۔

قرآن مجید اسرار حج بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:"لوگ حج پر جائیں تا کہ فوائد کا مشاہدہ کریں"

لفظ" منافع" میں اتنی وسعت ہے کہ دوسرے اسرار میں یہ وسعت نہیں پائی جاتی۔حج پر ایک نظر ڈالنے سے جو چیز سب سے زیادہ توجہ کا مرکز قرار پاتی ہے وہ لوگوں کا اجتماعی اقدام ہے،سادگی، یک رنگی، تقدس، اتحاد،میقات سے مکہ،مکہ سے عرفات،عرفات سے مشعر،مشعر سے منیٰ اور منیٰ سے مکہ ایک ساتھ حرکت کرنا ایسے اعمال ہیں جن میں حج کا اصلی روپ نظر آتا ہے اور انسان حج کے فوائد کا مشاہدہ کرتا ہے۔

ظلم کے دائرہ میں نفوذ:

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے بنی عباس کے حکام کے ظلم کو روکنے کے لئے محمد ابن اسماعیل

اور علی ابن یقطین جیسے چند افراد کو حکم دیا کہ ظلم کے نظام کے اندر گھس کر اہل بیتؑ کے طرفداروں کی حتی الامکان مدد کریں اور ان پر ہونے والے ظلم کو کم کریں۔ امامؑ نے ظلم و بربریت کے اُن وحشتناک حالات میں امر بمعروف اور نہی از منکر کرنے والے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا:

''تم روئے زمین پر خدائے تعالیٰ کے ستارے ہو''۔(۱۳۸)

امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا:''علی ابن یقطین کی سعادت وخوشبختی یہ ہے کہ میں اس کے لئے موقفِ حج (مکہ وعرفات) میں دعا کرتا ہوں''(۱۳۹)۔اور فرمایا:''میں نے اس کے لئے بہشت کی ضمانت لی ہےاور جہنم کی آگ ہرگز اس تک نہیں پہنچ پائے گی''۔(۱۴۰)

قرآن مجید فرعون کی شریک حیات کے بارے میں بیان فرماتا ہے کہ اس نے سب سے بڑے منکر (حضرت موسیٰ کے قتل) کو روکا۔لیکن اس مؤمن خاتون نے فرعون کو کبھی یہ موقع نہ دیا کہ اسکے عقائد وایمان سے آگاہ ہو سکے،دوسرے الفاظ میں وہ تقیہ کرتی رہیں۔

پیغمبر اسلامؐ کے چچا حضرت ابوطالب پیغمبر اکرمؐ کے سب سے بڑے حامیوں میں سے تھے۔انہوں نے آنحضرتؐ پر قلبی ایمان کے اظہار میں آپؐ کے وصف میں بہت سے اشعار کہے ہیں۔حضرت ابوطالب کفار ومشرکین مکہ کی طرف سے پیغمبر اسلامؐ کے خلاف سازشوں کے طوفانوں کو روکنے کے لئے بظاہر غیر جانبداری کی حالت میں آنحضرتؐ کی حمایت اور طرفداری فرماتے تھے۔

امت اسلامیہ کو درپیش خطرات جیسے منکرات کو روکنے کے لئے دشمن کی صفوں میں نفوذ پیدا کرنے والے افراد کا بھیجنا،واجب ہے۔اس عمل کو تقیہ کہتے ہیں۔تقیہ یعنی:

''تعمیری مقاصد کی کامیابی کے لئے صالح اقلیت کا تحفظ:

۱۳۸-ان للہ اولیاء الظلمۃ لید فع بھم عن اولیائہ وانت منھم یا علی (حیاۃ امام موسیٰ بن جعفرؑ ،ج۲،ص۲۸۷)

۱۳۹-حیاۃ امام موسیٰ بن جعفرؑ ،ج۲،ص۲۸۸

۱۴۰-ضمنت لعلی بن یقطین الجنۃ و ان لاتمسہ النار ابداً(حیاۃ امام موسیٰ بن جعفرؑ ،ج۲،ص۲۸۷)

-افراد کو ضائع ہونے سے بچانا۔

-نرم پالیسی اور محبت کا اظہار۔

-دشمن سے صحیح اطلاعات حاصل کرنا، منابع کی شناخت حاصل کرنا، مناسب زمان ومکان اور مددگار افراد کا پیدا کرنا۔

-کام کو معطل کرنے کے بجائے اس کی صورت کو بدلنا۔

-راستے کی تلاش کرنا نہ کہ عقیدہ بدلنا۔

ایک محاسبہ:

امام حسین علیہ السلام کے کربلا میں شہید ہونے کے بعد، بہت کم ایسے لوگ تھے جنہوں نے امام سجاد علیہ السلام کی امامت کو قبول کیا، جبکہ امام صادق علیہ السلام کے صرف چار ہزار شاگرد تھے۔ اب حساب کریں کہ اگر اس زمانے میں ایک سو افراد میں ایک شخص امامؑ کا شاگرد تھا تو امام کو ماننے والوں کی تعداد چار لاکھ تک پہنچتی ہے۔ اب ماہروں کا کام ہے کہ وہ اس سلسلے میں تجزیہ کریں کہ چوتھے امامؑ سے چھٹے امامؑ کے زمانے تک امامؑ کے ماننے والوں کی تعداد کسطرح اتنی بڑھ گئی؟!

کیا اس طرح شیعوں کی تعداد بڑھنے کا سبب، نیک کردار، قومی استدلال، تقیہ، لوگوں کو بروقت آگاہی اور وضاحت کے علاوہ اور کوئی چیز ہو سکتی ہے؟

قرآن مجید میں ایسے موارد بھی ملتے ہیں کہ خدا کے بندوں نے اپنے نیک مقاصد تک پہنچنے یا منکرات سے لڑنے کے لئے خصوصی طرز عمل اور حکمت عملی سے استفادہ کیا ہے، من جملہ:

۱-دقیانوس کی فاسد حکومت کے زمانے میں، سختی، ظلم اور دباؤ میں پھسے چند خدا پرستوں نے ہجرت کی ٹھان لی اور شہر سے خارج ہو گئے۔ انہوں نے ایک غار میں پناہ لی۔ حکم خدا سے وہ ایک

طولانی مدت تک سو گئے۔ جب نیند سے بیدار ہوئے تو اپنے ایک ساتھی کو کھانا لانے کے لئے شہر بھیجا اور اس شخص سے تاکید کی کہ کھانا خریدتے وقت ہوشیاری سے کام لینا تاکہ حکومت کے خلاف ہماری تحریک سے کوئی آگاہ نہ ہونے پائے۔(۱۴۱)

اس لحاظ سے بعض اوقات انسان کو راہ حق میں قدم بڑھانے کے سلسلے میں اپنے اقدامات اور کام کو مخفیانہ طور سے انجام دینا چاہئے تاکہ اپنے مقاصد تک پہنچنے میں دشمنوں کی گزند سے محفوظ رہے۔

۲- کاہنوں نے فرعون کو خبر دی کہ ''عنقریب ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو بڑا ہونے پر تیرے اقتدار کو سرنگوں کر دے گا''۔

فرعون نے فرمان جاری کیا کہ ''جس عورت کے ہاں بیٹا پیدا ہو، اس نوزائدہ بچے کو فوراً قتل کر دیا جائے''۔

حضرت موسیٰ کی ماں نے جوں ہی حضرت موسیٰ کو جنم دیا، فرعون کے مأمورین کے خوف سے وحشت میں پڑ گئیں: خدائے تعالےٰ نے موسیٰ کی ماں کو الہام کیا کہ اپنے نوزائدہ بچے کو دودھ پلائے اور ایک صندوق میں ڈال دے تاکہ اس بچے کی سرنوشت معلوم ہو''۔(۱۴۲)

اس قسم کے بظاہر عمومی و فطری لیکن حقیقت میں بامقصد اقدامات، عظیم مقاصد اور نیکیوں تک پہنچنے اور منکرات سے جنگ کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔

اجتماعی طریقہ

اتحاد، امر بمعروف میں کامیابی کی شرط:

آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہریؒ نے سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۱- جو امر بمعروف کے

۱۴۱-وَلْيَتَلَطَّفْ وَ لاَ يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَداً (کہف/۱۹)

۱۴۲-وَاَوْ حَيْنَا اِلىٰ اُمِّ مُوسىٰ اَنْ اَرْضِعِيهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ... (قصص/۷)

بارے میں ہے- کے سلسلے میں ایک خاص نکتہ کی طرف توجہ فرمائی ہے اور دوسرے لوگوں نے اس سلسلے میں غفلت کی ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ امر بمعروف سے مربوط یہ آیت دو ایسی آیتوں کے درمیان قرار پائی ہے کہ ہر دو آیتیں مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق سے مربوط ہیں۔ گویا خدا فرماتا ہے: ''اتحاد ہی میں کامیابی کا راز اور بات کا اثر مضمر ہے''۔یعنی اگر تم بکھرے ہوگے، تو تمہارا امر بمعروف مؤثر واقع نہیں ہوگا۔

تضاد اور ٹکراؤ کے مندرجہ ذیل چند نمونے قابل توجہ ہیں:

مدرسہ کے دستورات اور والدین کے کردار میں ٹکراؤ، ایک طرف سے کفایت شعاری کی تاکید اور دوسری طرف سے افراد یا سرکاری اداروں کی فضول خرچیاں، ماں اور باپ کے کردار میں ٹکراؤ، فلاں لباس پہننے کا حکم اور اس کا بازار میں نہ ہونا ایک طرف اور دوسری طرف باحجاب رہنے اور کامل لباس و جوراب پہنے کی تاکید۔ کارخانوں میں ایک طرف سے نازک اور بدن نما موزوں کا بننا اور دوسری طرف سے ایسے جوراب نہ پہننے کی تاکید، ایک طرف سے سگریٹ کے خلاف تبلیغ اور دوسری طرف سے سگریٹ بنانے والی مشینوں کی درآمدو... اگر ہم لوگوں کو حق کی طرف دعوت دینا چاہئیں تو ہمیں ان تعارضات اور ٹکراؤ کو کم کرنا چاہئے۔

معاشرہ کو اچھے اور مناسب اتحاد کا حامل ہونا چاہئے، کیونکہ اختلاف وتفرقہ بذات خود ایک بڑا منکر اور عذاب الٰہی ہے۔قرآن مجید میں تین قسم کے عذاب بیان ہوئے ہیں:

۱-آسمان اور اوپر سے عذاب ﴿ عذاباً من فوقکم ﴾

۲-زمینی عذاب ﴿ أومن تحت ارجلکم ﴾

۳-تفرقہ واختلاف کا عذاب ﴿ أو یلبسکم شیعاً ﴾

آج کل سب سے بڑا منکر، دنیا کی سامراجی طاقتیں ہیں۔کیا مسلمان ان تمام اختلافات کی بنا پر سامراجی طاقتوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے اپنے آپ کو نجات دے سکتے ہیں؟

کیا ہاتھ کی پانچ انگلیوں کو مٹھی کی صورت میں جمع کیے بغیر کوئی دشمن کے سر پر مکہ مار سکتا ہے؟

کیا بارش کے قطرات سد کے پیچھے جمع ہوئے بغیر بجلی پیدا کر سکتے ہیں؟

کیا یہ سب مصیبتیں، جن سے ہم دوچار ہیں ہمارے آپسی اختلافات کی وجہ سے نہیں ہیں؟

کیا سوءِ ظن، تجسس، غیبت، بے احترامی، تحقیر، قطع رحم اور گوشہ نشینی جیسے کاموں کے حرام ہونے کا سبب یہ نہیں کہ یہ کام افراد کے درمیان محبت کا خاتمہ کر دیتے ہیں اور افراد کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کا باعث بنتے ہیں؟

کیا سلام، ہدیہ، تحفہ، ملاقاتیں، بیماروں کی عیادت، تشییع جنازہ میں شرکت، قرض دینا، عیب پوشی، انفاق و مدد، نماز جمعہ، جماعات اور نماز عید میں شرکت، عفو و بخشش، غیض و غضب پر قابو پانا، صفائی اور زینت، مصافحہ اور معانقہ، نیک برتاؤ اور اچھے الفاظ کا انتخاب، دعوت کرنا، دعوت قبول کرنا، گناہگاروں کی عذرخواہی قبول کرنا، دوستوں سے ملاقات، مظلوموں کا دفاع، زکوٰۃ میں سے ایک حصہ ضعیف افراد میں تقسیم کرنا جیسے سیکڑوں احکام محبت اور مودت کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لئے نہیں ہیں؟

بہر حال ہم ہر نیک کام کو انجام دینے اور ہر برُے کام کو روکنے کے لئے اتحاد و اتفاق کے محتاج ہیں۔ایک محلّے کے باشندے اتحاد و اتفاق کے نتیجہ میں محلے کے تمام بدکردار افراد پر قابو پا سکتے ہیں۔اتحاد و ہم فکری کے ذریعہ تمام بڑی طاقتوں سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔تنہا وسیلہ جو تمام انسانوں کو ایک جگہ جمع کر سکتا ہے، خدا پر ایمان اور الٰہی قائدین و قوانین کو قبول کرنا ہے، کیونکہ انسان کو دوسرے لوگوں کے ساتھ اتحاد و اتفاق برقرار کرنے کے لئے بہت سے شخصی میلانات کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔انسان اسی وقت طویل مدت کے لئے اپنے شخصی میلانات سے صرف نظر کر سکتا ہے، جب کوئی مافوق اسے حکم دے اور وہ اس کی جزا کی اُمید بھی رکھتا ہو۔خدائے تعالےٰ اور اس کے بھیجے ہوئے رہبر اور قوانین بہر حال ایسے تقدس اور قدر و قیمت کے حامل ہیں کہ افراد

اپنی شخصی خواہشات کو نظر انداز کر دیں۔ اس کے علاوہ یہ صرف خدائے تعالیٰ ہے کہ اپنے لافانی وعدوں کے ذریعہ ان میلانات کی دنیا یا آخرت میں جزا دیتا ہے۔ لیکن نعرہ بازی، نسلی، ملکی، قومی اور علاقائی اصولوں پر قائم کیا گیا اتحاد انسان کے عقائد کی گہرائیوں میں جڑیں نہیں رکھتا، اسلئے تھوڑی ہی سی گرمی اور تبلیغات میں سستی کے نتیجہ میں انسان ایسے اتحاد سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

صحیح اور مثبت کام پیش کرنا:

غیر شعوری طور پر گمراہی سے دوچار ہونے والے شخص کو غیر مستقیم طور سے صحیح راہنمائی کرنی چاہئے۔

واقعہ:

ایک بوڑھا وضو کرنے میں مصروف تھا، لیکن وضو کو صحیح طور سے انجام نہیں دے رہا تھا۔ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام - جواُن دنوں دو بچے تھے - نے اس بوڑھے کے غلط وضو کو دیکھا۔ اور اس بوڑھے کی راہنمائی کے لئے اسے اس طرح دعوت دی کہ: ''ہم میں سے ہر ایک آپ کے سامنے وضو کر رہا ہے اور آپ منصف کے طور پر فیصلہ دیں کہ ہم میں سے کس کا وضو درست اور صحیح ہے''۔ بوڑھے نے دونوں بچوں کے وضو دیکھنے کے بعد کہا: ''آپ دونوں کا وضو صحیح ہے اور میرا ہی وضو باطل ہے''۔

ان دو حضرات کی یہ نمائش ایک ماہرانہ اور غیر مستقیم تربیت تھی جسمیں بوڑھے کی عزت و آبرو کے تحفظ کا پورا خیال رکھا گیا تھا اور یہ طریقہ امر بمعروف کا بہترین طریقہ ہے۔

وقت کا خیال رکھنا:

بعض اوقات امر بمعروف اور نہی از منکر ایک خاص وقت پر بے اثر ثابت ہوتا ہے اور کسی خاص وقت پر مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ ایسے مواقع پر وقت کا لحاظ کرتے ہوئے کام انجام دینا

چاہئے۔

روایتوں میں بیان ہوا ہے: ''سفر کے وقت اپنی شریک حیات سے پرہیز گاری کی سفارش کرو، کیونکہ جدائی کے وقت محبت کمال کو پہنچتی ہے اور کسی بات کو قبول کرنے کا بہترین موقع فراہم رہتا ہے''۔

ایک اور حدیث میں ذکر ہوا ہے: ''غیض وغضب کی حالت میں کسی کو تنبیہ نہ کرنا، کیونکہ ایسی حالت میں انسان افراط سے دوچار ہوتا ہے''۔ (۱۴۳)

شائد فاتحہ کی مجلسوں میں قرآن مجید کی تلاوت کا ایک فلسفہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجلسِ ترحیم میں سامعین وعظ ونصیحت کو سننے کے لئے ذہنی طور پر آمادگی رکھتے ہیں، اگرچہ تلاوتِ کلام پاک کا ثواب میت کی روح کو ہدیہ کرنا اپنی جگہ پر قابل قدر ہے۔

ہم سورۂ قلم میں چند بھائیوں کی ایک داستان پڑھتے ہیں جو اپنے باپ کے ایک باغ کے وارث بن گئے تھے۔ انہوں فیصلہ کیا کہ اپنے باپ کی روش کے برخلاف اس باغ کے میوؤں میں سے کچھ بھی فقراء کو نہ دیں گے۔ پانچ بھائیوں میں سے ایک نے ان کے اس فیصلہ کی مخالفت کی لیکن اس ایک بھائی کی بات نے بقیہ چار بھائیوں پر کوئی اثر نہ کیا۔ وہ چاروں بھائی رات ہوتے ہی سو گئے تا کہ سحر کے وقت باغ میں جا کر اُجالا ہونے اور فقراء کے آنے سے پہلے ہی تمام میوؤں کو دوسری جگہ پر منتقل کردیں۔ صبح، جوں ہی یہ چاروں اس قصد وارادہ سے باغ میں پہنچے تو دیکھا قہر خداوندی نے بجلی کی صورت میں نازل ہوکر باغ کو ایک بیابان میں تبدیل کردیا ہے۔ اس حالت کو دیکھ کر ان کا پانچواں بھائی، جو اپنے باپ کے نقش قدم پر چلنا چاہتا تھا، آگے بڑھا اور بولا: ''کیا میں نے کل تم لوگوں کو یاددہانی نہ کی تھی کہ فقراء کو محروم کرنے کا تمہارا فیصلہ ہماری محرومیت کا سبب بن جائے گا؟''

۱۴۳- بحار ۷۶، ص ۱۰۲

اس داستان میں چند قابل توجہ نکات پائے جاتے ہیں:

پہلا یہ کہ اگر چہ گناہ کا ارادہ وقصد کرنا اخروی سزا نہیں رکھتا، لیکن دنیوی تأثیر رکھتا ہے۔

دوسرا یہ کہ اگر ایک وقت نہی از منکر مؤثر ثابت نہ ہو تو اپنے آپ کو دوسرے وقت کے لئے آمادہ رکھنا چاہئے، لیکن نہی از منکر اور امر بمعروف سے ہاتھ نہ کھینچنا چاہئے۔

جب معلم اپنے شاگرد کو اچھے نمبر دینے کے بعد امر بمعروف اور نہی از منکر کرے تو قدرتی طور پر اس کا اثر زیادہ ہوگا۔ جب کوئی کسی کو تحفہ بھیجتا ہے تو قدرتی طور پر اس کے دل میں زیادہ محبت پیدا ہوتی ہے، اور اس طرح تحفہ بھیجنے والے کی بات زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث وقت کے انتخاب پر تاکید فرماتے ہیں۔ مثال کے طور پر استغفار کے لئے وقتِ سحر کی مکرر سفارش اور تاکید کی گئی ہے۔ (۱۴۴)

اوقاتِ دعا کے لئے، واجب نمازوں کے بعد، جمعہ کے خطبوں کے بعد، شب جمعہ، غروبِ جمعہ، ماہ رمضان، میدان عرفات اور بارش کے وقت کا ذکر مخصوص روایتوں میں ہوا ہے۔ (۱۴۵)

حضرت یوسفؑ کو جیل میں پتا چلا کہ دوسرے قیدی مشرک ہیں۔ ابتداء میں انہوں نے انھیں کچھ نہ کہا۔ لیکن جب ان میں سے کسی نے خواب دیکھا، اس کی تعبیر اور تفسیر کی ضرورت محسوس کی، اور حضرت یوسفؑ کے کردار سے بھی عظیم آثار کا مشاہدہ کر چکے تھے، آپؑ کے پاس اپنے خوابوں کی تعبیر کے لئے آئے تو حضرت یوسفؑ نے اس وقت کو نہی از منکر کے لئے مناسب سمجھا اور اُن سے پوچھا: ''چند خداؤں کا ہونا بہتر ہے یا ایک خدائے قہار کا؟'' (۱۴۶)

حضرت یوسفؑ نے اس سوال کے ذریعہ سب سے بڑے منکر، شرک کے بارے میں نہی فرمائی۔ حضرت یوسفؑ نے پرہیزگاری کی دعوت کے سلسلے میں ایک اور طریقہ سے عمل کیا۔ جب

۱۴۴-وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (ذاریات/۱۸)

۱۴۵-بحار۸۵، ص۳۲۱

۱۴۶-ءَ اَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ اَمِ اللهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (یوسف/۳۹)

سالہا سال گزرنے کے بعد آپؑ کے بھائیوں نے آپؑ کو پہچان لیا اور آپؑ سے پوچھا: ''آپ یوسف تو نہیں ہیں؟!'' تو آپؑ نے فرمایا: ''ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا اور حوادث سے بھرے دسیوں سال اور غلامی سے حکومت تک کے مراحل گزرنے کے بعد ہم سب کو ایک جگہ جمع کر دیا۔''

یہاں پر اس عزت کا فلسفہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ: '' جو بھی باتقویٰ اور ثابت قدم ہو، خدائے تعالیٰ نیک انسانوں کے حق اور صلہ کو ضائع نہیں کرتا''۔ (۱۴۷)

جب فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے مقابلہ کرنے کے لئے ملک بھر کے تمام تجربہ کار جادوگروں کو جمع کیا اور انہیں انعام و اکرام کا وعدہ دیا، اور طے پایا کہ حضرت موسیٰؑ کے معجزہ کے سامنے اپنے سحر و جادو کی نمائش کرنے لئے ایک دن کا انتخاب کریں۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: ''ہمارا وعدہ زینت (عید) کے دن ہے کہ سب لوگ حاضر ہوں (۱۴۸)۔ ضمناً نمائش کی جگہ بھی مناسب ہونی چاہئے، یعنی وسیع، اور ہموار جگہ اور اس کا رقبہ اتنا ہو کہ تمام لوگ اس میں آسکیں اور یہ ایک مرکزی جگہ ہونی چاہئے''۔ (۱۴۹)

عید کے دن کے انتخاب کے بارے میں چند قابل توجہ نکات ہیں:

۱- ظاہری عید جسمیں لوگ لباس، جوتے اور ٹوپی کو بدل کر مسرور ہوتے ہیں، باطنی اور معنوی عید مین تبدیل ہو جائے بلکہ سب فکر و عقیدہ کو بدل کر شادمان ہو جائیں''۔

۲- عید کی صبح کا وقت مقرر ہوا تا کہ لوگ زیادہ اور بہتر طور سے ذہنی فراغت کے ساتھ جمع ہوں، کیونکہ جب زیادہ لوگ حضرت موسیٰؑ کا معجزہ دیکھیں گے، تو حضرت موسیٰؑ زیادہ کامیاب ہوں گے۔

۱۴۷-قالوا ءانک لانت یوسف قال انا یوسف و ھذا اخی قد منّ اللہ علینا انّہ من یتّق و یصبر فانّ اللہ لا یضیع اجر المحسنین (یوسف/۹۰)

۱۴۸-قال موعدکم یوم الزّینۃ و ان یحشر النّاس ضحیً (طٰہٰ/۵۹)

۱۴۹-مکانا سویً (طٰہٰ/۵۸)

غائبانہ اور خط و کتابت کے ذریعہ:

قلم، الٰہی نعمتوں میں سے ایک ہے۔ خدائے تعالیٰ نے اس کی، اس کی سطروں کی اور اس کی تحریر ، جو اس کے ذریعہ وجود میں آتی ہے، کی قسم کھائی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ خدائے تعالیٰ تمام آوازوں میں سے صرف تین آوازوں کو پسند کرتا ہے:

۱- علماء کے قلم کی آواز

۲- سپاہیوں کے قدموں کی آواز

۳- خانہ دار عورتوں کے چرخہ کی آواز جب وہ کاتنے اور بُننے میں مشغول ہوتی ہیں۔ (۱۵۰)

بے شک خدا پرست ملت کو علمی، عسکری، پیداوری اور اقتصادی میدانوں میں بالیدہ ہونا چاہئے۔ قلم، گزشتہ تاریخ کو آئندہ کے ساتھ مرتبط کرتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ، ہدایت اور عقل کے بعد قلم کے برابر کوئی نعمت نہیں ہے۔ قلم حکومتوں کو بدل دیتا ہے اور فکروں کو دگرگوں کر کے رکھ دیتا ہے۔ فتنوں کو برپا یا خاموش کر دیتا ہے۔

امام صادق علیہ السلام قلم کو اپنے کان کے اوپر رکھتے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زمانہ کے پادشاہوں کو اسلام کی دعوت کے لئے خطوط تحریر فرماتے تھے۔ (۱۵۱)

امام خمینیؒ کا کمیونزم کے سب سے بڑے قائد کے نام تاریخی خط اور مکتب اسلام کا مطالعہ کرنے کی دعوت ناقابل فراموش مسائل میں سے ہے۔ جس طرح سائنس اور تاریخ کی دنیا میں تجربوں اور مہارتوں کو منتقل کرنے میں قلم کا کردار کسی سے پوشیدہ نہیں ہے اسی طرح خیر کی دعوت، امر بمعروف یا نہی از منکر میں قلم کے رول کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

۱۵۰- آج کل شاید ان تینوں آوازوں کے بجائے کہہ سکتے ہیں چھاپخانہ، توپخانہ اور کارخانہ کی آواز۔

۱۵۱- ان خطوط کا مجموعہ ''مکاتیب الرسول'' کے عنوان سے کتاب کی صورت میں جس کے مؤلف علامہ آیۃ اللہ احمدی میانجی ہیں چھاپ ہوا ہے۔

سڑکوں کے کناروں پر نصب کئے جانیوالے سائن بورڈوں، مفید وتعمیری نعروں، دیوار پر لکھے جانے والے خوبصورت نعروں، پوسٹروں، تصویروں اور ڈیزائنوں کے ذریعہ معاشرے کی راہ، حق کی طرف موڑی جاسکتی ہے۔ اس کے برعکس اگر اجناس اور کارخانوں کی چیزوں پر وحشی جانوروں کی تصویریں اور نامفہوم ڈیزائن کھینچے جائیں تو معاشرہ بیکار اور بے مقصد راستے پر چلے گا۔

یہاں پر قلم کاروں اور اخبار اور رسالہ نویسوں کی اہم ذمہ داری کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہی لوگ ہیں جو کلمات اور چھپنے والے حروف کو بڑا یا چھوٹا کر کے مسائل کو ہوا دیکر یا انھیں حذف کر کے عام لوگوں کے اذہان کو بدل سکتے ہیں۔ اگر اسلامی فقہ میں گمراہ کن کتابیں پڑھنا حرام قرار دیا گیا ہے تو یہ لوگوں کو گمراہ کرنے میں قلم کے کردار کے پیش نظر ہی ہے۔

اگر حدیث میں علما کے قلم کو شہداء کے خون کے برابر یا اس سے برتر بیان کیا گیا ہے تو یہ قلم کے اسی تعمیری رول کے پیش نظر ہے۔ اسلامی انقلاب میں، امام خمینیؒ کے پاس نہ بجٹ تھا، نہ پارٹی اور نہ کوئی تنظیم۔ لیکن آپ نے اپنے اعلانات اور تقریروں کے ذریعہ تاریخ بشریت کے سب سے بڑے منکر (شاہنشاہی نظام) کو سرنگون کر کے رکھدیا۔ اس موضوع پر بہت کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن یہاں تفصیل کو نظر انداز کرتے ہیں۔

خاموشی:

بعض امور میں ایک بامعنی نگاہ اور خاموشی سے نہی از منکر کیا جاسکتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ’’کتنے ایسے مواقع ہیں جہاں پر خاموشی، بات کرنے سے زیادہ رسا ہوتی ہے‘‘۔ (۱۵۲)

ایک قرض خواہ اپنے قرض کے تقاضے کے لئے قرضدار کے پاس جا کر کہتا تھا: ’’اپنا قرض ادا کرو!‘‘ مقروض ہر روز کوئی نہ کوئی بہانہ لاتا تھا۔ بالآخر قرض خواہ تنگ آ کر امامؑ کی خدمت میں

۱۵۲۔رب سکوت ابلغ من کلام۔ (فہرست غرر،ص ۱۶۲)

حاضر ہوا اور اپنا قصہ امامؑ کی خدمت میں بیان کیا۔ امامؑ نے فرمایا: ''قرض کا تقاضا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مقروض کے پاس جا کر بہت دیر تک بیٹھے رہنا لیکن زبان سے کچھ نہ کہنا۔ تمہاری یہ خاموشی تقاضے سے زیادہ مؤثر ثابت ہوگی''۔(۱۵۳)

تربیتی مسائل میں بھی والدین یا استاد کی خاموشی یا بامعنی نگاہ کلیدی رول کی حامل ہوتی ہے۔

غصہ کا اظہار:

بعض اوقات منکرات کے مقابل غصہ کا اظہار کرنا چاہئے۔ پیغمبر اکرمؐ نے حکم دیا ہے:

''گناہگاروں سے ترش روئی کے ساتھ ملاقات کرو''۔(۱۵۴)

حدیث شریف میں آیا ہے:

''کچھ فرشتے ایک علاقہ پر عذاب نازل کرنے کے لئے مأمور ہوئے۔ انہوں نے اس علاقہ میں ایک عابد کو گریہ وزاری کے عالم میں عبادت کرتے ہوئے پایا۔ بارگاہ الٰہی میں سوال کیا: ''کیا اس عابد پر بھی عذاب نازل کریں جو اس حالت میں تیری عبادت کر رہا ہے؟''

خطاب آیا: ''سب پر عذاب نازل کرو کیونکہ ان لوگوں میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جس نے میری رضا کے لئے گناہوں کے مقابل میں نفرت کا اظہار کیا ہو''۔(۱۵۵)

ایک دن اسحاق بن عمار امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرتؑ نے جوں ہی اسے دیکھا، چہرے پر ناراضگی کا تاثر پیدا کر لیا۔ امامؑ سے سوال کیا گیا کہ آپ نے اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیوں کیا؟

امام نے فرمایا: ''اس نے اپنے پاس آنے والوں کے لئے دربان مقرر کر رکھا تھا تا کہ فقراء

۱۵۳-لیس هذا طریق التقاضی ولکن اذا اتیته اطل الجلوس والزم السکوت. (وسائل۱۳،ص۱۰۰)

۱۵۴-امرنا رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم ان نلقی اهل المعاصی بوجوه مکفهرة. (وسائل۱۱،ص۴۱۳)

۱۵۵-فان ذلک رجل لم یتغیر وجهه غضباً لی (بحار۹۷،ص۸۶و۸۸)

اور ہمارے شیعہ آسانی سے اس تک نہ پہنچ سکیں‘‘۔(۱۵۶)

ترک کرنا:

منافقین نے مدینہ منورہ میں پیغمبر اسلامؐ کی مسجد کے مقابل میں ایک مسجد تعمیر کی اور آنحضرتؐ کو اس مسجد کا افتتاح کرنے کی دعوت دی۔ آیت نازل ہوئی ’’اس مسجد میں نماز نہ پڑھنا‘‘ (۱۵۷)

البتہ جب ہم لوگوں کو فساد کے مراکز (چاہے وہ مقدس ناموں سے کیوں نہ موسوم ہوں) سے روکنے میں کامیاب ہوئے تو ہمیں صحیح وسالم مراکز کی طرف ان کی راہنمائی کرنی چاہئے، اسی طرح جیسے قرآن مجید نے منافقین کی مسجد ضرار کی تحریم کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو مسجد قبا میں نماز پڑھنے کی سفارش فرمائی، جسے حقیقی مسلمانوں نے تعمیر کیا تھا۔(۱۵۸)

دوری اختیار کرنا:

کبھی نہی از منکر منہ پھیرنے یا دوری اختیار کرنے سے انجام پاتا ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے: ’’اگر تم کسی کو دیکھو کہ ہماری آیات کے بارے میں بیہودہ گوئی کرتا ہے، تو اعتراض کے طور سے وہاں سے اٹھ کے چلے جاؤ، یا گفتگو کے موضوع کو بدل دو، اگر شیطان نے تم پر فراموشی طاری کی تو جوں ہی متوجہ ہوئے جلسہ سے اٹھ کر چلے جاؤ اور ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو‘‘ (۱۵۹)

۱۵۶-اصول کافی ۳، باب المصافحہ، حدیث ۱۴

۱۵۷-لاَ تَقُمْ فِیهِ (توبہ/۱۰۸)

۱۵۸-لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیهِ (توبہ/۱۰۸)

۱۵۹-وَاِذَارَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلاَ تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (انعام/۶۸)

بے شک بعض اوقات بے توجہی اور غصہ کا اظہار کارگر ثابت ہوتے ہیں قرآن مجید پیغمبر اکرمؐ سے بار بار فرماتا ہے: ''فلاں گروہ کی مخالفت کرو'' ﴿فأعرض عنهم﴾ (۱۶۰) ''انہیں چھوڑ دو'' ﴿ذرهم﴾ (۱۶۱)

امام صادق علیہ السلام نے مخالفین کے ساتھ بیٹھنے والوں اور ان کی بکواس سننے والوں کے بارے میں فرمایا ہے: ''یقیناً انھیں سزا دی جائے گی'' (۱۶۲)

اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں بھی بعض اوقات عارضی غصہ اور بے توجہی کا اظہار ضروری ہے، لیکن مارنے پیٹنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ (۱۶۳)

قرآن مجید اپنے شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری نہ کرنے والی عورت کے بارے میں فرماتا ہے: ''اسے نصیحت کرو اور مؤثر ثابت نہ ہوا تو اس کے ساتھ ہم خوابی سے اجتناب کر کے اسے تنبیہ کرو'' (۱۶۴)

نہی از منکر کو قبول نہ کرنے والے ہر گناہگار سے دوری اختیار کرنا چاہئے (۱۶۵)۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ: ''مؤمن اس مجلس میں بیٹھنے کا سزاوار نہیں ہے جس میں گناہ انجام پاتا ہو اور وہ اسے بدل نہ سکے''۔ (۱۶۶)

قرآن مجید میں آیا ہے: ''پیغمبر اکرمؐ کفار کی تجویز (آنحضرت کفار کے مقابل میں خاموشی

۱۶۰-نساء/۶۳، اعراف/۱۹۹

۱۶۱-انعام/۹۱

۱۶۲-لآخذن البريء منكم بذنب السقيم (وسائل۱۱، ص۴۱۴)

۱۶۳- لا تضربه واهجره ولا تطل (بحار/۱۰۱، ص۹۹)

۱۶۴-فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ (نساء/۳۴)

۱۶۵-وان لم يقبل فاهجروه واجتنبوا مجالسته (بحار۱۰۰، ص۸۶)

۱۶۶-لاينبغي للمؤمن ان يجلس مجلساً يعصى الله فيه ولايقدر على تغييره (وسائل۱۱، ص۵۰۳)

اختیار کریں اوراس کے جواب میں کفار مسلمانوں کا احترام کریں) کے مقابلے مین اس پر مأمور ہوئے کہ کھلم کھلا یہ کہدیں: ﴿لکم دینکم ولی دین﴾

اس سلسلے میں بہت سی آیات ہیں، ہم اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔(۱٦۷)

دوستانہ اعراض:

بعض اوقات اعراض گناہ وگناہگار کے بارے میں ہوتا ہے، لیکن کبھی اعراض گناہ کے سلسلے میں نہیں بلکہ دوستانہ ہوتے، جیسے دوشخص کار خیر میں مشغول ہیں، لیکن سلیقہ اورطریقہ کار کی بنا پر ایک دوسرے سے اختلاف نظر رکھتے ہیں کہ اس حالت کا جاری رہنا ان کے لئے تکلیف دہ ہوتا ہے۔ یہاں پر ایک دوسرے سے جدا ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مثال کے طور پر یہ ضروری نہیں ہے کہ میاں بیوی میں سے کوئی گناہگار ہو، تا کہ اس سے طلاق لے لی جائے۔ بلکہ بعض اوقات طلاق کے دوسرے اسباب بھی ہوتے ہیں اوران حالات میں طلاق عمل میں نہ آئے تو میاں بیوی آخر عمر تک عذاب سے دوچار رہتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ دو معصوم پیغمبر دو قسم کے طرز تفکر، طریقہ کار اور ذمہ داری کی بناء پر اس جملہ کے ذریعہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ ﴿هذا فراق بيني وبينك﴾۔

بعض اوقات انسان شعر یا فقہ یا تاریخ یا پڑھائی یا کسی خاص کام سے دلچسپی نہیں رکھتا اور اگر اس سلسلے میں راستہ نہ بدلے اور اپنی خواہش کے برخلاف آگے بڑھتا رہے تو ایک دائمی اور مسلسل رنج وتکلیف کے علاوہ کامیاب بھی نہیں ہوتا ہے۔

لہٰذا اپنے لئے شریک حیات، ہمسفر، شریک کار، شاگرد، نوع کار، سکونت کا علاقہ اور ہر دوسرے کام کا انتخاب کرنے میں پہلے خدا کی رضامندی کو اور پھر اپنی پسند کو مدنظر

۱٦۷-آیہ: انی بریء مما تشرکون (انعام/۷۸) کے مانند

رکھنا چاہئے۔ اگر کسی ڈرائیور نے دیکھا کہ اسکی گاڑی کا ایک پہیہ دوسرے پہیوں سے ہماہنگ اور بیلنس نہیں ہے تو مسافروں کی جان کی حفاظت کے لئے اسے فوراً بدلنا چاہئے۔ اس پہیہ کا بدلنا عیب و نقص کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اپنے معیّن شدہ مقصد تک جلد پہنچنے کی غرض سے ہے۔

نتیجہ:

ہم پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ کی زندگی کے حالات میں پڑھتے ہیں کہ یہ حضراتؑ بعض اوقات نہی از منکر کے لئے گناہگار کی تنبیہ فرماتے تھے۔ یہاں پر ہم اس سلسلے میں ایک نمونہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

پیغمبر اسلامؐ کے زمانہ میں سمرۃ (۱۶۸) نام کا ایک شخص تھا۔ پیغمبرؐ کے ایک صحابی کے باغ میں اس شخص کا ایک درخت تھا۔ وہ اپنے درخت کی دیکھ بھال کے بہانے باغ میں داخل ہو جاتا تھا۔ ایک دن باغ کے مالک نے اس سے کہا: ''تمہارا اس باغ میں صرف ایک درخت ہے، جبکہ پورا باغ میرا ہے اور میرے بال بچے اس میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ تم اچانک اور بغیر اطلاع کے باغ میں داخل نہ ہوا کرو!''

لیکن اس شخص نے باغ کے مالک کی ایک نہ مانی۔ باغ کے مالک نے پیغمبر خداؐ کے حضور اس کی شکایت کی۔ آنحضرتؐ نے اُسے اپنے پاس بلاکر فرمایا: ''اس درخت کو باغ کے مالک کے ہاتھ بیچ دو''۔ اس شخص نے کہا: ''نہیں بیچوں گا''۔

پیغمبرؐ نے فرمایا: ''کئی گنا قیمت لیکر فروخت کرو''۔ اس نے کہا: ''نہیں بیچوں گا''۔

پیغمبرؐ نے فرمایا: ''اس درخت کو نظر انداز کرو، تمہیں اس جیسا ایک درخت دوسری جگہ دیتا ہوں''۔

۱۶۸- سمرۃ پیغمبرؐ کے زمانہ میں ایک موذی اور منافق شخص تھا۔ حضرت علیؑ کے زمانے میں معاویہ کا طرفدار تھا۔ کربلا میں لشکر یزید میں شامل تھا۔ معاویہ سے حدیث جعل کرنے کے لئے پیسے لیتا تھا۔

لیکن وہ شخص پھر بھی نہیں مانا۔ آنحضرتؐ نے باغ کے مالک کو حکم دیا کہ: ''یہ شخص فاسق اور پریشان کرنے والا ہے۔ اس کا درخت جڑ سے اکھاڑ کر کوچے میں پھیک دو، کیونکہ اسلام میں کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اسطرح کسی کو اذیت پہنچائے''۔(۱۶۹)

اس واقعہ میں پیغمبر اسلامؐ نے نہی از منکر کے سلسلے میں اس مرد کی تنبیہ فرمائی۔

انقلابی اقدامات کے چند نمونے:

۱-حضرت علی علیہ السلام نے طواف کی حالت میں ایک مرد کو دیکھا کہ وہ ایک عورت کو بُری نگاہ سے دیکھ رہا ہے۔ آپؑ نے پہلے اسے اس کام سے منع فرمایا۔ لیکن اس مرد نے اس پر اعتنا نہ کی۔ اس پر امامؑ نے اس بدکار جوان کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ مارا۔ جوان نے جا کر خلیفہ دوم کے ہاں شکایت کی۔ خلیفہ نے اُس سے کہا: ''خدا کی آنکھ نے تجھے دیکھا اور خدا کے ہاتھ نے تجھے مارا ہے''۔(۱۷۰)

۲- لوگ وضو کرنے میں مشغول تھے۔ ایک اکڑباز شخص داخل ہوا اور دوسروں کو دھکا دیکر آگے بڑھا تا کہ جلدی سے وضو کرے۔ اس نے حضرت علیؑ کے مقام ومنزلت کو مدنظر رکھے بغیر انھیں بھی ایسا دھکا دیا کہ حضرتؑ گرنے سے بال بال بچ گئے۔ جب امامؑ وضو سے فارغ ہو کر اس جگہ سے باہر نکلے، تو اس شخص کو تین کوڑے مارے۔

۳-ایک ظالم نے ایک مظلوم کو طمانچہ مارا۔ حضرت علی علیہ السلام کے ہاں شکایت پہنچائی گئی۔ امام نے اس ظالم کو ایک تھپڑ مارنے کا حکم صادر فرمایا۔ طمانچہ کھائے ہوئے مظلوم نے کہا: ''میں اسے بخش دیتا ہوں''۔ لیکن امامؑ نے اپنے ہاتھ سے اس ظالم کو ایک تھپڑ مارا۔ اس شخص نے

۱۶۹-وسائل الشیعہ، ج۱۱، ص۳۴۲(لاضرر ولاضرار فی الاسلام)

۱۷۰-رأتک عین اللہ و ضربتک یداللہ اس حدیث کو علامہ امینی نے اپنی کتاب ''الغدیر'' میں نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو بحار ج۲۳، ص۳۰۲)

پوچھا: ''تھپڑ کھانے والے نے تو مجھے بخش دیا تھا۔ آپ نے مجھے کیوں طمانچہ مارا؟'' حضرتؑ نے فرمایا: ''میں ولایت کا حق رکھتا ہوں تاکہ معاشرے میں تم جیسے دوسرے لوگ پیدا نہ ہوں''۔

۴- ایک خرما فروش نے ایک سڑک کے کنارے پر سائبان لگا رکھا تھا۔ اسے کئی بار تذکر دیا گیا کہ تم نے راستے کو لوگوں کے لئے تنگ کر رکھا ہے۔ لیکن اس نے اعتنا نہ کیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس کے سائبان کو نذر آتش کر دیا جائے۔

اقتصادی پابندی اور اجتماعی ناکہ بندی:

آنحضرتؐ نے ابن مسعود سے فرمایا: ''اے ابن مسعود! گناہگاروں کے بارے میں مندرجہ ذیل نکات کا خیال رکھنا:

۱- ان کے ساتھ کھلم کھلا اٹھنا بیٹھنا نہ رکھنا (۱۷۱)۔ کیونکہ مخفیانہ ملنا جلنا گناہ پر جرأت کا سبب نہیں بنتا لیکن ان کے یہاں کھلم کھلا رفت و آمد گناہگاروں کے گناہ پر مہر تائید ہوتی ہے۔

۲- بازار میں گناہگاروں کے ساتھ لین دین نہ کرنا۔ (۱۷۲)

۳- گناہگاروں کی کسی قسم کی مدد کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ (۱۷۳)

بے شک ان طریقوں سے کیا کچھ نہیں کیا جا سکتا ہے!۔ اگر غیر ذمہ دار افراد کو کسی ملازمت کے لئے انتخاب کرنے سے پرہیز کیا جائے اور قبول کرنے کے لئے کچھ شرائط مقرر کئے جائیں تو تمام معروف اور نیک کام انجام پا سکتے۔

۱۷۱- لاتجالسوهم فی الملاء. (مستدرک الوسائل، چاپ جدید ۱۲، ص ۳۱۳)

۱۷۲- لا تبایعوهم فی الاسواق. (مستدرک الوسائل، چاپ جدید ۱۲، ص ۳۱۳)

۱۷۳- لا تهدوهم الطریق و لاتسقوهم الماءِ. (مستدرک الوسائل، چاپ جدید ۱۲، ص ۳۱۳)

اذیت:

اگر نہی از منکر میں موعظہ، یاد دہانی اور دوری اختیار کرنے سے کوئی اثر نہ ہو تو اذیت و آزار سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ امام صادق علیہ السلام نے اپنے بعض اصحاب سے فرمایا: ''تم لوگ گناہگار کو دیکھ کر اس کے کام کی مذمت کیوں نہیں کرتے ہو؟ اس کو اپنے سے دور کیوں نہیں کرتے ہو؟ اسے اذیت کیوں نہیں پہنچاتے ہو؟ تا کہ وہ برائیوں سے دوری اختیار کر لے۔ مجھ پر لازم آتا ہے کہ تم لوگوں کو اس لاپروائی کے نتیجہ میں سزا دوں''۔(۱۷۴)

حضرت علی علیہ السلام اپنے گورنر سے فرماتے ہیں: ''اناج کی ذخیرہ اندازی کرنے والے کو حاضر کر کے اسے تنبیہ کرو، اگر اس نے قبول نہ کیا تو سختی سے پیش آؤ''(۱۷۵)۔ (لیکن اذیت کے بعض امور اسلامی حاکم کے زیر نظر انجام پانے چاہئے)

اذیت سے ہمارا مقصد صرف جسمانی اذیت نہیں ہے۔ بعض اوقات منہ پھیرنا اور تندید بے اعتنائیاں بھی اس میں شامل ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر علی ابن یقطین ایک شیعہ وزیر تھے جو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے حکم سے بنی عباس کی حکومت میں نفوذ رکھتے تھے۔ وہ سفر کی غرض سے مدینہ آئے اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ملاقات کے لئے اجازت چاہی، لیکن امامؑ نے انھیں ملاقات کی اجازت نہیں دی۔ وہ بہت غمزدہ ہوئے اور یہ سوچنے لگے کہ: ''میں امام کا نمایندہ اور نبی عباسیوں کی حکومت میں آپؑ کا خاص آدمی اور وزیر ہوتے ہوئے ملاقات سے

۱۷۴-قال امام صادق علیه السلام لقوم من اصحابه انه قد حق لی ان اخذالبریء منکم بالسقیم و کیف لا یحق لی ذٰلک وانتم یبلغکم عن الرجل منکم القبیح فلاتنکرون علیه ولا تهجرونه ولاتؤذونه حتی یترک. (وسائل ۱۱، ص ۴۱۵)

۱۷۵-مالک اشتر کے نام لکھے خط میں فرماتے ہیں: "فمن قارف حکرة بعد نهیک اياه فنكل به وعاقب فی غیر اسراف" (خط نمبر: ۱۰۰/۵۳)

کیوں محروم ہوا؟''

امام موسیٰ کاظمؑ نے ان کے پاس کہلایا: ''ابراھیم شتربان جوایک فقیر چرواہا تھا تمہارے پاس ملنے کے لئے آیا تھا۔ تم نے اُس سے اسلئے ملاقات نہیں کی، کیونکہ وہ ایک چرواہا تھا۔ تمہارا یہ کام اچھا نہیں تھا۔ میں بھی تمہیں اجازت نہیں دونگا اور تمہارا حج بھی قبول نہیں ہے''۔

علی بن یقطین اپنی کارکردگی پر پشیمان ہوئے، کوفہ واپس پہنچ کر وہ چرواہے کے پاس گئے اور اپنے چہرے کو خاک پر رکھ کر چرواہے سے کہا ان کے چہرے پر پاؤں رکھ کر اس سے رگڑے تاکہ اس سے راضی ہو جائے۔ جب چرواہا راضی ہوگیا تو علی ابن یقطین مدینہ منورہ لوٹے پھر امام موسیٰ کاظمؑ نے ان سے ملاقات کی۔

انقلابی برتاؤ:

قرآنی آیات پر اجمالی نظر ڈالنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ امر بمعروف اور نہی از منکر اور ارشاد و تعلیم کے لئے ابتدا میں، نیک اخلاق، دور اندیشی، نرمی، محبت وغیرہ سے پیش آنا چاہئے، لیکن اگر یہ اقدام مؤثر ثابت نہ ہوئے تو انقلابی برتاؤ کرنا چاہئے تاکہ بُرے کاموں کو روکا جاسکے۔ اس سلسلے میں حسب ذیل چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں:

۱- حضرت علی علیہ السلام نے مارماہی بیچنے والوں کو کوڑے مار کر تنبیہ کی۔ (۱۷۶)

۲- ایک قصہ گو نے مسجد میں لوگوں کو قصہ سننے پر مشغول کیا تھا، امیر المؤمنینؑ نے اسے کوڑے مار کر باہر نکال دیا۔ (۱۷۷)

۳- ایک شخص نے سور کا گوشت کھانا چاہا۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''اگر کھالیتے تو میں تم پر حد

۱۷۶- وسائل ۱۶، ص ۳۳۲

۱۷۷- وسائل ۱۸، ص ۵۸۰ (شاید وہ ایسی جھوٹی کہانیاں سناتا تھا جو مسجد کی شان کے مطابق نہ تھیں)

جاری کرتا، لیکن چونکہ نہیں کھایا ہے، صرف کھانے کے ارادہ پر تمہیں ایک کوڑا مارتا ہوں۔(۱۷۸)

حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں سے بتوں کا ٹوٹنا، حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں طلائی بچھڑے کو جلا ڈالنا اور حضرت علیؑ کے ہاتھوں مکہ کے بتوں کا ٹوٹنا بھی مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

چند مسائل پر توجہ:

امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر برائیوں کو روکنے اور نیکیوں کو رائج کرنے کے سلسلے میں کسی وقت سختی اور شدتِ عمل کارگر ہو تو اس صورت میں انسان پر واجب ہے کہ سختی سے پیش آئے۔ اور جہاں کہیں غصہ کرنا یا صرف کہنا مؤثر نہ ہو، وہاں طاقت کا استعمال کرنا چاہئے''۔(۱۷۹)

اگر منکرات کی روک تھام کے لئے گناہگار کے مال و جان کو تصرف کرنا ضروری ہو تو ایسا ہی کرنا چاہئے۔ مثال کے طور پر چاقو کش کے ہاتھ سے زبردستی چاقو چھین لینا چاہئے یا شراب پینے والے کے ہاتھ سے زبردستی جام چھین لینا چاہئے۔ حتیٰ بعض منکرات کو روکنے کیلئے کبھی لوگوں کے گھروں میں داخل ہو کر ان کے اموال پر تصرف کرنا بھی جائز ہے (جیسے بجلی پانی اور ٹیلیفون وغیرہ کاٹنا)۔ اگر اہم برائیوں کو روکنے کے لئے کسی چیز کو توڑنا یا خلاف کار کے مال کو نقصان پہنچانا ضروری ہو تو ایسا ہی کرنا چاہئے اور ایسا کام کرنے والا ضامن بھی نہیں ہے، اس کے برعکس اگر خلاف کار نے امر بمعروف کرنے والوں کو کسی قسم کا ضرر پہنچایا تو وہ ضامن ہے۔ یہ امر واضح ہے کہ اس قسم کے اقدامات صرف ایسے اہم خلاف کاروں کے بارے میں جائز ہیں جو صرف کہنے اور وعظ و نصیحت سے قابل اصلاح نہ ہوں، پھر بھی امر بمعروف کرنے والے کو حد سے زیادہ آگے نہیں

۱۷۸- وسائل ۱۸، ص ۵۷۸

۱۷۹- توضیح المسائل، مسئلہ ۲۸۱۸ بہ بعد۔

بڑھنا چاہئے۔ مثال کے طور پر اگر لازم ہو کہ خلاف کار کا چھرا توڑ دیا جائے تو یہی کام کرنا چاہئے اس کے گھر کے برتن کو نہ توڑنا چاہئے بلکہ چُھرے کو توڑنے پر ہی اکتفا کرنا چاہئے۔ امر بمعروف کرنے والا جس قدر ضرورت سے زیادہ نقصان پہنچائے، ضامن ہوگا۔ جہاں پر گناہگار کو صرف قید کر کے ہی گناہ کو روکا جاسکتا ہو تو اس صورت میں گناہگار کو قید یا گھر میں نظر بند ہی کرنا چاہئے۔ اگر پٹائی کے بغیر گناہگار بُرائی سے پیچھے نہ ہٹے تو فقیہ کے حکم سے اسکی پٹائی بھی کی جاسکتی ہے۔ اسلامی فقہ میں حدود، قصاص اور دیات کے قوانین جرائم کی روک تھام میں مؤثر رول ادا کرتے ہیں۔

اچھے لوگوں کی حوصلہ افزائی کے ذریعہ برے افراد کی تنبیہ:

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''ازجر المسیی بثوابک للمحسن'' ''جب کار خیر انجام دینے والوں کی حوصلہ افزائی کروگے تو بدکار خود بخود اپنے کردار پر متنبہ اور پشیمان ہوگا''۔

نیک افراد کی حوصلہ افزائی میں دو اثر مضمر ہیں، ایک یہ کہ کار خیر انجام دینے والے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور وہ دلگرمی کے ساتھ اپنے کام میں اور مستعد ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ بدکار اپنی اصلاح کی فکر میں پڑتا ہے۔

ایک دانشور، مؤجد، فنکار، شاعر، مجاہد اور قلمکار کی حوصلہ افزائی کے ذریعہ رائے عامہ کو حق کی طرف گامزن کیا جاسکتا ہے اور اس کے علاوہ ان خوبیوں سے محروم افراد کے لئے یہ ایک اچھا ٹھوکا بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں ہے کہ تشویق ہر وقت مادی ہو، بلکہ ایک مزدور کے ہاتھ کو چومنا اور بزرگوں کا احترام و تکریم سادہ ترین تشویق ہے۔

جب مسجد میں معزز اور محترم شخصیتیں پہلی صف میں کھڑی ہوں تو یہ بذات خود ایک عملی تشویق ہے۔ جس روایت میں یہ بیان ہوا ہے کہ عالم پر نظر ڈالنا یا کسی گھر میں عالم کا ہونا، ثواب

ہے''۔ درحقیقت یہ عالم اور علم کی عملی تشویق ہے۔ جنگ احد کے خاتمے پر پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: ''میں اس شہید کی نماز جنازہ پہلے پڑھوں گا جس نے قرآن حفظ کیا ہو''۔ آپؐ نے جنگ میں ایک شخص کے ہاتھ پر چم لے کر دوسرے کے ہاتھ میں دیدیا اور فرمایا: ''اس آدمی نے زیادہ قرآن حفظ کیا ہے''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام لوگوں کے سامنے ہشام کی ایسی تعریفیں فرماتے تھے کہ لوگ تعجب کرنے لگتے تھے۔ دوسری طرف قرآن مجید میں آیا ہے: ''منافقوں کی نماز جنازہ نہ پڑھو، اُن کی قبروں پر نہ جاؤ ان کی گواہی قبول نہ کرو...''

پانچویں فصل

قرآن مجید میں معروف ومنکر کی قسمیں

قرآن مجید میں معروف کے نمونے

چونکہ قرآن مجید ہر پہلو سے نور ہدایت ہے، اسلئے ضروری ہے کہ معروف و منکر کی پہچان کے سلسلے میں بھی اس سے استفادہ کیا جائے۔ اس آسمانی کتاب کے مطالعہ کے دوران معروف کے کئی نمونے نظر آتے ہیں:

۱- دینی مراکز اور مساجد کی تعمیر:

قرآن مجید فرماتا ہے: ''جنھوں نے اُن خدا پرست جوانمردوں کی قبروں پر ایک عمارت تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، ان میں سے بعض نے کہا: کیوں ایک بے مقصد عمارت تعمیر کی جائے، اگر یہ طے پائے کہ اپنے عقیدہ کے تحفظ میں طاغوت سے فرار کر کے ہجرت کرنے والے ان غارنشینوں کی قبروں پر ہم یادگار کے طور پر کوئی عمارت تعمیر کریں، تو بہتر ہے یہ عمارت مسجد ہو'' (۱)۔ لہٰذا اصحاب کہف کے نام سے مشہور ان جوانمردوں کی قبروں پر ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ کاش! شہر اور قصبوں کی تعمیر کے سلسلے میں منصوبہ مرتب کرنے والے قرآن سے درس حاصل کرتے (۲)، اور شہر کی عمارتیں تعمیر کرنے سے پہلے مسجد کی جگہ کو معین کرتے اور اس کے بعد مسجد کو مرکز و محور قرار دیکر سڑکوں اور گلیوں کی تعمیر کرتے!

۱- لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِداً (کہف/۲۱)
۲- إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ (آل عمران/۹۶)

مساجد مسلمانوں کے ثقافتی مراکز ہونی چاہئیں۔ دوسری جگہوں کی سجاوٹ پر جو سرمایہ لگایا جاتا ہے وہ مسجد اور اس کے اطراف میں صرف ہونا چاہئے، اگر ایسا نہ ہوتو دیگر جگہوں کی جذابیت مساجد کی نسبت بڑھ جائے گی اور مسجدیں خالی پڑ جائیں گی، خاص طور پر قرآن مجید کے مطابق مساجد کی بنیاد اوّل سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہے، ان کی مرکزیت کو بڑھاوا دینا چاہئے(۳)۔ مسجد کا احیاء کرنا ایک ایسی الٰہی توفیق ہے کہ جسے خدائے تعالیٰ صرف ایمان، شجاعت اور اخلاص والے مؤمنین کو عطا فرماتا ہے(۴)۔ مسجد کی اتنی قدر و منزلت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ(۵) اور حضرت زکریاؑ جیسے خدا کے نبی اس کے خادم تھے۔

مسجد کی اتنی قدر و منزلت ہے کہ حضرت مریمؑ کی والدہ نے حاملگی کی حالت میں نذر کی کہ اپنے فرزند کو دیگر تمام کاموں سے آزاد کر کے بیت المقدس کی خدمت کے لئے مخصوص کروں گی۔(۶)

قرآن مجید فرماتا ہے کہ: ''مسجد الحرام کی تولیت ایک ایسا مقام ہے کہ باتقویٰ اور پرہیزگار لوگوں کے سوا کوئی اس کی لیاقت اور صلاحیت نہیں رکھتا''۔(۷)

قرآن مجید میں ہر اس کام کو سب سے بڑا ظلم شمار کیا گیا ہے جو مسجد کی رونق کو کم کرنے

۳-لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ (توبہ/۱۰۸)

۴-إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ... وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ (توبہ/۱۸)

۵-طَهِّرْ بَيْتِيَ (حج/۲۶)

۶-إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا (آل عمران/۳۵)

۷-إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ (انفال/۳۴)

کا باعث بنے (۸)۔ مسجد کی رونق میں کمی کا سبب بدترین ظلم ہے خواہ یہ عزاداری یا مجلس ترحیم کے نامنظم پروگرام ہوں، امام جماعت کا محبوب یا منظم نہ ہونا ہو، مسجد کے خادم کا بداخلاق ہونا ہو، امناء کی کمیٹی یا متولیوں کا نااہل ہونا ہو، غیر ضروری مسائل کا مسجد میں مطرح کرنا ہو، لمبی تقریریں، صفائی اور سجاوٹ کا فقدان نیز مسجد کے نام وامکانات سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہو یا اور کوئی وجہ جو مسجد میں شرکت کرنے والوں کی تعداد میں کمی واقع ہونے کا سبب بنے۔ افسوس کا مقام ہے کہ ہماری مسجدیں غم کدوں میں تبدیل ہوگئی ہیں جبکہ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی عقد خوانی کی تقریب مسجد میں ہی منعقد کی گئی تھی۔ ہم ہر لباس پہن کر مسجد میں جاتے ہیں جبکہ قرآن مجید فرماتا ہے: ''جس مسجد میں بھی جاؤ زینت اور سجاوٹ کر کے جاؤ (۹)۔ اسلام کی نظر میں اگر کئی امام جماعت علم وتقویٰ اور سابقہ کے لحاظ سے برابر ہوں تو ان میں سے حسین ترین شخص کو امام جماعت کے طور پر انتخاب کرنا چاہئے۔

اسلام فرماتا ہے: ''کئی مؤذنوں کی موجودگی کی صورت میں خوش لحن ترین مؤذن سے اذان دلائی جائے''۔

اسلام فرماتا ہے: ''نماز کے دوران بہترین لباس اور عطر استعمال کیا جانا چاہئے اور خواتین زینت کے بہترین زیورات کے ساتھ نماز ادا کریں۔

اسلام نے مسجد کو صلاح ومشورہ، محاذ جنگ پر رضا کار بھیجنے، لوگوں کی مدد کرنے، محرومین کی دادرسی اور اللہ والوں کی پہچان کا مرکز قرار دیا ہے، اسلئے یہ بیکار، سست، ڈرپوک اور پست لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ نہیں ہونی چاہئے۔ ہمارے زمانے کے سب سے بڑے معروف اور نیکیوں میں سے ایک مساجد کا احیاء اور انکی اصلاحی اور ثقافتی تعمیر ہے۔

۸-وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ (بقرہ/۱۱۴)

۹-خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف/۳۱)

محبوب، مشہور اور معزز شخصیت کو مسجد کا خادم ہونا چاہئے۔ ہر محلے میں خوش لحن افراد کو اذان دینے کے لئے مسجد میں آنے کی دعوت دی جانی چاہئے، تعلیم یافتہ افراد کو کچھ وقت مسجد میں گزار کر لوگوں کی مفت مدد کرنی چاہئے، بے آسرا بیماروں میں یہ اُمید پیدا ہونی چاہئے کہ شام کو مسجد جا کر ڈاکٹر سے مفت علاج کرا سکیں گے، قرضداروں کی اُمیدیں مسجد کے قرض الحسنہ کے صندوق سے وابستہ ہونی چاہئیں، اس کے علاوہ سفر پر جانے والے جنھیں ان کی عدم موجودگی میں گھر میں نقب زنی اور چوری کا ڈر ہو، انھیں یہ اُمید رکھنی چاہئے کہ محلے کی مسجد کے رضا کاران کے مال ومتاع کے محافظ ہوں گے، ہر مشکل میں لوگ ہمارے بھائی اور حزب اللّٰہی جوان ہمارے بازو ہیں۔ اس قسم کے پروگراموں کے ذریعہ سب سے بڑے معروف جو مسجد کا احیاء ہے کو عملی جامہ پہنایا جاسکتا ہے۔ انشاء ا...

۲-آزادی:

نیک اعمال میں سے ایک، آزادی بھی ہے۔ تمام پہلوؤں میں آزادی اور ہر قسم کی غلامی سے رہائی کے بارے میں قرآن مجید فرماتا ہے: ''اسلامی معاشرہ ایک پودے کے مانند ہے جو ہر روز نشوونما پاتا ہے تاکہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکے''۔(۱۰)

ہمارے محترم فقہا فرماتے ہیں کہ کفار کی شباہت پیدا کرنا حرام ہے اور احادیث میں کفار کے جیسے لباس پہننے اور ان کے آداب کی نقل کرنے کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ تاریخ میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ جوں ہی متوجہ ہوئے کہ آپؐ نے ایک کافر کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائی ہے، تو آپؐ نے فوراً اٹھ کر ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگائی اور فرمایا: ''مسلمان اغیار کی دیوار کے ساتھ ٹیک نہیں لگاتا''۔

۱۰-کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوقِهِ(فتح/۲۹)

۳-قصد قربت(۱۱):

اخلاص اور کاموں کو الٰہی رنگ بخشنا نیکیوں میں شمار ہوتا ہے۔ بہترین مقاصد اور ارادوں کا انتخاب، حتیٰ کھانے، لباس پہننے، رہائش، غصہ، صلح، تعلیمی مضامین یا کام یا دوست یا شریک حیات کے انتخاب میں، پاک نیت، ایک خدائی کیمیا ہے جو ہر سادہ اور معمولی کام کے ساتھ ملکر اسے انمول موتی میں تبدیل کرتا ہے۔

۴-تشویق:

نیکیاں رائج کرنے کے سلسلے میں بہترین وسیلہ انجام دینے والے کی تشویق اور حوصلہ افزائی ہے۔ قرآن مجید کا اس سلسلے میں ارشاد ہے: ''لوگوں کو ظلمات سے نجات دیکر انھیں نور کی طرف راہنمائی کرنا ان کی تشویق کے ساتھ ہے(۱۲)۔

ایک دوسری جگہ پر پیغمبر اسلامؐ حکم فرماتے ہیں: ''جس کسی سے زکوٰۃ وصول کرو اسکی تشویق کرو اور اس پر درود بھیجو کہ یہ تمہارے درود وصلوٰت اس کے لئے آرام بخش ہوں گے(۱۳)۔

خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں مثالی عورتوں اور مردوں کی بار بار ستائش کی ہے۔(۱۴)

۵-تعلیم:

کسی بھی دین میں پہلا حکم آیہء مبارکہ ''اقراء'' جیسا نہیں ہے۔ اسلام نے قیادت اور قضاوت کے لئے علم کو اولین شرط جانا ہے۔ علم حاصل کرنے کے زمانہ کو گہوارہ سے قبر تک اور مکانِ علم کو چین اور ثریا بیان کیا ہے۔ علم حاصل کرنے کے لئے اسلام نے صرف ایک شرط معیّن فرمائی

۱۱-وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللهِ(نساء/۱۱۴)، اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ(بقرہ/۲۷۲)

۱۲-هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ(احزاب/۴۳)

۱۳-توبہ/۱۰۳

۱۴-وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيمَ(مریم/۴۱)،وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ(مریم/۱۶)

ہے، اور وہ یہ ہے کہ علم مفید ہو، بے فائدہ اور مضر علوم کی اسلام نے سخت مذمت کی ہے(۱۵)۔ اور تعلیم کے طریقوں، ان کے یادداشت کرنے، اس کی اشاعت، اساتذہ کے احترام، استاد و شاگرد کے باہمی فرائض اور اس طرح کے دوسرے مسائل کے سلسلے میں سیکڑوں سفارشیں اور تاکیدیں کی گئی ہیں۔

سماجی مسائل کی طرف توجہ:

قرآن مجید نے سیکڑوں آیات میں سماجی مسائل کی اہمیت پر خصوصی طور سے زور دیا ہے، اور لوگوں کو معاشرتی نیکیوں کی تاکید و تشویق فرمائی ہے۔ ہم یہاں پر ان میں سے چند مسائل کو نمونے کے طور پر ترتیب سے بیان کرتے ہیں اور آیات کو حاشیہ میں درج کرتے ہیں:

- بات اور عمل میں عدالت۔ (۱۶)
- آپس میں اصلاح۔ (۱۷)
- دشمن سے ہوشیار رہنا۔ (۱۸)
- نیک لوگوں کے نقش قدم پر چلنا۔ (۱۹)
- اچھے لوگوں کی پیروی کرنا۔ (۲۰)
- نیک کام میں پیش قدم ہونا۔ (۲۱)

۱۵-وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ (بقرہ/۱۰۲)

۱۶-قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ (اعراف/۲۹) "(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے انصاف کا حکم دیا ہے"۔

۱۷-أَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (انفال/۱) "آپس میں اصلاح کرو"۔

۱۸-فَاحْذَرُوهُمْ (تغابن/۱۴)

۱۹-كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (توبہ/۱۱۹) "صادقین (ائمہ معصومین) کے ساتھ ہو جاؤ"۔

۲۰-فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (انعام/۹۰) "لہٰذا آپ بھی اسی ہدایت کے راستے پر چلیں"۔

۲۱-فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (مائدہ/۴۸) "لہٰذا تم سب نیکیوں کی طرف سبقت کرو"

-صلح کی تجویز کو قبول کرنا۔(۲۲)

-امن عامہ کو درہم برہم کرنے والے مجرمین کی تنبیہ کرنا۔(۲۳)

-شخصی لغزشوں کو نظر انداز کرنا۔(۲۴)

-قرض دینا۔(۲۵)

مالی مدد سے دوسروں کے دل جیتنا:

-زکات کا ایک حصہ ادا کرکے اسراء، قیدی، قرضدار اور ابن السبیل کو نجات دلانا۔(۲۶)

-نیک کاموں میں پیش قدم لوگوں کو ترجیح دینا۔(۲۷)

-قائد اور عوام کے درمیان روابط، سلام و درود پر مبنی عمیق اور پائیدار ہوں نہ کہ ترس و خوف پر۔(۲۸)

-راہ حق سے بھٹکے ہوئے لوگوں سے ترک موالات کرنا(۲۹)۔ پیغمبر اسلامؐ کے حکم سے تمام مسلمانوں نے اُن تین افراد سے دوری اختیار کر لی جنھوں نے عوامی رضا کار فوج میں شرکت کرنے سے اجتناب کیا تھا۔ ایک مسلمان بھی ان افراد سے بات نہیں کرتا تھا۔ بالآخر ان تینوں افراد نے توبہ کی اور اس کے بعد یہ بائیکاٹ ختم کر دیا گیا۔

۲۲-وَاِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا(انفال/۶۱)"اور اگر صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی جھک جاؤ"۔

۲۳-وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا اَيْدِيَهُمَا(مائدہ/۳۸)"چور مرد اور چور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو"۔

۲۴-فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا(بقرہ/۱۰۹)"تم انھیں معاف کر دو اور ان سے درگزر کرو"۔

۲۵-مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللهَ قَرْضاً حَسَناً(بقرہ/۲۴۵)"کون ہے جو خدا(اس کی مخلوق) کو قرض الحسنہ دے"۔

۲۶-وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيلِ(توبہ/۶۰)

۲۷-وَالسَّابِقُونَ الْاَوَّلُونَ...(توبہ/۱۰۰)

۲۸-وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ(توبہ/۱۰۳)، صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً(احزاب/۵۶)

۲۹-وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا(توبہ/۱۱۸)

-صلاح و مشورہ (۳۰)

-ایک دوسرے کو صبر و مرحمت کی تاکید۔ (۳۱)

-یتیم نوازی (۳۲)

-اسلاف کے لئے دعا اور مؤمنین کے بارے میں حسن نیت۔ (۳۳)

-نیکوکاروں کا احترام اور ان کی یادوں کو زندہ رکھنا (۳۴):

ضروری صورت میں نیکی اور خوبی کے ساتھ جدائی (۳۵)۔ (مرد و عورت کی جدائی، کرایہ دار اور مالک مکان کی جدائی، ملازم کی مالک سے جدائی، شریک کی شریک سے جدائے)

-لوگوں کی مخلصانہ خدمت۔ (۳۶)

-اقدار کا تحفظ (۳۷)

-ضعیف و کمزور افراد کی یاری (۳۸)

-رازداری (۳۹)

۳۰-وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (شوریٰ/۳۸)

۳۱-وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (بلد/۱۷)

۳۲-فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ (ضحیٰ/۹)

۳۳-...رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (حشر/۱۰)

۳۴-وَكَانُوْا لَنَا عَابِدِيْنَ (انبیا/۷۳)

۳۵-اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ (بقرہ/۲۲۹)

۳۶-فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُرِيْدُ اَنْ يَنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ (کہف/۷۷)

۳۷-وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا (بقرہ/۴۱)

۳۸-فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ (طٰہٰ/۴۷)

۳۹-لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلٰى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا (یوسف/۵)

-مقدس مقاصد کے لئے طاقت حاصل کرنا۔(۴۰)

-عمومی نوعیت کا حامل ہونا۔(۴۱)

-شرک کے آثار مٹانا۔(۴۲)

-مزدوروں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا۔(۴۳)

-حکومت کے ذمہ داروں اور عہدہ داروں کا پسماندہ علاقوں میں جا کر وہاں کے محروم اور پسماندہ لوگوں کی مشکلات حل کرنا۔(۴۴)

-تعمیری کاموں میں عوام کے ذریعہ حکومت کا تعاون۔(۴۵)

-فقرا سے اُجرت لینے کی اُمید نہ رکھنا۔(۴۶)

-دوسروں کو سوچنے اور تحقیق کرنے کی مہلت دینا۔(۴۷)

یہ اور اسی قسم کے دسیوں سماجی نیکیوں کے نمونے ہیں۔

-بے خبر لوگوں سے صلح آمیز برتاؤ کرنا۔(۴۸)

۴۰-وَاَشْرِکْهُ فِی اَمْرِی ٭ کَیْ نُسَبِّحَکَ کَثِیراً (طٰہٰ/۳۲،۳۳)

۴۱-اَفِیضُوا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ (بقرہ/۱۹۹)

۴۲-لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِی الْیَمِّ نَسْفاً (طٰہٰ/۹۷)

۴۳-وَمَا اُرِیدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْکَ (قصص/۲۷)

۴۴-حَتّٰی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ (ذوالقرنین مشرق ومغرب میں سفر کر کے لوگوں کی مشکلات کو حل کرتے تھے۔)(کہف/۹۳)

۴۵-فَاَعِینُونِی بِقُوَّةٍ (ذوالقرنین نے لوگوں سے کہا: اگر تم لوگ میری مدد کرو گے تو آسمان کے لئے ایک مستحکم پشتہ تعمیر کریں گے)(کہف/۹۵)

۴۶-مَا مَکَّنِّی فِیهِ رَبِّی خَیْرٌ

(...پسماندہ اور غریب عوام ذوالقرنین کو اجرت دینا چاہتے تھے، لیکن انہوں نے لینے سے انکار کیا)(کہف/۹۵)

۴۷-وَاِنْ اَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِکِینَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْهُ حَتّٰی یَسْمَعَ کَلَامَ اللهِ (توبہ/۶)

۴۸-وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَاماً (فرقان/۶۳)

-دوسروں کی زحمتوں اور تکلیفوں کی بھرپور قدردانی کرنا۔(۴۹)

-غیر حاضر افراد کا حال پوچھنا۔(۵۰)

-مؤمنین کے ساتھ انکساری سے پیش آنا۔(۵۱)

-کفار کی نیند حرام کرنا۔(۵۲)

-سرکش کو کچل دینا۔(۵۳)

-اپنے مال میں سے ایک حصہ محرومین اور فقراء کے لئے مخصوص رکھنا۔(۵۴)

-غریب نوازی(۵۵)

-تنگ جگہوں پر نئے افراد کے داخل ہونے کی صورت میں جگہ چھوڑنا یا اٹھ کر چلے جانا۔(۵۶)

-لوگوں کو حکمت، موعظہ اور نیک بحث ومباحثہ کے ذریعہ خدا کی راہ پر چلنے کی دعوت دینا۔(۵۷)

-عہد وپیمان کا وفا کرنا۔(۵۸)

-لوگوں کو منت واحسان رکھے بغیر عفو ودرگزر کرنا۔(۵۹)

۴۹-اِنَّ اَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا (قصص/۲۵)

۵۰-مَالِيَ لَا اَرَى الْهُدْهُدَ (نمل/۲۰)

۵۱-وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (شعراء/۲۱۵)

۵۲-لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (فتح/۲۹)

۵۳-فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيءَ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ (حجرات/۹)

۵۴-وَفِي اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَ الْمَحْرُومِ (ذاریات/۱۹)

۵۵-يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ (حشر/۹)

۵۶-اِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا (مجادلہ/۱۱)

۵۷-اُدْعُ اِلٰى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ (نحل/۱۲۵)

۵۸-اَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُمْ (نحل/۹۱)

۵۹-فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ (حجر/۸۵)

-ظالموں سے بچنا اور ان سے دوری اختیار کرنا۔(۶۰)

-تقویٰ اور پرہیزگاری کے اسباب کی نشاندہی کرنا۔(۶۱)

-بڑی طاقتوں کے منافع کو نقصان پہنچانا۔(۶۲)(حضرت موسیٰ نے فرعونیوں کے بارے میں نفرین کی کہ خدائے تعالیٰ ان کے اموال کو نابود کردے۔)

-اپنی افرادی قوت کا تحفظ۔(۶۳)(مستکبرین انبیاءؑ سے یہ کہا کرتے تھے کہ فقراء کو اپنے اطراف سے دور کریں۔لیکن وہ اس بات کو نہیں مانتے تھے۔)

-فوری اور عالی ترین مہمان نوازی، چاہے ہم مہمان کو نہ پہچانتے ہوں۔(۶۴)

-گزرے ہوئے لوگوں کے آثار کا تحفظ، جو دوسروں کے لئے عبرت کا باعث ہوتے ہیں۔(۶۵)

-شہرسازی اور معماری میں حفاظتی اور دینی طرز تفکر کا خیال رکھنا(۶۶)۔خدائے تعالیٰ بنی اسرائیل کو حکم دیتا ہے کہ اپنے گھروں کو قبلہ رخ یا ایک دوسرے کے مقابل میں تعمیر کریں۔

-اپنے ماتحت کی طرف سے کی گئی بے احترامی کے مقابل میں وسعت قلب کا مظاہرہ کرنا اور خندہ پیشانی سے پیش آنا۔(۶۷)

۶۰-وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (النحل/۳۶)

۶۱-هٰؤُلَاءِ بَنَاتِي اِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ (حضرت لوط نے لواط کے گناہ کی روک تھام کے لئے اپنی بیٹیوں سے شادی کی پیشکش کی)(حجر/۷۱)

۶۲-رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ (یونس/۸۸)

۶۳-وَمَا اَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا (هود/۲۹)

۶۴-اَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ (هود/۶۹)،قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ (ذاریات/۲۵)

۶۵-فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً (یونس/۹۲)

۶۶-وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَاَقِيمُوا الصَّلٰوةَ (یونس/۸۷)

۶۷-فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِنْ قَوْلِهَا (ایک چونٹی نے جوں ہی دیکھا کہ حضرت سلیمان اور اس کا لشکر آرہا ہے، دوسری چیونٹیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں چلے جاؤ تاکہ سلیمان اور اسکے لشکر کے پیروں تلے نہ روندی جاؤ۔وہ اس کی طرف متوجہ نہ تھی کہ حضرت سلیمان ان کی ان باتوں پر ہنس رہے تھے)(نمل ۱۹)

-نعمتوں کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے عنایت شدہ فضل و رحمت جاننا نہ کہ اپنے علم و چالا کی کا نتیجہ۔(۶۸)

-حاجتمندوں کی مدد کرنا۔(۶۹)

-دوسروں کے کمالات کا اعتراف کرنا۔(۷۰)

۶۸-حضرت سلیمان فرماتے تھے یہ نعمتیں خدا کی طرف سے ہیں"هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي "(نمل/۴۰) لیکن قارون کہتا تھا: جو کچھ میرے پاس ہے وہ میرے اپنے علم کی وجہ سے مجھے ملا ہے"اِنَّمَا اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِي "(قصص/۷۸)

۶۹-فَسَقٰى لَهُمَا(قصص/۲۴) فرعون کے خوف سے، حضرت موسیٰ مصر سے دور نکل گئے راستے میں انہوں نے دو عورتوں کو ایک کنویں کے کنارے پر دیکھا۔ سوال کیا تم یہاں پر کیوں کھڑی ہو؟ انہوں نے کہا: ہمارا ایک بوڑھا باپ ہے جو کام کرنے کی حالت میں نہیں ہے اور ہم اس کی جگہ پر چرواہے کا کام انجام دیتے ہیں۔ چونکہ یہاں پانی کے اردگرد مرد ہیں اسلئے مردوں کے جانے تک منتظر ہیں تا کہ بعد میں اپنی بھیڑوں کو پانی پلائیں۔ موسیٰ نے انکی مدد فرمائی۔

۷۰-هُوَ اَفْصَحُ مِنِّي (قصص/۳۴)

قرآن مجید میں انفرادی نیکیوں کے نمونے

- عمل میں اخلاص (۷۱) اور مبداء و معاد پر ایمان۔ (غیب پر ایمان) (۷۲)
- خدا کے فضل پر اُمید رکھنا۔ (۷۳)
- نیک کام میں جلدی کرنا۔ (۷۴)
- عبادت میں صبر و ثابت قدمی کرنا۔ (۷۵)
- گناہ میں صبر و ثابت قدمی (۷۶)
- مصیبت میں صبر و استقامت۔ (۷۷)
- شجاعت و صلابت۔ (۷۸)

۷۱- وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (کہف/۱۱۰)

۷۲- وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ (طٰہٰ/۱۱۲)

۷۳- وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا (مریم/۴)

۷۴- وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ (طٰہٰ/۸۴)

۷۵- فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ (مریم/۶۵)

۷۶- حضرت یوسف نے کہا: جو بھی گناہ اور نامناسب حالات کے مقابلے میں صبر و تحمل کرے وہ بلند مقام کو پہنچ سکتا ہے۔ "إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ" (یوسف/۹۰)

۷۷- حضرت یعقوبؑ نے جوں ہی یوسف کے بارے میں بدخبری سنی فرمایا: میں صبر جمیل کا مظاہرہ کروں گا۔ "فَصَبْرٌ جَمِيلٌ" (یوسف/۸۳)

۷۸- تَاللَّهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ (انبیاء/۵۷)

-نماز میں خشوع اور حضور قلب۔(۷۹)

-سحر خیزی اور استغفار۔(۸۰)

-بزرگوں سے باادب پیش آنا۔(۸۱)

-رفت و آمد میں آرام، سنجیدگی اور وقار۔(۸۲)

-بخشش میں میانہ روی اور اعتدال۔(۸۳)

-الٰہی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا اور انہیں بیان کرنا۔(۸۴)

-خدا پر توکل کرنا۔(۸۵)

-نماز اور نماز جمعہ کے لئے جلدی کرنا۔(۸۶)

-خدا سے پناہ مانگنا۔(۸۷)

-روشن مستقبل کی اُمید۔(۸۸)

۷۹-فِی صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (مؤمنون/۲)

۸۰-وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْاَسْحَارِ (آل عمران/۱۷)

۸۱-اِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ (حجرات/۳)

۸۲-قرآن مجید خدا کے نیک بندوں کی تعریف میں فرماتا ہے: وہ زمین پر آرام اور تواضع سے چلتے ہیں۔"اَلَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا"

۸۳-خدا کے نیک بندوں کی ایک اور صفت یہ ہے کہ بخشش کے دوران نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں۔"اَلَّذِينَ اِذَا اَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا" (فرقان/۶۷)

۸۴-وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (ضحیٰ/۱۱)

۸۵-وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (ابراہیم/۱۱)

۸۶-فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللهِ (جمعہ/۹)

۸۷-فَاسْتَعِذْ بِاللهِ (نحل/۹۸)

۸۸-وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (اعراف/۱۲۸)، اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (انشراح/۶)

-موت سے نہ ڈرنا اور اس کے لئے تیار رہنا۔(۸۹)

-تزکیہ اور خود سازی اور آرام و پر سکون نفس و روح کا مالک ہونا۔راتوں کی عبادت، ترتیل کی صورت میں بقدر امکان قرآن مجید کی تلاوت، حق بات کہنا اور اس پر ثابت قدم رہنا، انتھک کوشش، غصہ کی حالت میں بخشدینا، اپنی نسل اور اولاد کے لئے دعا کرنا، شجاعت، روح پاک کا مالک ہونا، قیامت کی یاد اور اس قسم کے سیکڑوں امور شخصی نیکیوں میں شمار ہوتے ہیں۔

۸۹-اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاءُ لِلّٰهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ (جمعہ/۶)

قرآن مجید میں خاندانی نیکیوں کے نمونے

قرآن مجید میں خاندانی مسائل کے بارے میں کچھ سفارشیں ہوئی ہیں، ان میں سے چند ایک کو ہم یہاں خاندانی نیکیوں کے عنوان سے بیان کرتے ہیں:

-شریک حیات کے انتخاب کی بنیاد اس کا عقیدہ وایمان ہے نہ کہ خوبصورتی و دولت۔ (۹۰)

-میاں بیوی کا خاندان اُن کی پاکدامنی میں مؤثر ہوتا ہے۔ (۹۱)

-مہر کو نکاح ناموں میں اس طرح مقرر کرنا چاہئے تا کہ داماد مشکل سے دوچار نہ ہو۔ (۹۲)

-جنسی خواہشات کو پورا کرنے کا مقصد دوسری دنیا کے لئے ذخیرہ اور نیک و پاکیزہ نسل کا وجود میں لانا ہے نہ کہ بے مقصد شہوت رانی! (۹۳)

-عورت کی کفالت مرد کے ذمہ ہے، اسلئے عورت کی زندگی کی ضروریات مرد کو پورا کرنا چاہئے۔ (۹۴)

-شریک حیات کے ساتھ نیک زندگی گزارنی چاہئے۔ (۹۵)

۹۰-وَلَاَمَةٌ مُؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكَةٍ (بقرہ/۲۲۱)

۹۱-مَا كَانَ اَبُوكِ امْرَءَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا (مریم/۲۸)

۹۲-وَمَا اُرِيدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ (قصص/۲۷)

۹۳-فَأْتُوا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ (بقرہ/۲۲۳)

۹۴-اَلرِّجَالُ قَوّٰامُونَ عَلَى النِّسَآءِ... وَبِمَا اَنْفَقُوا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (نساء/۳۴)

۹۵-عَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (نساء/۱۹)

-مائیں دو سال تک اپنے بچوں کو دودھ پلائیں۔(۹۶)

-شوہر پر عائد بیوی کا خرچہ اسکی آمدنی کے مطابق ہونا چاہئے۔(۹۷)

-اگر آپس میں کدورت ورنجش پیدا ہونے کی تشویش لاحق ہو جائے تو ایک خاندانی عدالت تشکیل دے کر اسے حل کرنا چاہئے اور غیروں کو بیچ میں نہیں لانا چاہئے۔(۹۸)

-میاں بیوی ایک دوسرے کے لباس کے مانند ہیں، انھیں ایک دوسرے کا تحفظ کرنا چاہئے۔(۹۹)

پاک دامنی، پردہ، جسم کے آراستہ حصوں کو چھپانا، رقص نہ کرنا، بات کرتے ہوئے ناز نہ کرنا، شرم وحیا سے راہ چلنا اور مردوں کے ساتھ مخلوط نہ ہونا قرآن مجید کی ایسی تاکیدات ہیں جو عورتوں کے بارے میں کی گئی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں قرآن مجید کی واضح آیت موجود ہے۔

۹۶-حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (بقرہ/۲۳۳)

۹۷-عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ (بقرہ/۲۳۶)

۹۸-فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا (نساء/۳۵)

۹۹-هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ (بقرہ/۱۸۷)

سیاسی نیکیوں کے چند نمونے

- پیغمبر خداؐ اور اولی الامر، یعنی ائمہ معصومینؑ کی اطاعت کرنا۔(۱۰۰)
- اتحاد و یکجہتی برقرار کرنا اور اختلاف اور اختلاف کے اسباب سے اجتناب کرنا۔(۱۰۱)
- صلابت برقرار رکھنا اور کسی قسم کی سازش کو قبول نہ کرنا۔(۱۰۲)
- بڑی طاقتوں پر انحصار نہ کرنا۔(۱۰۳)
- کفار سے خشونت اور مؤمنین سے مہربانی سے پیش آنا۔(۱۰۴)
- سازشی اڈوں کو نابود کرنا اور سازش کار - جس نام اور عنوان سے بھی ہو - کے ساتھ انقلابی برتاؤ کرنا۔(۱۰۵)
- قدروں کی حفاظت اور ان کا دفاع اعلیٰ ترین پیمانہ پر کرنا۔(۱۰۶)

۱۰۰- اطیعوا اللہ و اطیعوا الرّسول و اولی الامر منکم (نساء/۵۹)

۱۰۱- واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرّقوا (آل عمران/۱۰۳)

۱۰۲- ودّوا لو تدھن فیدھنون (قلم/۹)

۱۰۳- ولا ترکنوا الی الّذین ظلموا فتمسّکم النّار (ھود/۱۱۳)

۱۰۴- اشدّآء علی الکفّار رحمآء بینھم (فتح/۲۹)، والّذین اتّخذوا مسجداً ضراراً و کفراً و تفریقاً بین المؤمنین (توبہ/۱۰۷)

۱۰۵- فقاتلوا ائمّۃ الکفر (توبہ/۱۲)

۱۰۶- واعدّوا لھم مااستطعتم من قوّۃ (انفال/۶۰)

-مشرکین سے بیزاری کا اعلان۔(۱۰۷)

-عادلانہ اور منصفانہ فیصلے۔(۱۰۸)

-باشرف صلح کو قبول کرنا۔(۱۰۹)

-مشرقی ومغربی طاقتوں کے بجائے خدائے تعالیٰ اور مومنین کو پشت وپناہ قرار دینا۔(۱۱۰)

-نماز، زکوٰۃ اور امر بمعروف کو حکومت کے فرایض میں سرفہرست قرار دینا۔(۱۱۱)

-دشمن کے عزائم ومقاصد، خاص کر اس کی ثقافتی یلغار سے آگاہ رہنا۔(۱۱۲)

۱۰۷-بَرَائَۃٌ مِنَ اللہِ وَرَسُولِہ..(توبہ/۱)

۱۰۸-فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ(مائدہ/۴۲)

۱۰۹-وَاِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَھَا(انفال/۶۱)

۱۱۰-ھُوَ الَّذِی اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَ بِالْمُؤْمِنِینَ(انفال/۶۲)

۱۱۱-اَلَّذِینَ اِنْ مَکَّنّٰا ھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ آتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ(حج/۴۱)

۱۱۲-آمِنُوا وَجْہَ النَّھَارِ وَاکْفُرُوا آخِرَہٗ(آل عمران/۷۲)

یہودیوں کے چند سرگروہ علماء نے اسلام پر ثقافتی حملہ کے لئے ایک منصوبہ تیار کیا اور وہ یہ تھا کہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ صبح کے وقت پیغمبر اسلامؐ کے پاس جا کر ایمان لائیں گے اور شام کو اپنے دین کی طرف واپس پلٹ جائیں گے، اس طرح دو مقاصد حاصل کرلیں گے۔ایک یہ کہ یہودی مسلمان ہونے کی فکر کو ذہن سے نکال باہر کریں گے کیونکہ وہ سوچیں گے کہ ہمارے بزرگ اور علماء صبح کو اسلام لائے اور شام کو اپنے دین کی طرف واپس لوٹ گئے تو گویا اسلام میں کوئی خاص بات نہیں۔

دوسرا یہ کہ مسلمانوں کے جذبات کمزور ہوں گے کیونکہ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ اگر دین اسلام غنی اور کامل ہوتا تو اہل کتاب یہودیوں کے بزرگ علماء کو جذب کرلیتا جبکہ ایسا نہ ہوا۔خدائے تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اس ظاہری ایمان لانے کی سازش کو طشت از بام کردیا اور مسلمانوں سے کہا:"تمھیں نہ یہودی علماء کے صبح کے وقت ایمان لانے پر خوش ہونا چاہئے اور نہ غروب کو ان کے واپس لوٹ جانے پر فکر مند ہونا چاہئے"۔

مُنکر کیا ہے؟

ہر وہ کام جسے عقل اور دین نے بُرا جانا ہے، مُنکر ہے۔ منکرات کو محدود نہیں کیا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید میں منکرات کے چند نمونے بیان ہوئے ہیں، لیکن تمام منکرات کو گن لینا اور ان کی پہچان کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بعض اوقات انسان کسی منکر کا مرتکب ہوتا ہے اور خود بھی نہیں جانتا کہ یہ منکر ہے۔ دھلائی، وضو اور غسل میں پانی کا اسراف، روٹی، میوہ، لباس اور کاغذ وغیرہ کی فضول خرچی، پرخوری، نامناسب جگہ پر گاڑی کو پارک کرنا، گلی کوچوں میں کوڑا کرکٹ ڈالنا، ضرورت کے بغیر ہارن بجانا یا رفتار کو اچانک تیز کرنا جو لوگوں میں خوف و وحشت پیدا کرنے کا سبب بنے، حتیٰ دعوتوں کے مخصوص لباس کو گھر میں پہننا اور سگریٹ نیز ہر وہ دھواں جو لوگوں کی صحت و سلامتی کو نقصان پہنچائے، ایسے منکرات ہیں جنھیں بہت سے لوگ منکر نہیں جانتے۔

غلط منصوبے بڑے منکرات میں شمار ہوتے ہیں۔ اگر طالب علم صبح سویرے جبکہ ناشتہ کر کے تازہ ہوتے ہیں سادہ اور سطحی منصوبوں پر عمل کریں، اس کے برعکس ظہر کے نزدیک جبکہ ہوا گرم ہے، تھکے ماندے اور بھوکے ہوتے ہیں، حساب، زبان اور ان جیسے سخت مضامین مرتب کریں تو امتحانوں میں فیل ہو جائیں گے اور اس قسم کے منصوبے ان کے لئے ذلالت، بے عزتی اور عمر

ضائع ہونے کا سبب بنتے ہیں۔ بے شک ایسے پروگرام سب سے بڑے منکرات ہیں۔

بیت المال کو بے ایمان لوگوں کے حوالہ کرنا، اوران سے باز پرس نہ کرنا، استاد کا تاخیر سے کلاس میں آنا، منبر سے غیر مفید باتیں کرنا، نماز جماعت میں طول دینا جسکی وجہ سے لوگ مسجد آنے سے پرہیز کریں، ہمسایہ کے گھر کی طرف اپنے مکان کی کھڑکیاں کھولنا، لوگوں کو بُرے ناموں سے پکارنا، بدظنی، گلی کوچوں میں برف ڈالنا، سڑک اور کوچے کو اپنے مکان سے ملحق کرنا، ٹیلفون کے ذریعہ پریشان کرنا، کسی کو نیند سے بیدار کرنا، اذان کے بغیر کسی اور آواز کو بلند کرنا، رپورٹوں میں غلط اعداد وشمار بیان کرنا، خوشامد اور چاپلوسی، کام کئے بغیر کسی کو سرکاری پیسے بخش دینا، باری اور نوبت سے ہٹ کر کسی چیز کو حاصل کرنا، بے وقت ٹیلیفون کرنا، بیوی بچوں کو ڈرانا، بچوں کے درمیان امتیازی سلوک کرنا، کسی مزدور سے خلاف معاہدہ کام لینا، قرض اور لون کو واپس نہ کرنا، سود کا لین دین اور جھوٹی قسم کھانا اور اسی قسم کے سیکڑوں نمونے جن کے ہم شب وروز شعوری یا غیر شعوری طور پر مرتکب ہوتے ہیں، لیکن افسوس کہ انھیں منکر اور گناہ نہیں جانتے اسلئے ان کے بارے میں عذر خواہی اور تلافی کی فکر بھی نہیں کرتے۔

تمام منکرات مساوی نہیں ہوتے ہیں۔ بعض منکرات بنیادی اور اساسی ہوتے ہیں، جیسے اخلاقی، قانونی، اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی منکرات کی نسبت اعتقادی منکرات بنیادی اور اساسی ہوتے ہیں۔

قرآن مجید گراں فروشوں کے بارے میں فرماتا ہے:

''گراں فروشی کیوں کرتے ہو؟ کیا تم لوگ قیامت پر اعتقاد نہیں رکھتے؟'' (۱۱۳)

۱۱۳۔ اَلاَ یَظُنُّ اُولٰئِکَ اَنَّھُمْ مَبْعُوثُونَ. لِیَوْمٍ عَظِیمٍ (مطففین ۴،۵)

یا نماز کے سلسلے میں حکم کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”نماز کو قائم کرو کیونکہ قیامت درپیش ہے“۔(۱۱۴)

انبیاءؑ کے اکثر کام لوگوں کی اعتقادی گمراہیوں کے خلاف جہاد تھے۔ ہم نے اس بارے میں طریقے اور وسیلوں کی بحث میں وضاحت کی ہے۔

۱۱۴-اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی. اِنَّ السَّاعَۃَ آتِیَۃٌ...(طٰہٰ/۱۴،۱۵)

اعتقادی منکرات

بہتر ہے کہ یہاں پر لوگوں کے اعتقادی منکرات کی صرف ایک فہرست بیان کریں اور ان کی تفسیر و تفصیل کسی اور فرصت پر چھوڑ دیں:

خدا کا شریک ٹھہرانا:

قرآن مجید نے سو سے زائد مقام پر غیر خدا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ''دون اللہ'' ''دونہ'' کے الفاظ استعمال کر کے شرک کی مذمت کی ہے۔ قرآن مجید میں خدا کو صاحب فرزند قرار دینا(۱۱۵)، بعض پیغمبروں کو خدا کے بیٹے جاننا(۱۱۶)، فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں جاننا(۱۱۷)، خدا کو فقیر جاننا(۱۱۸)، یا خدا کے ہاتھ کو محدود جاننا(۱۱۹)، جیسے منکرات کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ تکبیر، تہلیل، تحمید اور تسبیح کی اصطلاحات میں سب سے زیادہ ''سبحان اللہ'' کی تاکید کی گئی ہے۔ ﴿سبحان اللہ عمّا یصفون﴾ ''خدائے تعالیٰ گمراہ ہوئے لوگوں کی ناحق تعبیرات اور اعتقادات سے منزّہ ہے''۔

۱۱۵- وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ (نحل/۵۷)

۱۱۶- وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ (توبہ/۳۰)

۱۱۷- اَفَاَصْفَاكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ اِنَاثًا (اسراء/۴۰)

۱۱۸- اِنَّ اللّٰهَ فَقِيرٌ وَ نَحْنُ اَغْنِيَاءُ (آل عمران/۱۸۱)

۱۱۹- يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ (مائدہ/۶۴)

نہج البلاغہ میں آیا ہے: ''انبیاء عقیدہ ایجاد کرنے نہیں آئے ہیں، کیونکہ لوگ مبدأ ہستی پر اعتقاد رکھتے ہیں، انبیاء کا مقصد زیادہ تر عقیدہ کی اصلاح تھا۔ لہٰذا قرآن مجید نے اسی پر تکیہ کرتے ہوئے ہماری بیان کی گئی مثالوں کے علاوہ چند اور نمونے بیان فرمائے ہیں، مثال کے طور پر:

- اپنے آپ کو خدا کا بیٹا جاننا۔ (۱۲۰)

- حق کو چھپانا۔ (۱۲۱) (اگر چہ سابقہ آسمانی کتابوں کی بشارت کے رو سے پیغمبر اسلامؐ کی نشانیوں کو اس قدر پہچانتے تھے کہ آنحضرت کو اپنے بیٹے کے مانند جانتے تھے (۱۲۲)۔ لیکن جوں ہی آنحضرت تشریف لائے آپؐ کے منکر ہو گئے) (۱۲۳)

- خدا پر بہتان لگانا۔ (۱۲۴)

- آسمانی کتابوں کی تحریف۔ (۱۲۵)

- اپنی تحریروں کو خدا سے نسبت دینا۔ (۱۲۶)

- اجداد کی تقلید کرنا۔ (۱۲۷)

- بعض علماء کا دین سے ناجائز فائدہ اٹھانا۔ (۱۲۸)

۱۲۰- نَحْنُ اَبْنَاءُ اللهِ وَاَحِبَّاءُ هُ (مائدہ/۱۸)

۱۲۱- وَاِنَّ فَرِیْقاً مِنْهُم لَیَکْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُونَ (بقرہ/۱۴۶)

۱۲۲- اَلَّذِینَ اٰتَیْنَا هُمُ الْکِتَابَ یَعْرِفُونَهُ کَمَا یَعْرِفُونَ اَبْنَاءَ هُمْ (بقرہ/۱۴۶)

۱۲۳- فَلَمَّا جَاءَ هُمْ بِالْبَیِّنَاتِ قَالُوا هٰذَا سِحْرٌ مُبِیْنٌ (صف/۶)

۱۲۴- یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللهِ الْکَذِبَ (مائدہ/۱۰۳)

۱۲۵- ... یُحَرِّفُونَ الْکَلِمَ (نساء/۴۶)

۱۲۶- یَکْتُبُونَ الْکِتَابَ بِاَیْدِیهِمْ ثُمَّ یَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ (بقرہ/۷۹)

۱۲۷- وَجَدْنَا اٰبَاءَ نَا عَلٰی اُمَّةٍ... (زخرف/۲۳)

۱۲۸- اِنَّ کَثِیْرًا مِنَ الْاَحْبَارِ (توبہ/۳۴)

-قانون الٰہی میں تحریف اور تبدیلی لانا۔(۱۲۹)

-خدا کے بندوں کے بارے میں غلو کرنا۔(۱۳۰)

ان کے علاوہ اعتقادی منکرات کے اور بھی نمونے ہیں جن کا ذکر اور ان کا جواب قرآن مجید میں آیا ہے۔لیکن اگر تمام خرافات کی طرف اشارہ کرنا چاہیں تو بحث طولانی ہو جائے گی۔

اگر سورہ انعام کی آیات پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اسمیں طرز زندگی، حتّیٰ کھانے پینے کے بارے میں بھی خرافات کے نمونے مکرّر بیان ہوئے ہیں۔مثال کے طور پر کچھ لوگ بھیڑ کے گوشت کے ایک حصہ کو حلال اور ایک حصہ کو حرام یا ایک حصہ کو مردوں کے لئے مخصوص اور ایک حصہ کو عورتوں کے لئے مخصوص جانتے تھے(۱۳۱)۔قرآن مجید نے بارہا فرمایا ہے:''کیا خدائے تعالیٰ نے تمھیں اس کی اجازت دی ہے یا تم خدا پر بہتان اور تہمت لگاتے ہو؟''(۱۳۲)

لیکن ہمارے زمانے میں کچھ نئے شکوک پیدا ہوئے ہیں،جن کے جواب کے لئے دینی علماء اور ثقافتی ذمہ داروں کو اٹھ کھڑا ہونا چاہئے کہ الحمد للہ ایسا کر بھی رہے ہیں۔یہاں پر میں مختلف تعلیم یافتہ لوگوں سے تاکید کرتا ہوں کہ ایک متقی و پرہیز گار اسلامی علوم کے ماہر و عالم کا ٹیلیفون نمبر ہمیشہ اپنے ساتھ رکھیں۔کاش!ہر سال اہم سوالات اور ان کے جواب شائع کر کے نئی نسل میں تقسیم کئے جاتے۔کاش!ریڈیو اور ٹی وی سوال جواب کے پروگرام کے سلسلے میں سنجیدہ قدم اٹھاتے!اور کاش!وزارت ارشاد اور تبلیغاتی اداروں کی طرف سے لوگوں کے سوالات کا شب و روز جواب دینے کے لئے چند مراکز قائم کئے جاتے۔الحمد للہ کچھ اقدامات کئے گئے ہیں لیکن ہم کو اس سے

۱۲۹-ان یبدّلوا کلام اللہ(فتح/۱۵)

۱۳۰-یا اَہل الکتاب لا تغلوا فی دینکُمْ ولا تقولوا علی اللہ الاّ الحقّ انما المسیح عیسی ابنُ مَریَم(نساء/۱۷۱)

۱۳۱-وقالوا ما فی بُطونِ ہذہِ الانعامِ خالصۃٌ لِذُکورِنا ومُحرّمٌ علیٰ اَزْواجنا(انعام/۱۳۹)

۱۳۲-اللہ اذنَ لکُمْ امْ علی اللہ تفترُونَ(یونس/۵۹)

بہتر اور بیشتر اور اقدام کی توقع ہے۔

-ڈاکٹر، شرم کی وجہ سے نہیں کہتا کہ: ''میں بیماری کو تشخیص نہیں دے سکا''۔ اور تجربہ کے طور پر نسخہ لکھ کر بیمار کی جان و مال سے کھیلتا ہے۔

-استاد یا عالم دین یہ کہنے سے شرماتا ہے کہ ''میں نہیں جانتا''۔ اور اس طرح ناحق جواب یا غلط فتویٰ بیان کر کے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔

-لوگ شرم کی وجہ سے ایک عمر غلط راستے پر چلتے ہیں اور واجبات کو سیکھنے میں کوتاہی کرتے ہیں۔

-نوجوان شرم وحیا کی وجہ ہی اپنی شادی کے مسائل اپنے والدین کے سامنے بیان نہیں کر سکتے اور اپنے آپ کو گونا گون منکرات اور بُرے اعمال میں ملوث کر لیتے ہیں۔

-بعض عمر رسیدہ ان پڑھ افراد شرم کی وجہ سے تعلیم بالغان کی کلاسوں میں شرکت نہیں کرتے اور اس طرح آخری عمر تک ان پڑھ ہی رہتے ہیں۔

-بعض اوقات لوگ شرم کی وجہ سے جھوٹی شہادت دیتے ہیں یا غلط دستخط کر دیتے ہیں۔

جتنا مسئلہ عمومی اور انسان اہم ہوں اُن کی شرم وحیا زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔

-بعض اوقات بین الاقوامی اجتماعوں میں بلا ارادہ اور شرمیلے عناصر کی موجودگی کے سبب انسانوں کی قسمت کے بارے میں بڑے خطرناک فیصلے کر لئے جاتے ہیں اور جرأت وعزم وارادے والا ایک انسان بھی اٹھ کر ان کے خلاف فریاد بلند نہیں کرتا!

-شرمندگی کے سبب انسان کو اپنے انجام شدہ اعمال کے مقابل قرار دیکر اس سے بھرپور ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے، اسلئے والدین اور مدرسہ کے معلمین کی ذمہ داری ہے کہ جوان نسل کو بے جا شرمندگی سے نجات دلائیں، کیونکہ ممکن ہے شرمندگی مختلف قسم کے فساد اور بُرے اعمال کا سرچشمہ بن جائے۔

بعض گناہوں، پسماندگیوں اور واجبات کو ترک کرنے کا بنیادی سبب احساس کمتری اور بے

جا شرم وحیاء ہے۔ قرآن مجید، احادیث اور توضیح المسائل میں اس سلسلے میں واضح اور روشن مسائل اور احکام بیان ہوئے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے: ''شرم وحیا کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ شرم وحیا جس کی بنیاد عقل پر ہے اور دوسری وہ شرم جس کی بنیاد سادگی اور حماقت پر ہوتی ہے''۔ (۱۳۳)

ایک قصہ:

لوگوں سے کچھا کھچ بھری ایک مسجد میں، میں بھی ایک عالم کی اقتداء میں نماز کے لئے کھڑا ہوا تھا۔ اچانک امام نے سورہ حمد کی تلاوت کے درمیان نماز کو توڑ کر اعلان کیا کہ: ''میں بے وضو تھا، اسلئے لوگ اپنی نماز فرادانیت سے جاری رکھیں''۔ یہاں پر اگر امام جماعت شرمیلا ہوتا تو نماز کو بے وضو پڑھ کر ایک بڑے منکر اور گناہ کا مرتکب ہو جاتا۔

چند اور نمونے:

کسی جلسہ کے بیچ میں یاد آتا ہے کہ ابھی نماز نہیں پڑھی ہے اور اگر جلسہ ختم ہونے تک انتظار کریں تو نماز قضا ہو جائے گی۔ اگر ہم یہاں پر میٹنگ کو چھوڑ کے نماز کے لئے اٹھنے کی اخلاقی جرأت نہ رکھتے ہوں تو نماز قضا کر کے ایک منکر و گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

ہم سے ایک سوال کیا جاتا ہے اور ہم ''میں نہیں جانتا'' کا جملہ کہنے سے شرماتے ہیں اور غلط و ناحق جواب دے دیتے ہیں۔

دستخط لینے کے لئے ہمارے پاس ایک طومار لایا جاتا ہے، ہم حیاء کے پیش نظر اس پر ناحق دستخط کر دیتے ہیں۔

کتنے ایسے لوگ ہیں جو چند منٹ اٹھ کر سوال کرنے کی جرأت نہ کرنے کی وجہ سے ایک عمر غلطی پر رہے ہیں۔

۱۳۳۔الحیاء حیاءان حیاء عقل و حیاء حمق (بحار،ج۷۱،ص۳۳۱)

کتنے ایسے جوان لڑکے اور لڑکیاں ہیں جو اپنی جوانی کے ابتدائی مراحل میں بعض اطلاعات کے محتاج ہوتے ہیں لیکن سوال کرنے سے شرماتے ہیں اور یہی شرم ان کے لئے گناہ اور منکرات میں گرفتار ہونے کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

اخبار میں کسی جھوٹی چیز کو اسلام یا کسی شخصیت سے منسوب کرتے ہیں اور کوئی اس کی مذمت کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔

یہ چند نمونے تھے جو میرے ذہن میں پیدا ہوئے۔ آپ بھی اگر غور کریں تو بہت سے ایسے نمونے بیان کرسکتے ہیں کہ کیسے شرم بہت سے منکرات کا سبب و سرچشمہ بن جاتی ہے۔ کتنے ایسے لوگ ہیں جو حرام لقمہ کھاتے ہیں لیکن ایسا شغل قبول کرنے پر آمادہ نہیں جو اُن کے زعم میں ان کی شأن کے مطابق نہیں اور وہ ایسا کرنے سے شرماتے ہیں۔

مثبت حیاء:

بے شک شرم وحیاء ہر جگہ پر گناہ و بُرے اعمال کا سرچشمہ نہیں بنتی۔ بعض جگہوں پر انسان شرم وحیاء کی وجہ سے بُرے کام سے اجتناب کرتا ہے، اس قسم کی حیاء عقل پر مبنی اور مثبت ہوتی ہے۔

اگر ہم احادیث میں پڑھتے ہیں کہ:

-''الحیاء مفتاح کل خیر'' (۱۳۴)

حیاء تمام خوبیوں کی کنجی ہے۔

-''الحیاء یصدّ عن فعل القبیح'' (۱۳۵)

حیاء انسان کو بُرے اعمال سے بچاتی ہے۔

۱۳۴-غرر الحکم

۱۳۵-غرر الحکم

-" علىٰ قدر الحياء تكون العفة" (۱۳۶)

جس قدر حیاء زیادہ ہو عصمت وعفت زیادہ ہوتی ہے۔

-" لاایمان لمن لا حیاء له" (۱۳۷)

جس کے پاس حیاء نہ ہو اس کے پاس دین بھی نہیں ہے۔

تو اس سے مراد حیاء کی یہی مثبت قسم ہے۔

ایک باحیاء انسان، اپنے عیب کو لوگوں سے چھپاتا ہے اور اپنے گناہوں کا اقرار نہیں کرتا۔ بہر حال مسئلہ حیاء ایک نفسیاتی اور سماجی موضوع ہے کہ یہاں ہم اس کی تفصیل میں جانے سے اجتناب کرتے ہیں۔

ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا: "میں شرمیلے پن سے دوچار ہوں اسکی دوا کیا ہے؟" میں نے اس سے کہا: "اس کا بہترین علاج مشق ہے، مثال کے طور پر جو تقریر کرنے سے شرماتا ہے، اگر وہ گھر میں اذان دے تو رفتہ رفتہ اس کی شرم ختم ہو جائے گی"۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں: "جس کام سے تم ڈرتے ہو اسی میں اپنے آپ کو مشغول کرو"۔ (۱۳۸)

میں یہاں ضروری سمجھتا ہوں کہ ماں باپ اور مدرسہ کے معلمین کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کروں کہ اگر ایک بچہ نے اپنے جذبات کے اظہار کی کوشش کی تو اسے کچل نہ دیں۔ بلکہ اسکی حوصلہ افزائی کریں، حتیٰ اگر کوئی ناقص کام بھی انجام دے پھر بھی اس کی حوصلہ شکنی نہ کرنی چاہئے، کیونکہ بچپن میں بچہ کی حوصلہ شکنی کرنا اس کے لئے بہت سی شرمندگیوں اور بزدلی کا سبب بن

۱۳۶-غررالحکم

۱۳۷-غررالحکم

۱۳۸-اذا هبت امراً فقع فيه (بحار ۷۱، ص ۳۶۲)

جاتا ہے۔اسی طرح بچہ کی بہت سی جرأتیں اور بہادریاں بچپن میں اس کی حوصلہ افزائیوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

خوف، ذہنی اور نفسیاتی مسائل میں سے ایک ہے جو بہت سے منکرات اور برائیوں کا سرچشمہ ہے۔جھوٹ، محاذ جنگ سے فرار، باتوں کو چھپانا، ناحق توجیہ، ناحق اقرار اور جھوٹی شہادتوں کا پیش خیمہ خوف ہی ہوتا ہے۔خوف، ان حالتوں میں سے ہے کہ امام سجاد علیہ السلام ماہ رمضان میں سحر کے وقت اس کے خطرات سے خدا سے پناہ مانگتے تھے۔

اگر اسلامی ممالک کے سربراہوں پر بڑی طاقتوں کا خوف طاری نہ ہوتا تو مسلمان آج اس طرح ذلیل نہ ہوتے۔اسی طرح اگر امام خمینیؒ کی شجاعت نہ ہوتی، تو آج ایران اس عزت وآبرو کا مالک نہ ہوتا۔امیر المؤمنین علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں سست اور ڈرپوک افراد کے بارے میں سخت ترین تعبیرات سے خطاب فرماتے ہیں:

کبھی فرماتے ہیں: ''اراکم اشباحاً بلا ارواح!'' (۱۳۹) ''میں تمہیں بے روح لاشیں دیکھ رہا ہوں!''

کبھی فرماتے ہیں: ''یا اشباہ الرجال ولا رجال!'' (۱۴۰) ''اے مردنما لوگو! جو مرد نہیں ہو!''

ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں: ''ڈرپوک انسانوں کے ساتھ صلاح ومشورہ نہ کرو'' (۱۴۱)۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ''عورت سے مشورہ نہ کرو، کیونکہ ان کا مشورہ انسان کو تذبذب میں ڈالتا ہے''۔(۱۴۲)

۱۳۹-خطبہ ۱۰۸

۱۴۰-خطبہ ۲۷

۱۴۱-لاتدخلن فی مشورتک...(دنیا،خط۵۳)

۱۴۲-بحار ۱۰۳،ص ۲۵۳

واضح ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی یہ فرمائش مردوں پر بھی اطلاق ہوتی ہے یعنی ہر اس شخص سے صلاح ومشورہ نہیں کرنا چاہئے، جو تمہیں مصمم ارادہ اور جرأت سے روکے اور تمہارے اندر خوف وناامیدی کی روح پھونک دے۔ لیکن آپ ایک دوسری جگہ پر فرماتے ہیں: ''اگر کوئی عورت ہدایت کا تجربہ رکھتی ہو اور عقل وکمال کی مالک ہو تو اس سے صلاح ومشورہ کرو''۔ (۱۴۳)

بہر حال دینی جذبات اور غیرت کا ہونا امر بمعروف اور نہی از منکر کی بنیادی شرط ہے۔

ایک واقعہ:

ایک شخص نے مجھ سے کہا: ''ایک بس ڈرائیور سے میں نے درخواست کی کہ بس کو سڑک کے کنارے روک دے تاکہ میں نماز پڑھ لوں، لیکن اس نے میرے کہنے پر توجہ نہ کی، کیا پھر بھی میں ذمہ دار ہوں؟

میں نے اس سے کہا: ''ہاں، کیونکہ ایسی حالت میں درخواست کا کوئی فائدہ نہیں۔ تمہیں وہاں ایسی آواز بلند کرنا چاہئے تھی، جیسے تمہارا پیسوں سے بھرا بیگ یا بچہ کھڑکی سے گر گیا ہو''۔

ہر جگہ صرف درخواست کرنے کا اثر نہیں ہوتا بلکہ بعض جگہوں پر چیخ پکار، جرأت وبہادری کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں دسیوں آیتوں میں خاصکر جنگوں کے دوران مؤمنین کو جرأت بخشنے کا ذکر ہوا ہے۔

۱۴۳- الاّ من جرّبت بکمال عقل (بحار،۱۰۳،ص۲۵۳)

ثقافتی منکرات

ثقافتی منکرات، ایک لحاظ سے وہی اعتقادی منکرات ہیں، جو قلم، بیان، فن، فلم، پروپیگنڈہ، افواہ بازی، وسواس، گناہ ولہو ولعب کی مجلسیں منعقد کرنے، ایسی عمارتیں تعمیر کرنے جن سے مذہبی مراکز کی رونق میں کمی واقع ہو، کے ذریعہ وجود میں آتے ہیں، (مثال کے طور پر شام میں مسجد اموی کی تعمیر کرنا تاکہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی رونق کم ہو جائے یا علمی مراکز کو بغداد منتقل کرنا تاکہ امام صادق علیہ السلام کے درس کے حریف پیدا کریں) مشیر، مستشرق اور ماہرین کے نام سے اور سٹلائٹ اور کامپیوٹر کی ڈسکیٹوں کے ذریعہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ مسجد الحرام کے چند قدم پر ایک جاپانی لڑکی (اوشین) کی فلم دکھائی جاتی ہے اور پیغمبر کی بیٹی کا کہیں نام ونشان نہیں ہے!!

قارئین کرام! اگر آپ قرآن مجید کے لفظ "وَدَّ" پر غور کریں، تو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ دشمن کن چیزوں کو پسند کرتا ہے اور کیا تمنائیں رکھتا ہے۔ ان کی سب سے اہم آرزو اور تمنا یہ ہے کہ ہم اپنے عقائد، دین اور اسلامی نظام کے اصول واقدار سے ہاتھ کھینچ لیں۔ (۱۴۴)

واقعہ:

ثقافتی حملے کے بارے میں قرآن مجید میں چند اشارے ہوئے ہیں، مثال کے طور پر چند سرکردہ یہودی ایک منظم سازش کے تحت صبح کو پیغمبر اسلامؐ کے حضور ایمان لائے اور شام کو پھر سے

۱۴۴-وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ (بقرہ/۱۰۹)

یہودی مذہب کی طرف پلٹ گئے (۱۴۵)۔اس کام سے اُن کے دو مقصد تھے:

ایک یہ کہ یہودیوں میں سی کوئی مسلمان بننے کے بارے میں نہ سوچے اور اپنے آپ سے کہے کہ اگر اسلام ایک مکمل دین ہوتا تو یہودی علما کیوں پھر سے اپنے مذہب کی طرف پلٹتے''۔

دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے اندر شک وشبہہ پیدا ہو جائے کہ اگر اسلام کامل دین ہوتا تو یہودی علما اسلام قبول کرنے کے بعد واپس اپنے دین کی طرف کیوں لوٹتے، خدائے تعالیٰ نے اس سازش کا پردہ چاک کردیا۔اور پیغمبرؐ سے کہدیا کہ مسلمانوں سے کہیں: ''آج دوپہر سے پہلے کچھ سرگردہ یہودی مسلمان ہو جائیں گے اور مغرب کے وقت پھر اپنے دین کی طرف لوٹ جائیں گے۔ نہ ان کے آنے سے خوش ہونا اور نہ اُن کے جانے سے نا اُمید ہوں، کیونکہ یہ ایک سازش ہے''۔

اس لحاظ سے ثقافتی حملوں کی جڑیں گہری اور قدیمی ہیں۔ خوش قسمتی سے ہمارے بچے تک سامراجی چالوں اوران کی دشمنیوں کو سمجھ گئے ہیں۔ وہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ وہ ہوائی جہاز بنانے کے فارمولے ایرانی طالب علموں کو کیوں نہیں سکھاتے! لیکن چنگم کے کاغذ پر فحش تصوریں چھاپ کر ہمارے بچوں کے لئے بھیجتے ہیں؟

۱۴۵-آمنوا وَجْهَ النَّهارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ...(آل عمران/۷۲)

سماجی منکرات

۱-ترکِ ہجرت:

افسوس کا مقام ہے کہ واجبات میں سے ایک واجب، جس کے مرتکب تعلیم یافتہ اور نامور شخصیتیں ہوتی ہیں اور معاشرے میں جس کی برائی محو ہو چکی ہے "ترکِ ہجرت" ہے۔

اگر آٹھ سو سال پہلے ایران سے ہجرت کر کے ایک عالم دین چین نہ گیا ہوتا تو اس وقت چین میں کروڑوں مسلمان نہ ہوتے۔ (۱۴۶)

اگر فارس (۱۴۷) سے تاجروں کا ایک گروہ ہجرت کر کے تنزانیہ اور زنجبار نہ گیا ہوتا تو شاید آج اس ملک میں اسلام کا نام ونشان تک نہ ہوتا۔

اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاں زیادہ بچے ہوں اور اگر ان میں سے ہر ایک کسی ایک علاقہ اور ملک کی طرف ہجرت کرے تو اسلام تیزی کے ساتھ پھیل سکتا ہے۔ تعجب کا مقام ہے کہ پرندے اپنی زندگی کو جاری رکھنے کے لئے ہجرت کرتے ہیں لیکن مسلمان ٹس سے مس نہیں ہوتے!

۱۴۶-تقریباً ۸ سو سال قبل علامہ قزوینی نام کے ایک عالم دین نے چین سفر کیا اور وہ چین میں اسلام کے بانی مانے جاتے ہیں۔ ابھی بھی مسلمان اس عالم دین کی قبر پر، جو ایک مسجد میں واقع ہے، جمع ہوتے اور درود بھیجتے ہیں۔

۱۴۷-زنجبار براعظم افریقہ میں تنزانیہ کی ہمسائیگی میں ایک چھوٹا ملک ہے۔

اسلام کے کارناموں میں سے ایک یہ ہے کہ ہجرت کو تاریخ کا آغاز قرار دیا گیا ہے کیونکہ انسان اپنے اختیار کے ساتھ مقدس مقصد کے لئے ہجرت کرتا ہے، ورنہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت یا کرۂ زمین کی گردش انسان کے اختیاری کارناموں میں شمار نہیں ہوتے۔ ہجرت سے سیکڑوں مسائل اور مشکلات حل ہوتے ہیں۔ ہجرت یعنی انسانی قوت کی عادلانہ تقسیم، ہجرت یعنی حرکت، مقصد، احساس درد، عہد و پیمان، عفو و درگزر اور زمین و زمان کی قید و بندی سے آزادی.... چند مار کھائے ہوئے مسلمانوں کی حبشہ کی طرف ہجرت نے ہی افریقہ میں اسلام کا چراغ روشن کر دیا۔ پیغمبر اسلامؐ کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت آپؐ کے عظیم تبلیغی اقدام میں شمار ہوتی ہے۔

اگر آج ترکِ ہجرت کا یہ بڑا منکر نہ ہوتا اور علماء و دانشور ایک وسیع پیمانہ پر ہجرت کرتے اور اسے طلاب و جوانوں کی ایک جماعت تک محدود نہ کرتے تو اسلام کی آواز دنیا کے کونے کونے میں پہنچ چکی ہوتی۔ واضح انداز میں عرض کروں: ''ظلمات، جہل، شرک، اختلافات اور فقر میں زندگی بسر کرنے والوں کا گناہ اُن لوگوں کے سر ہے جو ہجرت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں لیکن آرام طلبی اور لاپرواہی کی وجہ سے ہجرت نہیں کرتے اور فرضی و تکراری کاموں میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اپنے دل کو بہلاتے ہیں کہ ہم ضروری کام کر رہے ہیں''۔

لفظ ''ہجرت'' میں ایک عظیم و عالی معنی پوشیدہ ہے جو لفظ ''مسافرت'' میں نہیں ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں کا شہروں میں متمرکز اور جمع ہونا، شہروں کی طرف ہجوم اور گاؤں خالی ہونے کا سبب بنتا ہے، جس کے نتیجہ میں قیمتیں بڑھتی ہیں اور مسکن اور ٹریفک کے مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں۔ گاؤں میں ڈاکٹر اور دوائی نہ ملنے کی وجہ سے جاں بحق ہونے والوں کے ذمہ دار وہ ڈاکٹر ہیں جو بڑے شہروں میں ہی جمع رہتے ہیں اور گاؤں میں جا کر فرائض انجام دینے سے اجتناب کرتے ہیں۔

اسلام، ہجرت نہ کرنے والوں سے سختی سے پیش آتے ہوئے فرماتا ہے: ''جو ایمان رکھتے ہیں

لیکن ایک جگہ بیٹھے اور ہجرت نہیں کرتے وہ اسلامی معاشرے میں کسی قسم کی ولایت اور سرپرستی کا حق نہیں رکھتے''۔(۱۴۸)

حقیقت میں اگر کافر ملکوں میں کام کرنے والے تمام ماہر مسلمان ہجرت کر کے اپنے وطن لوٹیں، تو بلاشبہ ایک طرف محاذ کفر کو نقصان پہنچے گا اور دوسری طرف مسلمان قوی ہو جائیں گے اور ان فاسد حکومتی نظاموں میں ان کی اسلامی شخصیت وانفرادیت بھی نابود ہونے سے بچ جائے گی۔ جب اسلام غیر متحرک راکد آب وخاک اور ایک جگہ جمے رہنے والے سرمایہ کی مذمت کرتا ہے تو مستحق ہے غیر متحرک ماہر افراد کی شدید تر مذمت کرے۔

عمومی ہجرت:

علماء کو ہجرت کرنی چاہیے تا کہ اسلام کی آواز دنیا کے دورترین نقاط تک پہنچ سکے اور وہ کلیسا سے پیچھے نہ رہیں، کیونکہ وہ بھی اپنے علماء کو دنیا کے دور دراز علاقوں میں بھیجتے ہیں اور جدید ترین اعداد وشمار سے واقف ہیں۔ یہ وہ کام ہے جسے پیغمبر اسلامؐ بھی انجام دیتے تھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا:'' تازہ متولد ہونے والے ہر بچہ اور مرنے والے ہر مسلمان کے سلسلے میں مجھے اطلاع دو، تا کہ میں ہر لحہ مسلمانوں کے تازہ ترین اعداد وشمار سے باخبر رہوں''۔

قرآن مجید نے مسلمانوں کو روئے زمین پر سیر وسفر کرنے کی مکرّر تاکید فرمائی ہے، لیکن مغربی لوگوں نے اس قرآنی دستور پر عمل کر کے تمام دنیا کا چپہ چپہ چھان لیا اور منابع ومنافع، افراد اور لوگوں کے خُلق وخو اور عادات ورسوم سے واقف ہو گئے۔ اس کی پیشینگوئی حضرت علیؑ نے اس وقت کی تھی، جب آپؑ نے فریاد بلند کرتے ہوئے فرمایا:

'' اللہ اللہ فی القرآن فلا یسبقنکم بالعمل بہ غیر کم''(۱۴۹)

۱۴۸-وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ (انفال/۷۲)

۱۴۹-نہج البلاغہ، نامہ ۴۷

''خدا کے لئے! خدا کے لئے! ایسا نہ ہو کہ قرآن پر عمل کرنے میں اغیار تم سے آگے بڑھ جائیں!!''

لیکن آج ہم اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہجرت اور زمین پر سیر وسفر کی قرآن مجید کی فرمائشات پر عمل کرنے میں اغیار ہم (مسلمانوں) سے آگے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام نے یہ فریاد اپنے وصیت نامہ میں اس وقت بلند کی جب آپؑ بستر شہادت پر لیٹے ہوئے تھے۔

محرومین کی ہجرت:

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے: ''ہجرت کو ترک کر کے اپنے آپ پر ظلم کرنے والوں کی روح کو قبض کرنے والے فرشتے اُن سے پوچھتے ہیں: ''تم لوگ کس حالت میں تھے؟''

جواب میں وہ کہتے ہیں: ''ہم زمین پر مستضعف اور کمزور تھے''۔ تو فرشتے اُن کے اس جواب کو قبول نہ کرتے ہوئے اُن سے پوچھتے: ''کیا خدا کی زمین اتنی وسیع نہ تھی کہ تم لوگ ہجرت کرتے؟'' (۱۵۰)

اس لحاظ سے ہر محروم و مستضعف پر لازم ہے کہ اپنے دین وعقیدہ کے تحفظ کے لئے ہجرت کرے اور اگر بلاد کفر میں اپنے اصولوں اور دین کا دفاع نہ کر سکے تو وہاں نہ رہے۔

کتنے لوگ ایک ہی دفتر، شہر، علاقہ یا کمپنی یا ادارہ میں پھنس کر گوناگوں گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، جبکہ اُن پر واجب ہے کہ وہاں سے چلے جائیں۔

تعجب کی بات ہے کہ تمام گناہوں میں سے جس گناہ کے بارے میں موت کے آغاز میں ہی پوچھ گچھ کی جاتی ہے، وہ ''ترک ہجرت'' ہے۔ اس کے علاوہ ایک قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ قرآن مجید

۱۵۰- نساء/۹۷

نے اجر و صلہ کے سلسلے میں دو گنا، چند گنا، دہ گنا، سات سو گنا کے جملے استعمال کئے ہیں (۱۵۱)۔ لیکن ہجرت کرنے والے کی اجر و پاداش کے سلسلے میں اعداد و شمار کا ذکر ہی نہیں ہوتا، بلکہ یہ فرماتا ہے:

اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے. ﴿فقد وقع اجره على الله﴾(۱۵۲)

اس قسم کی تعبیر اُن واقعی مؤمنوں کے علاوہ کسی اور کے لئے استعمال نہیں ہوئی ہے، جو نصف شب کو آرام کی نیند سے اٹھ کر ایک خاص بیم و اُمید کے ساتھ عبادت میں مشغول ہوتے ہیں اور جو کچھ خدا نے انھیں دیا ہے، اسے خدا کی راہ میں انفاق کرتے ہیں۔ قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے:

﴿فلا تعلم نفس ما اخفى لهم من قرّة اعين﴾(۱۵۳)

یعنی: ''کسی نفس کو نہیں معلوم ہے کہ اس کے لئے خنکی چشم کے کیا کیا سامان چھپا کر رکھے گیے ہیں''۔

ہر لحاظ سے وسعت و ترقی چاہنے والوں کو ہجرت کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ قرآن مجید فرماتا ہے:

﴿ومن يهاجر فى سبيل الله يجد فى الارض مراغماً كثيراً وسعةً﴾(۱۵۴)

''اور جو بھی راہ خدا میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سے ٹھکانے اور وسعت پائے گا''

۱۵۱- کچھ دیگر آیات میں آیا ہے: فَاُولٰئِکَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ (سبا/۳۷) بعض دیگر آیات میں بیان ہوا ہے: اَضْعَافًا کَثِیرَةً (بقرہ/۲۴۵)، اور بعض دیگر آیات میں ارشاد ہوا ہے: فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (انعام/۱۶۰)، بالآخر بعض موارد میں آیا ہے: کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِی کُلِّ سُنْبُلَةٍ مِاَةُ حَبَّةٍ (بقرہ/۲۶۱)

۱۵۲- نساء/۱۰۰

۱۵۳- سجدہ/۱۷

۱۵۴- نساء/۱۰۰

۲-دشمن سے غفلت:

دشمن اور اس کی سازشوں سے غافل رہنا بھی ایک سماجی منکر ہے۔افسوس کا مقام ہے کہ اس وقت تمام عالم اسلام اس منکر سے دوچار ہے۔اس سلسلے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:

﴿ودّ الذین کفروا لوتغفلون عن اسلحتکم وامتعتکم فیمیلون علیکم میلۃً واحدۃً﴾(۱۵۵)

''کفار کی خواہش یہی ہے کہ تم اپنے ساز وسامان اور اسلحہ سے غافل ہو جاؤ تو یکبارگی حملہ کردیں''

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:''مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ تم دشمن کے بارے میں خواب غفلت میں ہو لیکن دشمن تمہارے بارے میں بیدار ہے''(۱۵۶)

۳-اندھی تقلید:

خود فروشی،ثقافتی انحطاط،بے دینی،قومی ودینی بے غیرتی اور ذہنی کمزوری کی علامت اندھی تقلید ہے۔قرآن مجید نے بہت سی آیات میں اس قسم کی تقلید کی مذمت کی ہے۔

بت پرست اپنی بت پرستی کی توجیہ میں اپنے اجداد کی تقلید بیان کرتے تھے۔آج کل مشرق پرستی اور مغرب پرستی کی مصیبت سب سے بڑا سماجی منکر ہے۔ہماری فقہ میں کفار کی شباہت پیدا کرنا حرام ہے کیونکہ یہ بذات خود ایک ضمیر فروشی ہے۔روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ:''حتی لباس پہننے اور کھانا کھانے میں آزاد رہو اور اغیار کی تقلید نہ کرو''۔

۱۵۵-نساء/۱۰۲

۱۵۶-لاینام عنکم وانتم فی غفلۃ ساھون (نہج البلاغہ،خطبہ۳۴)

حدیث قدسی میں آیا ہے: ''خدائے تعالیٰ نے ایک پیغمبر کو وحی کی کہ مؤمنین سے کہو کہ: ''تم لوگ میرے دشمنوں جیسے لباس نہ پہنو اور میرے دشمنوں کی جیسی غذا نہ کھاؤ، اور کسی بھی کام میں میرے دشمنوں کے طریقہ کار پر نہ چلو، اگر تم لوگ ظاہر میں ان کے جیسے ہو گئے تو باطن میں بھی ان جیسے بن جاؤ گے''۔ (۱۵۷)

۴-گناہ کے جلسوں میں شرکت کرنا:

گناہ کے اجتماعات میں بیٹھنا، خاموش رہنا یا تماشا دیکھنا ہمارے سماجی منکرات میں سے ہے۔ قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے: ''جب بھی سنو کہ قرآن مجید کی آیات کا انکار کیا جارہا ہے اور مذاق اڑایا جارہا ہے، اس اجتماع سے اٹھ کے چلے جاؤ''۔ (۱۵۸)

ایک اور جگہ پر فرماتا ہے: ''اگر دیکھو کہ کسی مجلس میں ایک گروہ کے لوگ قرآنی آیات کے بارے میں ناحق بحث وجدل کر رہے ہیں، تو تم پر لازم ہے کہ ان سے منہ موڑلو تاکہ وہ بحث کا موضوع بدل دیں اور اگر تم شیطان کی غفلت کی وجہ سے بھول گئے تو، متوجہ ہونے کے بعد تمہیں وہاں پر رہنے کا حق نہیں ہے''۔ (۱۵۹)

قیامت کے دن اہل بہشت اہل دوزخ سے سوال کریں گے: ''تمہیں کیا ہوا کہ جہنم میں ڈال دئے گئے؟'' تو وہ اپنے زوال کے سبب کے طور پر چار چیزوں کو بیان کریں گے:

۱-ترکِ نماز ﴿لم نک من المصلّین﴾

۱۵۷-لاتلبسوا لباس اعدائی ولاتطعموا مطاعم اعدایی ولاتسلکوا مسالک اعدایی فتکونوا اعدایی کما هم اعدایی (وسائل الشیعہ، ج۴، ص۳۸۵، طبع آل البیت)

۱۵۸-اذا سَمِعْتُمْ آیاتِ اللهِ یُکْفَرُ بِهَا وَ یُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلاَ تَقْعُدُوا مَعَهُمْ (نساء/۱۴۰)

۱۵۹-وَاِذَا رَأَیْتَ الَّذِینَ یَخُوضُونَ فِی آیاتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّیٰ یَخُوضُوا فِی حَدِیثٍ غَیْرِهِ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطَانُ فَلاَ تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرَیٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِینَ (انعام/۶۸)

۲-بھوکوں کے سلسلے میں لاپروائی ﴿ولم نک نطعم المسکین﴾

۳-لوگوں کی بکواس اور بیہودگیوں سے متأثر ہونا ﴿وکنّا نخوض مع الخائضین﴾

۴-قیامت سے انکار ﴿وکنّا نکذّب بیوم الدّین﴾(۱۶۰)

بے شک ہماری خاموشی اور تائید، بیہودہ لوگوں کواس بات کی جرأت دیتی ہے کہ وہ ہمارے مذہبی مقدسات کی توہین کریں۔

۵-تہمت اور بے عزّتی:

کسی کو بُرے نام سے پکارنا، توہین وحقارت، گالی گلوچ، غیبت وتہمت اور بے عزتی، سماجی منکرات میں شمار ہوتے ہیں۔قرآن مجید اہل بہشت کے بارے میں فرماتا ہے ﴿لایسمعون فیھا لغواً ولا کِذّابا﴾(۱۶۱) ''بہشت میں بیہودہ اور جھوٹ بات نہیں ہے۔وہاں پر ہرایک کاانداز، سالم روح، سالم بیان اور سالم باتیں ہیں۔ اس جگہ کانام دارالسلام ہے(۱۶۲)اور بہشتیوں کا نعرہ ﴿اِلّا قیلا سلاماً سلاماً﴾ ہے(۱۶۳)۔لیکن جہنمیوں کے بارے میں فرماتا ہے: ''جو بھی گروہ جہنّم میں داخل ہوتا ہے دوسرے گروہ پر لعنت ونفرین بھیجتا ہے'' ﴿کلّما دخلت امۃٌ لَعَنَت اختھا﴾(۱۶۴) ''وہاں پر سب اپنے گناہ کودوسرے کی گردن پرڈالتے ہیں'' ﴿لولا انتم لکُنّا مؤمنین﴾(۱۶۵) ''اگرتم نہ ہوتے توہم مؤمنین ہوتے''۔

۱۶۰-مدثر/۴۳،۴۶

۱۶۱-نباء/۳۵

۱۶۲-انعام/۱۲۷

۱۶۳-واقعہ/۲۶

۱۶۴-اعراف/۳۸

۱۶۵-سبأ/۳۱

اب جبکہ ہم اہل بہشت اور اہل جہنم کی صورت حال سے واقف ہوئے تو آسانی کے ساتھ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس معاشرے میں ہم رہتے ہیں وہ بہشتی ہے یا جہنمی ؟ اگر کسی معاشرے میں بدظنی دوسروں کے سلسلے میں تجسس، کانا پھوسی، لاپروائی، طعنہ زنی، مسخرہ وحقارت یا کینہ وانتقام رائج ہے تو اس کا مستقبل جہنم ہے۔ لیکن اگر گھر، مدرسہ، دفتر اور کارخانے کی فضا پر، ایمان، اعتماد، ہمدردی، تعاون، اخلاص اور پاک باطنی کے جذبات حاوی ہوں تو اس معاشرے کا مستقبل بہشتی ہے۔

۶-اکثریت کی اطاعت:

بعض لوگ بہادری دکھانے کی جگہ، صرف میدان کارزار کو جانتے ہیں، جبکہ حقیقت میں واقعی شجاع وبہادر وہ ہے جو حق کو استدلال اور منطق کے ساتھ پہچاننے کے بعد اپنی تنہائی سے نہ ڈرے۔ حضرت علی علیہ السلام، نہج البلاغہ کے خطبہ نمبر ۲۰۱ میں فرماتے ہیں: **لاتستوحشوا فی طریق الھدیٰ لقلّة أھله** ''راہ حق میں طرفداروں کی اقلیت کی وجہ سے نہ ڈرو''۔

قرآن مجید نے اکثریت کی پیروی کرنے پر دسیوں بار سرزنش کی ہے، حتیٰ پیغمبر اسلام کو خبردار کیا ہے: ''اگر لوگوں کی اکثریت کی پیروی کرو گے، تمہیں گمراہ کردیں گے'' (۱۶۶)

۷-شخص پرستی:

قرآن مجید قیامت کے دن مجرمین کی آپسی گفتگو کے بارے میں فرماتا ہے ﴿ **اِنّا اطعنا سادتنا و کبرائنا فاضلّونا السّبیلاْ** ﴾(۱۶۷) ''ہم نے اپنے سرداروں اور بزرگوں کی اطاعت

۱۶۶-البتہ یہاں پر مراد یہ ہے کہ اکثریت عقل ومنطق کے برخلاف ہو، اگر لوگوں کی اکثریت حق پر ہو تو ان کا حساب وکتاب جدا ہے۔

۱۶۷-احزاب/۶۷

کی تو انہوں نے ہمیں راستہ سے بہکا دیا''۔

یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ شخصیت پرستی ہر انسان کے ضمیر میں موجود ہے۔'' **النّاس علی دین ملوکھم**'' (۱۶۸)'' لوگ اپنے بادشاہوں کی راہ وروش پر چلتے ہیں''۔دوسری جگہ بیان ہوا ہے:'' **النّاس بامرائھم اشبہ منھم بآبائھم**'' (۱۶۹)'' لوگ اپنے والدین کی نسبت اپنے رہبروں کی زیادہ تقلید کرتے ہیں''۔

اسی وجہ سے قرآن مجید حقیقی شخصیتوں کو اولیائے خدا کے طور پر معرفی کرنے پر اصرار کرتا ہے اور وہ لوگ جو غلط کاموں کے ذریعہ خودکونمایاں کرتے ہیں ان کو شیطان کے بھائی کا لقب دیتا ہے(۱۷۰)۔

قرآن مجید میں ایسی بہت سی آیتیں نظر آتی ہیں، جن میں مفسدین (۱۷۱)، مسرفین (۱۷۲)، گناہگاروں (۱۷۳)، کمینوں (۱۷۴)، جاہلوں (۱۷۵)، بوالہوسوں (۱۷۶)، غافلوں (۱۷۷)اورکافروں کی اطاعت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔اس کے برعکس حقیقی اور واقعی شخصیتوں کو انبیاء،صدیقین،

۱۶۸- بحار،۷۵،ص۸

۱۶۹- بحار،۷۸،ص۴۶

۱۷۰-اِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا اِخْوَانَ الشَّيَاطِين (اسراء/۲۷)

۱۷۱-وَلاَ تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِين (بقرہ/۶۰)

۱۷۲-وَلاَ تُطِيعُوا اَمْرَ الْمُسْرِفِين (شعراء/۱۵۱)

۱۷۳-وَلاَ تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُورًا (انسان/۲۴)

۱۷۴-وَلاَ تُطِعْ كُلَّ حَلاَّفٍ مَهِين (قلم/۱۰)

۱۷۵-وَلاَ تَتَّبِعَانِ سَبِيلَ الَّذِينَ لاَ يَعْلَمُون (یونس/۸۹)

۱۷۶-فَلاَ تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِين (انعام/۳۵)

۱۷۷-وَلاَ تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِين (اعراف/۲۰۵)

شہدا اور صالحین (۱۷۸) جانا ہے اور ان کا ذکر ﴿انعمت علیھم﴾ میں کیا ہے۔ ساتھ ہی ہر مسلمان پر واجب قرار دیا ہے کہ ہر نماز میں ان کی پیروی کرنے کا اعلان کریں۔

واقعہ:

جنگ جمل میں ایک طرف حضرت علیؑ اور دوسری طرف طلحہ وزبیر تھے۔ایک شخص یہ منظر دیکھ کر حیران ہو گیا اور اپنے آپ سے کہنے لگا: ''دونوں طرف اصحاب پیغمبرؐ ہیں، واقعاً حق کن کے ساتھ ہے؟''

حضرت علی علیہ السلام نے ہمیشہ کی طرح اپنے بیان سے تاریخ کے لئے ایک چراغ روشن فرمایا تا کہ اس کے بعد کوئی حیران وسرگرداں نہ ہونے پائے۔وہ چراغ آپؑ کا یہ کلام مبارک تھا:

''اعرف الحق تعرف اھلہ''

یعنی: ''پہلے حق کو پہچان لو، اس کے بعد جو بھی اس (حق) کے ساتھ ہو وہی حق پر ہے''۔

لوگوں کو حق کی بنیاد پر پرکھو نہ حق کو لوگوں کے مطابق۔

مثال کے طور پر پہلے ہمیں جاننا چاہئے کہ غیبت کیا ہے؟ اس کے بعد جو غیبت کرے اسے پہچان لیں، یہ نہ کہدیں کہ: ''چونکہ فلاں شخص غیبت کرتا ہے، اسلئے غیبت حلال ہے''۔

۸- بدظنی، تجسّس اور غیبت:

قرآن مجید واضح الفاظ میں فرماتا ہے: ''بعض گمان گناہ ہیں''۔(۱۷۹)

بدظنی تجسّس کا پیش خیمہ اور تجسّس غیبت کی تمہید ہے، اور غیبت رشتوں، محبتوں اور اعتماد کو توڑنے کا اہم سبب ہوتا ہے۔

۱۷۸-مِنَ النَّبِيِّينَ وَ الصِّدِّيقِينَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِينَ وَ حَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقًا (نساء/۶۹)

۱۷۹-اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (حجرات/۱۲)

سوال:

روایتوں میں ملتا ہے کہ: ''ایک غیبت کی وجہ سے انسان کی تمام عبادتیں نابود ہو جاتی ہیں۔ کیا یہ سزا انصاف پر مبنی ہے؟

جواب:

جی ہاں! کیونکہ غیبت کے ذریعہ ایک انسان کی عمر بھر کی عزّت و آبرو چلی جاتی ہے، لہٰذا جو عبادت سالہا سال انجام پائی ہو، نابود ہونی چاہئے''۔

ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہر منکر کے بارے میں بیان شدہ تمام آیات وروایات یہاں ذکر کریں، لیکن نمونہ کے طور پر چند ایک کی طرف اشارہ کافی ہے۔

۹-چغل خوری:

سورۂ نساء کی ۸۵ ویں آیت میں بیان ہوا ہے: ''جو شخص دو مسلمانوں کے درمیان فتنہ گری، چغل خوری، بری ثالثی، کدورت اور اسرار فاش کرے، اس کے لئے ایک سزا معین ہے''۔ (۱۸۰)

۱۰-لاپروائی:

لاپروائی اور غیر ذمہ داری بھی ایک سماجی منکر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: ''اگر کسی نے ایک مظلوم کی فریاد سنی اور اس کا جواب نہ دیا، وہ مسلمان نہیں ہے''۔ (۱۸۱)

ایک اور حدیث میں بیان ہوا ہے: ''جو رات کو پیٹ بھر کے سوئے اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہو تو، گویا وہ خدا پر ایمان نہیں رکھتا''۔ (۱۸۲)

۱۸۰-...مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا (نساء/۸۵)

۱۸۱-من سمع رجلاًینادی یا للمسلمین فلم یجبه فلیس بمسلم (بحار، ج۷۴، ص۳۳۹)

۱۸۲-ماآمن بی من بات شبعاناً وجاره جائع (بحار، ج۷۴، ص۹۴)

ایک حدیث میں منکرات کے بارے مین لاپروائی برتنے والے افراد کو بے ''ایمان'' کہا گیا ہے۔ (۱۸۳)

قرآن مجید کا ارشاد ہے: ''تم مستضعفین اور کمزوروں کی نجات کے لئے مسلحانہ بغاوت کیوں نہیں کرتے؟'' (۱۸۴)

اہل جہنم اہل بہشت سے کہتے ہیں: '' ہماری مصیبت کی ایک وجہ بھوکوں کی نسبت ہماری لاپروائی تھی'' ﴿ولم نک نطعم المسکین﴾ (۱۸۵)

روایتوں میں آیا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ایک علاقہ کے لوگوں پر عذاب نازل کیا۔ فرشتوں نے خدا سے سوال کیا کہ: اس علاقہ کے لوگ گناہگار نہیں ہیں، انہیں کیوں گناہگاروں کے ساتھ عذاب میں مبتلا کیا جائے؟

خدائے تعالیٰ نے فرمایا: ''ان کی خاموشی اور لاپروائی کی وجہ سے!''

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک شیعہ- جو توبہ کرنے کے لئے آپؑ کے پاس آیا تھا- سے فرمایا: ''اگر تم جیسے لوگ بنی عباس کے اردگرد حلقہ نہ بناتے تو وہ ہم اہل بیتؑ کو خانہ نشینی پر مجبور نہیں کر سکتے تھے''۔

امیر المؤمنینؑ لاپروا افراد کے بارے میں سخت ترین جملے استعمال فرماتے ہیں اور بعض اوقات ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے آپؑ نے سُست، کمینے اور لاپروا افراد کے بارے میں ۱۸ شدید جملے بیان فرمائے ہیں جن میں سے چند کی طرف ہم حاشیہ میں اشارہ کرتے ہیں۔ (۱۸۶)

۱۸۳-ان اللہ لیبغض المؤمن الضعیف الذی لادین لہ (بحار، ج ۷۲، ص ۲۲۸)

۱۸۴-وَمالَکُمْ لاَ تُقَاتِلُونَ فِی سَبِیلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِینَ...(نساء/۷۵)

۱۸۵-مدثر/۴۴

۱۸۶-یااشباہ الرجال ولارجال، ما لی أراکم اشباح بلا ارواح، افٍّ لکم، تبّاً لکم، قبحاً لکم، قاتلکم اللہ، یالیتنی لم ارکم۔

البتہ مذکورہ لاپروائی سماج سے متعلق تھی، لیکن بعض اوقات انسان اندرونی لاپروائی کا اس طرح مرتکب ہوتا ہے کہ دیکھی اور سنی چیزوں سے عبرت حاصل نہیں کرتا، سنگدل بنتا ہے اور ایک قطرہ آنسو بھی نہیں بہاتا۔ قرآن مجید نے ایسے افراد کی بارہا مذمت کی ہے: ''واذاذکروا لایز کرون''۔(۱۸۷)

۱۱-اختلاف:

سماجی برائیوں اور منکرات میں سے ایک، اختلاف بھی ہے۔قرآن مجید نے اختلاف کو آسمانی وزمینی عذاب کے مانند بتایا ہے اوران ہی کا ہم ردیف قرار دیا ہے۔(۱۸۸)

تیسری ہجری میں جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کا راز ان کا آپسی اختلاف اور رہبری کی نافرمانی تھا۔(۱۸۹)

غدیرخم میں رسول اکرمؐ کی اس فرمائش: ''میرے بعد علی ابن ابیطالبؑ خلیفہ ہیں'' کے بارے میں تقریباً ایک لاکھ گواہوں کے موجود ہونے کے باوجود حضرت علی علیہ السلام کی ۲۵ سال تک خاموشی اتحاد و یکجہتی کے تحفظ کے لئے تھی۔ جب حضرت موسیٰ نے چالیس دن کے بعد کوہ وطور سے واپس آنے پر دیکھا کہ اُن کے دوست وطرفدار سامری کے گوسالہ کے گرد جمع ہوکر اسکی پرستش کررہے ہیں، تو سخت غصے میں آکر اپنے بھائی ہارون سے کہا: ''تم نے اس گمراہی کی کیوں روک تھام نہ کی؟'' حضرت ہارون نے کہا: ''میں نے انھیں منع کیا تھا، لیکن انہوں نے میری بات نہیں مانی اور قریب تھا کہ وہ مجھے مار ڈالتے۔ میں نے سوچا کہ سختی سے ان کا مقابلہ کروں لیکن ڈر گیا کہ کہیں آپ اعتراض نہ کریں اور مجھ سے کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان اختلاف

۱۸۷۔صافات/۱۳۔

۱۸۸-عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا(انعام/۶۵)

۱۸۹-...حَتّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ(آل عمران/۱۵۲)

پیدا کیا ہے۔ اسلئے میں نے اس امر کو ترجیح دی کہ ایک گروہ گوسالہ پرست رہے لیکن میں اختلاف وافتراق کا سبب نہ بنوں''۔

اسلام میں ہر اس عمل کو حرام قرار دیا گیا ہے جو تفرقہ اور اختلاف کا سبب بنے، مثال کے طور پر، چغل خوری، غیبت، تہمت، بدظنی، افواہیں پھیلانا جیسے اعمال شدت کے ساتھ حرام قرار دئے گئے ہیں۔ اس کے برخلاف ہر وہ کام جو اتحاد و یکجہتی اور دل کے سکون کا سبب بنے، اس کو انجام دینے کی تاکید کی گئی ہے، حتی اس حد تک فرمایا گیا ہے کہ: ''اگر سچ کہنے سے فتنے اور فساد برپا ہوتا ہو تو جھوٹ بولنا جائز ہے''۔

پوری تاریخ میں جو مصیبتیں مسلمانوں پر گزری ہیں وہ سب اختلاف وافتراق کی وجہ سے تھیں۔ عالمی سامراج کا سب سے بڑا حربہ اختلاف وافتراق پیدا کرنا ہے(۱۹۰)۔ قرآن مجید نے اختلاف ڈالنے والوں کو مشرک جانا ہے(۱۹۱)۔ اسی طرح قرآن مجید نے اتحاد کے محور کو حبل اللہ سے تعبیر کیا ہے (۱۹۲)۔ اگر مسلمان متحد رہیں تو دنیا کی کوئی طاقت انھیں ڈرادھمکا نہیں سکتی۔ البتہ جس چیز کی اہمیت ہے وہ دلی اتحاد و یکجہتی ہے نہ زبانی وظاہری (۱۹۳)۔ آیات اور روایات میں ظاہری اتحاد کی مذمت کی گئی ہے(۱۹۴)۔ اتحاد و یکجہتی کے علم بردار وہ ہو سکتے ہیں جو بلند روح اور وسعت نظر کے مالک ہوں اور تنگ نظری اور خود غرضی سے پاک و منزہ ہوں۔ قرآن مجید فرماتا ہے: ''بیشک تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے''۔(۱۹۵)

۱۹۰-وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا (قصص/۴)

۱۹۱-لاَ تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ * مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ...(روم/۳۱،۳۲)

۱۹۲-وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعًا (آل عمران/۱۰۳)

۱۹۳-فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ...(آل عمران/۱۰۳)

۱۹۴-وَقُلُوبُهُم شَتّٰى (حشر/۱۴)

۱۹۵-اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّهِ اَتْقٰكُمْ (حجرات/۱۳)

اس طرح قرآن مجید قومی، نسلی، علاقائی، اقلیمی، اقتصادی اور سن وسال کے مسائل کو نظر انداز کردیتا ہے۔

نماز جمعہ اور نماز جماعت شب وروز اتحاد و یکجہتی کی ایک مشق ہے۔ صلہ رحم، ملاقاتیں، عفو وبخشش، تعاون، محرومین کی امداد، ہجرت، تحفہ دینا، بیماروں کی عیادت، مصافحہ وغیرہ کی تاکید اسلئے کی گئی ہے کہ آپس میں محبت واتفاق پیدا ہو اور انسان کے آپسی ارتباطات مستحکم ہوں۔

۱۲-فحاشی کا رواج:

فحاشی اور برائیوں کا رواج ایک سماجی منکر ہے۔ یہاں پر یہ نکتہ قابل غور ہے کہ تمام گناہوں میں جو الٰہی غضب کا سبب بنتا ہے، وہ اس گناہ کا انجام دینا ہے۔ لیکن فحاشی کے بارے میں صرف اتنا ہی کافی ہے کہ انسان اسے پسند کرتا ہو (اگر چہ اسے انجام بھی نہ دے) تو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ یعنی نہ صرف فحاشی کو رائج کرنا بلکہ اس سے دلچسپی رکھنا ہی گناہ کبیرہ ہے۔ جبکہ اس کے علاوہ کسی اور گناہ کے بارے میں صرف دلچسپی رکھنا، (انجام نہ پانے تک) گناہ نہیں ہے(۱۹۶)۔ واضح ہے کہ نامحرم مرد اور عورت کا تنہائی اور خلوت میں رہنا یا ان کا دفتر یا یونیورسٹی یا عمومی جگہوں پر، ہسپتالوں میں ایک ساتھ رہنا فحاشی کے رواج کا پیش خیمہ ہے۔ عورتوں کی بے پردگی، فحاشی کے رواج کا مقدمہ ہوتا ہے۔ تھوڑا سا غور کریں تو آسانی سے معلوم ہو جائے گا کہ بے راہ روی، آنکھ لڑانا، اوروں کو دکھانے کے لئے زینت کرنا، شہوت کو ابھارنے، فحاشی، ناجائز تعلقات قائم ہونے کا سبب ہو سکتے ہیں اور ان کے علمی، اخلاقی اور خاندان نقصانات کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

۱۹۶-اِنَّ الَّذِینَ یُحِبُّونَ اَنۡ تَشِیعَ الۡفَاحِشَةُ (نور/۱۹)

۱۳- وحشت پیدا کرنا:

قرآن مجید کا ارشاد ہے: ''زمین پر فساد پھیلانے والوں کی سزا موت اور جلاوطنی ہے''(۱۹۷)۔ اور زمین پر فساد کا ایک مصداق اسلحہ لیکر خوف و وحشت اور نا امنی پھیلانا ہے۔ قرآن مجید نے معاشرے میں افواہوں کے ذریعہ نا امنی اور عدم استحکام پھیلانے والوں کے لئے سخت ترین سزا معین فرمائی ہے۔(۱۹۸)

حدیث میں آیا ہے کہ: ''جو کسی مؤمن کو ڈرائے خدائے تعالیٰ اسے قیامت کے دن ڈرائے گا''۔(۱۹۹)

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ: ''بدترین انسان وہ ہے جس کے شر سے لوگ امان میں نہ ہوں''۔(۲۰۰)

زیادہ دور نہ جائیں، مسلمان کو مسلمان اس لئے کہتے ہیں کہ لوگ اس سے اور اسکی زبان سے امان میں رہتے ہیں۔(۲۰۱)

اسلام فرماتا ہے: ''اپنے سفر کے پروگرام ایسے مرتب کرو کہ رات کو بے وقت کسی کے گھر میں داخل نہ ہو، تاکہ اس گھر کے لوگ خوف زدہ ہو کر نیند سے بیدار نہ ہوں۔

قصہ:

مشہد مقدس کے ایک بڑے عالم (۲۰۲)، عارف اور مفسّر و فقیہ ایک روز سفر سے واپسی پر رات کو

۱۹۷- اِنَّمَا جَزَآؤُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللهَ (مائدہ/۳۳)

۱۹۸- وَالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ...(احزاب/۶۰)

۱۹۹-من اخاف لي اوليائي فقد بارزني بالمحاربه ثم انا الثائر لهم يوم القيامة (بحار، ج ۱۳، ص ۳۹)

۲۰۰-شر الناس عندالله يوم القيامة من يكرم اتقاءِ شره (بحار، ج ۷، ص ۲۱۷)

۲۰۱-المسلم من سلم المسلمون من يده ولسانه (بحار، ج ۱، ص ۱۱۳)

۲۰۲- آیت اللہ میرزا جواد آقا تہرانی۔

گھر پہنچے۔ دروازہ کھٹکھٹا کے اپنی بیوی کو نیند سے بیدار کرنا چاہا لیکن مذکورہ حدیث انھیں یاد آ گئی لہٰذا دروازہ کے پیچھے بیٹھ کر صبح کا انتظار کرنے لگے۔ اس دوران ان کی بیوی نے خواب دیکھا کہ آیت ا... تشریف لائے ہیں اور اپنی بیوی کے احترام میں دروازہ کے پیچھے ہی صبح ہونے تک منتظر ہیں۔ وہ خواب سے بیدار ہوئیں اور جوں ہی دروازہ کھولا تو دیکھا ان کے شوہر دروازے کے پیچھے بیٹھے ہیں۔

۱۴- جھوٹی خبریں پھیلانا:

قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے: ''اگر کسی فاسق نے کوئی خبر دی تو تحقیق کئے بغیر اسے قبول نہ کرو''۔ (۲۰۳)

مسلمانوں یا اسلامی ممالک کے درمیان اختلاف و افتراق پیدا کرنے کا ایک اہم وسیلہ یہی جھوٹی خبریں ہیں۔ دشمنوں کی طرف سے ایک منظم پروگرام اور سرمایہ گزاری کے تحت اس پر کام ہوتا ہے اور ایسی خبریں گڈھ کے مختلف ذرائع سے لوگوں تک یوں پہنچائی جاتی ہیں کہ محبت و الفت کے رشتے پارہ پارہ ہو جاتے ہیں۔ ہمارا مقصد ان منکرات کے بارے میں پہچان پیدا کرنا ہے جو ہمارے معاشرے میں زیادہ ہیں لیکن انھیں کم ہی گناہ سمجھا جاتا ہے۔ یہاں پر ہم گناہوں کو گننے کی پوزیشن میں نہیں ہیں کیونکہ اس طرح ہم اپنے اصلی مقصد سے دور ہو جائیں گے۔

۱۵- چاپلوسی اور غلو:

تملق، چاپلوسی اور غلو بھی سماجی منکرات میں شمار ہوتے ہیں۔ بعض اوقات حد سے زیادہ دلچسپی دکھانے والے اشخاص ان منکرات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اسلئے انسان کو ایسے افراد سے ہوشیار

۲۰۳- اِنْ جَآئَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوا (حجرات/۶)

رہنا چاہئے۔ہم یہاں اس کے چند نمونے پیش کرتے ہیں:

۱-لوگوں کے ایک گروہ نے حضرت علی علیہ السلام کے حضور آ کر کہا: ''اے پروردگار! سلام ہو آپ پر''۔ حضرت علی علیہ السلام نے اُن کو حکم دیا کہ توبہ کرو۔ (۲۰۴)

۲-ایک اور شخص نے پیغمبر اکرمؐ کے حضور آ کر آنحضرتؐ کے بارے میں مذکورہ بالا تعبیر بیان کی تو آنحضرتؐ نے اس پر لعنت بھیجی۔(۲۰۵)

وہ تمام روایتیں، جن میں غلو کی نہی کی گئی ہے، اسلئے ہے کہ غلو ایک منکر ہے۔لہٰذا مدّاحوں، مقرروں اور قلم کاروں کو اپنے بیانات اور تحریروں کے بارے میں ہوشیاری سے کام لینا چاہئے۔

حدیث شریف میں آیا ہے: ''چاپلوس افراد کے منہ میں خاک ڈالو''۔(۲۰۶)

نہج البلاغہ میں ارشاد ہوا ہے: ''حد سے زیادہ تعریف وتمجید تملّق اور چاپلوسی ہے اور حد سے کم تعریف کمزوری اور حسد ہے''۔(۲۰۷)

تعریف وتمجید اور چاپلوسی کی یہ ساری مذمتیں تو عام لوگوں کے بارے میں ہیں، لیکن اگر ظالم کی تعریف وتمجید کی جائے تو بقول حدیث عرش الٰہی کانپ جاتا ہے۔(۲۰۸)

۲۰۴-اتیٰ قوم امیر المؤمنین علیہ السلام فقالوا السلام علیک یاربّنا فاستتابھم الحدیث (امالی طوسی ص۲۶۴ ح ۱۳۷۷)

۲۰۵-جاء رجل الی رسول اللہ فقال السلام علیک یا ربّی فقال مالک لعنک اللہ ربی وربک اللہ (بحار، ج ۲۵، ص ۲۹۷)

۲۰۶-احثوا فی وجوہ المدّاحین التراب (بحار، ج ۷۳، ص ۲۹۴)

۲۰۷-الثناء باکثر من الاستحقاق مَلَقٌ والتقصیر عن الاستحقاق عیّ وحسد (نہج البلاغہ، حکمت ۳۴۷)

۲۰۸-اذامُدِحَ الفاجر اھتزّ العرش وغضب الرب (بحار، ج ۷۷، ص ۱۵۴)

خاندانی منکرات

خاندان، تربیت اور تقویٰ کی اساس بن سکتا ہے جبکہ یہی خاندان فساد اور گناہ کی بنیاد بھی بن سکتا ہے۔ اسلام نے خاندان کی اہمیت کے پیش نظر اس سلسلے میں ابتدائی مراحل سے ہی دقیق تاکیدیں فرمائی ہیں، من جملہ:

۱- شریک حیات کے انتخاب میں اس کے عقائد اور طرز فکر پر توجہ کرنا۔ (۲۰۹)

۲- ایک بدکردار خاندان سے انتخاب کی گئی خوبصورت شریک حیات اُس خوشنما پھول کے مانند ہے جس کی جڑ کچرہ اور گندگی میں ہو۔ (۲۱۰)

۳- شادی کی تقریب سادہ اور مہر کم معیّن کرو۔ (۲۱۱)

۴- جنسی آمیزش کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ آپ کی نسل دنیا میں آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک (۲۱۲) اور آخرت کے لئے ذخیرہ ہو۔ (۲۱۳)

۵- نام رکھنا، محبت، قرآن، تیراکی، فن اور علم کی تعلیم، اولاد کو ایک نظر سے دیکھنا اور بیٹے بیٹی میں فرق نہ کرنا، حاملگی سے ولادت تک اور اس کے بعد آخر عمر تک سالم وحلال غذا اور پیشہ کے انتخاب کے سلسلے میں تاکید اور اسی قسم کی سیکڑوں دیگر تاکیدیں اسلام میں خاندان کی اہمیت کو ظاہر

۲۰۹- ...وَلَاَمَةٌ مُؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكَةٍ... (بقره/۲۲۱)

۲۱۰- ایاکم وخضراء الدمن (بحار، ج ۱۰۳، ص ۲۳۲)

۲۱۱- احسنهن وجها واقلهن مهراً (بحار، ج ۱۰۳، ص ۲۳۷)

۲۱۲- مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ (فرقان/۷۴)

۲۱۳- وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ... (بقره/۲۲۳)

کرتی ہیں۔ نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سیاست کے اعلیٰ ترین عہدوں کے ردو بدل اور منصوب اور معزول کرنے میں شریک حیات کی پاک دامنی اور خاندان کے صالح ہونے کو مدنظر رکھتے تھے۔ خاندان میں معمولی انداز کی بیہودگی، بدزبانی، آلودگی اور بدکاری، مستقبل میں معاشرے کے ہر قسم کے گناہ، فساد اور بدکرداری کا پیش خیمہ ہوسکتی ہیں۔

ایک کہانی:

کہتے ہیں کہ ایک دن شیطان نے ایک حرام زادہ کے ساتھ فتنہ وفساد کے سلسلے میں مقابلہ رکھا۔ غروب کے وقت جب دونوں اپنی کارکردگی بیان کرنے لگے تو شیطان نے کہا: ''میں نے آج ایک زنا انجام دلایا''۔ حرام زادہ نے کہا: ''میں نے آج تجھ سے کئی گنا فتنہ انگیزیاں برپا کی ہیں میری اس فتنہ انگیزی کی وجہ سے چند افراد نے ایک دوسرے کو گالیاں دی ہیں، کئی بدظنیاں، غیبت اور رشوت خوریاں وجود میں آئیں...

شیطان نے اس سے کہا: ''گنتی میں تو مجھ سے آگے ہے۔ لیکن جان لو میں نے ایک زنا کو انجام دلا کر ایک حرام زادہ کو جنم دیا کہ وہ تیری طرح روزانہ سیکڑوں فتنہ وفساد برپا کرسکتا ہے۔ میں نے ایک گناہ انجام دلایا لیکن ایک کلیدی گناہ''۔

خاندانی مسائل انتہائی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اور والدین کے گناہ اور کھانے پینے، عمل، عبادت اور گفتگو میں ان کی لاپروائیاں ان کی نسل میں سیکڑوں فتنہ وفساد کا پیش خیمہ بن سکتی ہیں۔

شریک زندگی کی دولت سے ناجائز فائدہ اٹھانا، مہر کی رقم زیادہ رکھنا، تقریبات میں حد سے زیادہ فضول خرچی اور میاں بیوی کے رشتہ داروں کی بے جا مداخلت بھی خاندانی منکرات میں شمار ہوتی ہیں۔

حضرت شعیبؑ نے جب چاہا کہ اپنی بیٹی کو حضرت موسیٰؑ کے عقد میں لائیں تو جناب موسیٰؑ سے فرمایا: ''مہر کا انتخاب تمہارے اختیار میں ہے۔ لیکن جان لو کہ میرا ارادہ یہ نہیں ہے کہ سختی کر کے تم کو

زحمت میں ڈالوں''۔(۲۱۴)

بعض شادیاں بھی خاندانی منکرات میں شمار ہوتی ہین، جن کے اثرات انتہائی منحوس ہوتے ہیں۔فقہ میں آیا ہے کہ:''اگر کسی نے کسی لڑکے کے ساتھ لواط کیا تو وہ اس کی بہن کے ساتھ ہرگز شادی نہیں کرسکتا ہے۔اگر ایسا عقد نکاح انجام پایا ہو تو میاں بیوی کو فوراً ایک دوسرے سے جدا ہو جانا چاہئے، چاہے کئی سال گزر چکے ہوں اور ان کے ہاں بچے بھی پیدا ہو گئے ہوں''۔

دیگر خاندانی منکرات میں، بچوں کے بارے میں لاپروائی، اُن میں فرق کرنا اور قرآن کی معین کردہ مدت سے کم دودھ پلانا جیسے امور بھی شمار کئے جاسکتے ہیں اسی طرح بے جا مذاق، غلط تنقید، اور خدانخواستہ والدین کی اپنے بچوں کے سامنے ناشائستہ گفتگو یا والدین کا بچوں کے سامنے جھوٹ بولنا، جنھیں بچے سن رہے ہوں جیسے کام بھی خاندانی منکرات میں شمار ہوتے ہیں اور بچوں کی تربیت اور ان کی سرنوشت پر انتہائی برا اثر ڈالتے ہیں۔

شریک حیات سے بدسلوکی:

پیغمبر اسلامؐ کے ایک صحابی اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔آنحضرتؐ پا برہنہ تشریف لائے اور اُن کے جنازہ میں شرکت فرمائے۔ ہزاروں فرشتوں نے بھی ان کے جنازہ میں شرکت کی اور وہ صحابی بڑی شان وشوکت سے دفن کئے گئے۔

اس شخص کی ماں نے کہا:''کتنے خوش قسمت ہو! کہ تمہاری موت اس عزت واحترام سے ہوئی کہ پیغمبر اسلامؐ اور فرشتوں نے تمہارے دفن میں شرکت کی''۔

یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا:''اے ماں! جلد بازی میں فیصلہ نہ کرو، تمہارا بیٹا ان تمام خوبیوں کے باوجود، اپنی بیوی سے بدسلوکی کے سبب عذاب قبر میں مبتلا ہوگا''۔(۲۱۵)

۲۱۴-وَما اُرِیدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْکَ...(قصص/۲۷)

۲۱۵-...انّہ کان فی خلقہ مع اھلہ سوءٌ (بحار، ج۶، ص۲۲۰)

مہر ادا کرنے سے انکار، خاص دنوں میں ہمبستری، بیوی کو ڈرانا دھمکانا اور بہانہ بازی کرنا، اولاد کُشی، بچہ کو ساقط کرنا، شریک حیات سے بے جا توقعات، بیوی کو بُرے نام سے پکارنا، بیوی کی فطری خواہشات کے سلسلے میں لاپروائی، بیوی بچوں سے بے انصافی کرنا، بے جا حکم دینا اور اس طرح کے دسیوں نمونے خاندانی منکرات میں شمار ہوتے ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث میں، بیوی کی نافرمانی، میاں بیوی کے درمیان اختلاف اور طلاق، میاں بیوی کے آپسی طرز عمل اور ان کے باہمی حقوق جیسے سیکڑوں مسائل کے بارے میں احکام ذکر ہوئے ہیں۔

اخلاقی منکرات

اخلاقی منکرات بہت ہیں۔ یہاں پر ہم صرف چند کو سلسلہ وار بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

-خود بینی و خودستائی: قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے: ''جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جو اچھے کام نہیں کیے ہیں اُن پر بھی ان کی تعریف کی جائے تو خبردار! انہیں کامیاب نہ سمجھنا''۔ (۲۱۶)

-ریا: ریا ایک قسم کا مخفی شرک اور غیر خدا کی طرف توجہ ہے۔ ریا، کام کو بے کار کر کے رکھ دیتی ہے۔ ریا کاروں اور ریا کاری کے منحوس اثرات کے بارے میں آیات و روایات میں کئی تنبیہیں ذکر ہوئی ہیں۔

-جھوٹ، غیبت، چغل خوری، بدکلامی، باطل کے گرد جمع ہونا، مقدس چیزوں کی بی احترامی، ایک دوسرے کو بُرے ناموں سے پکارنا، احسان دھرنا اور اس قسم کے دسیوں منکرات کے بارے میں ہر یک کے لئے اگر آیت یا روایت بیان کرنے بیٹھیں تو اصل موضوع سے دور ہو جائیں گے۔

۲۱۶-وَيُحِبُّونَ اَنْ يُحْمَدُوا بِمَالَمْ يَفْعَلُوا فَلاَ تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ (آل عمران/۱۸۸)

اقتصادی منکرات

اقتصادی منکرات دیگر تمام منکرات سے زیادہ ہیں ہم یہاں ان کے چند نمونے بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

۱-ربا

ربا، خدائے تعالیٰ سے اعلان جنگ کے برابر ہے(۲۱۷)۔حتی یہودیوں کے دین میں بھی اس کی ممانعت کی گئی ہے،افسوس کہ ربا یا سود حرام ہونے کے باوجود آج کے زمانے میں رائج ترین آمدنی ہے۔اسلام میں سود کی سخت مذمت کی گئی ہے(۲۱۸)،اس حد تک کہ ایک درہم سود لینا اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے۔(۲۱۹)

۲-جھوٹی قَسم

جھوٹی گواہی،گراں فروشی، مال میں ملاوٹ کرنا،معیوب اجناس کو بیچنا،کفار کو اسلحہ بیچنا،انگور وغیرہ کو شراب بنانے کے لئے بیچنا،بُرے کاموں کی دلاّلی کرنا،جھوٹی شہادت دینا، مال لینے کے

۲۱۷-فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (بقرہ/۲۷۹)

۲۱۸-وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ... (نساء/۱۶۱)

۲۱۹-الرّبا سبعون جزء ا ایسره ان ینکح الرجل امه (بحار،ج ۱۰۳،ص ۱۱۷)

سلسلے میں فاسد افراد کی ستائش وچاپلوسی کرنا، بیت المال سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور ذخیرہ اندوزی، اقتصادی منکرات میں شمار ہوتے ہیں۔

۳-گراں فروشی:

قرآن مجید میں ''مطفّفین'' کے نام سے ایک سورہ ہے، جس میں خدائے تعالےٰ فرماتا ہے﴿ویل للمطفّفین﴾ ''وائے ہو گراں فروشوں پر''

توحید کی دعوت کے بعد حضرت شعیبؑ کا پہلا کلام گراں فروشی کو منع کرنا تھا(۲۲۰)،قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:''کیا تم قیامت پر ایمان نہیں رکھتے کہ گراں فروشی کرتے ہو؟''(۲۲۱)

ملازموں اور معلّموں کی کام چوری، اسلامی ٹیکس ادا نہ کرنا، یتیم کا مال کھانا وغیرہ بھی گراں فروشی کے مانند ہے۔

۴-رشوت لینا:

حدیث میں آیا ہے کہ:''رشوت لینے اور دینے والا دونوں جہنم کی آگ میں ہیں''(۲۲۲)

بعض لوگوں کا خیال خام ہے کہ رشوت کے نام کو دیگر اصطلاحات، جیسے تحفہ، حساب کا حق، تشویق یا کسی اور نام سے بدل دیا جائے تو حقیقت بھی بدلتی ہے۔

۲۲۰-وَلاَ تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیائَهُمْ(اعراف وہود/۸۵)

۲۲۱-اَلاَ یَظُنُّ اُولٰئِکَ اَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ. لِیَوْمٍ عَظِیمٍ(مطففین/۴و۵)

۲۲۲-پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:''الرّاشی والمرتشی فی النّار...''(کنز العمال/ح۱۵۰۷۷)

عسکری منکرات

۱-محاذ جنگ سے بھاگنا:

بعض منکرات جنگ اور محاذ جنگ سے مربوط ہیں ان میں سے ایک محاذ جنگ سے فرار ہے۔
قرآن مجید فرماتا ہے: ''اور جو آج کے دن پیٹھ دکھائے گا وہ غذاب الٰہی کا حق دار ہوگا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا جو بدترین انجام ہے''۔ (۲۲۳)

بے شک جنگ سے بھاگنا ایسے گناہوں میں سے ہے کہ خدائے تعالےٰ نے اس کی سزا جہنم رکھی ہے۔ سورہ احزاب میں آیا ہے کہ: ''بعض لوگوں نے پیغمبر اسلامؐ سے عہد و پیمان باندھا تھا کہ دشمنان اسلام کے ساتھ جنگ میں فرار نہیں کریں گے''۔ اس کے بعد قرآن مجید فرماتا ہے: ''تمہارے لئے بھاگنا ہرگز مفید نہیں ہوگا''۔ (۲۲۴)

فرار کی توجیہات:

منافقین اور ڈرپوک افراد کا محاذ جنگ سے فرار اور اس فرار کے بارے میں جو توجیہات وہ پیش کرتے تھے، ان کے سلسلے میں قرآن مجید میں چند نکات بیان ہوئے ہیں جن کو ہم یہاں پر

۲۲۳-وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلَى فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (انفال/۱۶)

۲۲۴-احزاب/۱۶

سلسلہ وار ذکر کرتے ہیں:

۱- سپہ سالار اور رہبر کا نہ ہونا:

جنگ احد میں مسلمانوں کی ایک جماعت نے اس خیال سے کہ پیغمبر اسلامؐ شہید ہو گئے ہیں، میدان جنگ سے فرار کیا۔

قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے:

''کیا اگر وہ (پیغمبرؐ) مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم الٹے پیروں پلٹ جاؤ گے؟'' (۲۲۵)

۲- ہوا کی گرمی:

جب جنگ میں جانے کا حکم جاری ہوتا تھا تو ایک گروہ کہتا تھا: ''اس وقت ہوا گرم ہے''۔ قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے: ''جہنم کی آگ اس سے کہیں گرم ہے''۔ (۲۲۶)

۳- دشمنوں کی کثرت:

کچھ لوگ لشکر کفر اور ان کے جنگی ساز و سامان کو دیکھ کر کہتے تھے ﴿لا طاقة لنا اليوم﴾ ہم آج اس طاغوت سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے''۔ (۲۲۷)

جنگ بدر میں خدائے تعالیٰ نے غیبی طاقت سے ایسا کام کیا کہ مسلمانوں کو کفار کی تعداد کم دکھائی دی، ورنہ وہ سست ہو کر حملہ کی جرأت نہ کرتے۔ (۲۲۸)

۲۲۵- اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلىٰ اَعْقَابِكُمْ...(آل عمران/۱۴۴)

۲۲۶- لاَ تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ...(توبہ/۸۱)

۲۲۷- لاَ طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَ جُنُودِه...(بقرہ/۲۴۹)

۲۲۸- اِذْ يُرِيكَهُمُ اللّٰهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلاً (انفال/۴۳)

۴- فرضی گناہ:

آرام طلب مسلمانوں نے جنگ تبوک میں جاتے وقت یہ بہانہ بنایا کہ: ''ہم فکر مند ہیں کہ راستے میں ہماری نگاہیں رومی لڑکیوں پر پڑیں گی اور ہم گناہ کے مرتکب ہو جائیں گے''۔ اور ان سے غافل تھے کہ قائد و رہبر کے حکم کی نافرمانی اور جنگ سے فرار لڑکیوں پر نگاہ ڈالنے کے گناہ سے بدتر ہے۔ (۲۲۹)

۵- بعض لوگ اپنے گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا بہانہ بناتے تھے۔ (۲۳۰)

فراریوں سے ٹکّر:

قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے: ''محاذ جنگ سے فرار کرنے والے لوگوں کے جنازہ میں شرکت نہ کرو، اُن کی نماز جنازہ نہ پڑھو، حتیٰ اُن کی قبروں پر بھی نہ جاؤ''۔ (۲۳۱)

فراریوں کی تنبیہ:

ایک جنگ میں پیغمبر اسلامؐ نے محاذ جنگ پر جانے کا حکم دیا، تین افراد نے اس حکم کی نافرمانی کی۔ آنحضرتؐ نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ کوئی بھی ان تین افراد سے بات نہ کرے۔

اس طرح آنحضرتؐ نے نافرمانی کرنے والوں کو شدید طور پر سماجی ناکہ بندی کر دی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان کے بیوی بچوں نے بھی ان سے بات کرنا چھوڑ دیا۔ اس پر ان تینوں نے آپس میں طے کیا کہ: ''ہم بھی آپس میں ایک دوسرے سے بات نہ کریں گے''۔

اس محاصرہ نے ان کا قافیہ حیات تنگ کر کے رکھ دیا آخر میں انہوں نے پشیمان ہو کر توبہ کی اور

۲۲۹- وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا (توبہ/۴۹)

۲۳۰- يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا (احزاب/۱۳)

۲۳۱- وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ... (توبہ/۸۴)

ان کی توبہ قبول ہوئی۔(۲۳۲)

۲-خیانت:

بعض اوقات اسلام کا ایک سپاہی محاذ جنگ میں کچھ معلومات دشمن کو منتقل کردیتا ہے اور کسی راز کو فاش کردیتا ہے۔اگر چہ یہ عمل اشارہ کی صورت میں ہو پھر بھی خیانت اور گناہ کبیرہ ہے۔

قصہ:

سورۂ انفال کی ستائیسویں آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں شیعہ اور سنّی تفسیروں میں ملتا ہے کہ:''جب مسلمانوں نے قبیلۂ بنی قریضہ کے یہودیوں کا محاصرہ کیا، تو انہوں نے صلح اور شام چلے جانے کی تجویز پیش کی۔آنحضرتؐ نے ان کی یہ تجویز قبول نہیں کی اور سعد بن معاذ کو حَکَم کے عنوان سے مأمور فرمایا۔ابولبابہ نام کے ایک مسلمان نے -جو یہودیوں سے دوستی رکھتا تھا- اپنے گلے کے اشارہ سے یہودیوں کو یہ سمجھادیا کہ سعد بن معاذ کی حَکَمیّت اُن کے لئے خطرناک ہے۔ جبرئیل امین نے اس اشارہ کے بارے میں آنحضرتؐ کو خبر دے دی۔ابولبابہ اپنی اس خیانت پر شرمندہ اور پشیمان ہوا اور توبہ کرنے کے عنوان سے مسجد النبیؐ کے ایک ستون سے اپنے آپ کو رسی کے ذریعہ باندھ لیا۔چند دن اسی حالت میں رہا اور نہ کچھ کھایا نہ پیا۔آخر کار خدائے تعالےٰ نے اس کی توبہ قبول فرمائی۔ بے شک بعض اوقات دشمن کے حق میں ایک اشارہ کرنا بھی خیانت ہے۔

۳-سپہ سالار کے حکم کی نافرمانی:

پیغمبر اسلامؐ نے اپنی حیاتِ مبارک کے آخری دنوں میں اسامہ نامی ایک ۱۸ سالہ جوان کی سپہ سالاری مین لشکر اسلام کو روم کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا:''اسامہ کے لشکر سے فرار

۲۳۲-وَعَلَى الثَّلاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ(توبہ/۱۱۸)

کرنے والے پر خدا کی لعنت ہو"۔ (۲۳۳)

سورۂ نور کی ۶۱ ویں آیت میں ارشاد ہوا ہے: "حقیقی مؤمن وہ ہیں جو خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے ہیں اور جب پیغمبر خداؐ کے ساتھ کسی کام میں اجتماعی طور پر شرکت کرتے ہیں تو آپ کی اجازت کے بغیر چھٹی پر نہیں جاتے"۔ (۲۳۴)

بے شک سپہ سالار سے اجازت لینا، ایمان کی علامت ہے۔ جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کی ایک وجہ سپہ سالار کے حکم کی نافرمانی تھی (۲۳۵)۔ اسلام عالی مقاصد تک پہنچنے کے لئے سپہ سالار اور قائد کے لئے عدالت و انصاف، پرہیزگاری، طاقت و خوش فکری اور عام لوگوں کے ان سے عشق و اطاعت کی شرط ضروری جانتا ہے۔

۴-مال غنیمت کا لالچ:

محاذ جنگ کے منکرات میں سے ایک مالِ غنیمت کا لالچ اور رجحان بھی ہے۔

داستان:

جنگ خیبر کے اختتام پر پیغمبر اسلامؐ نے ایک شخص کی سرکردگی میں ایک گروہ کو فدک میں رہنے والے یہودیوں کی طرف روانہ فرمایا تا کہ انھیں اسلام قبول کرنے یا جزیہ دینے پر آمادہ کریں۔ مرداس نامی ایک یہودی جب اسلامی سپاہیوں کے آنے سے باخبر ہوا، تو اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کو ایک پہاڑ کے پیچھے چھپا کر لاالہ الا اللہ محمداً رسول اللہ کا کلمہ پڑھتے ہوئے مسلمانوں کے استقبال کو نکلا۔ مسلمانوں کے سردار نے خیال کیا کہ یہ شخص مال و دولت کے ہاتھ

۲۳۳- بحار، ج ۲۷، ص ۳۲۴

۲۳۴- وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ (نور/۶۲)

۲۳۵- حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ (آل عمران/۱۵۲)

سے جانے کے ڈر سے ظاہری طور پر اسلام لایا ہے۔ لہٰذا اس کے نعروں کی طرف توجہ نہ کرتے ہوئے اسے قتل کرڈالا۔ یہ خبر سنکر رسول خداؐ رنجیدہ ہوئے اور فرمایا: ''تم نے مال غنیمت کے لالچ میں ایک مسلمان کو مارڈالا''۔ اس کے بعد سورۂ نساء کی ۹۴ ویں آیت نازل ہوئی:

''ایمان والو! جب تم راہ خدا میں جہاد کے لئے سفر کرو تو پہلے غور و تحقیق کرلو اور خبر دار جو اسلام کی پیش کش کرے اس سے یہ نہ کہنا کہ تو مؤمن نہیں ہے۔ کہ اس طرح تم زندگانی دنیا کا چندروزہ سرمایہ (غنیمت) چاہتے ہو اور خدا کے پاس بکثرت (غنیمت) فوائد پائے جاتے ہیں۔ آخر تم بھی تو پہلے ایسے ہی کافر تھے۔ خدا نے تم پر احسان کیا کہ تمہارے اسلام کو قبول کرلیا (اور دل چیرنے کی شرط نہیں لگائی) تو اب تم بھی اقدام سے پہلے تحقیق کرو کہ خدا تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے''۔ (۲۳۶)

سبق:

ہم مذکورہ بالا داستان سے بہت سے سبق حاصل کرسکتے ہیں، من جملہ:

- جنگ کے نام پر ہرج ومرج منع ہے۔
- جو اسلام کا نعرہ بلند کرکے ہماری طرف آئے ہمیں کھلے دل سے اس کا استقبال کرنا چاہئے۔
- لوگوں پر بے دینی کا لیبل نہیں لگانا چاہئے۔
- مشکوک افراد کے بارے میں جلد بازی میں فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔
- اپنی طاقت کا ناجائز فائدہ نہ اٹھانا چاہئے۔
- مادی محرّکات ہمیں گناہ میں مبتلا نہ کریں۔

۲۳۶-یَاأَیُّهَاالَّذِینَ آمَنُوا اِذَاضَرَبْتُمْ فِی سَبِیلِ اللهِ فَتَبَیَّنُوا وَلاَ تَقُولُوا لِمَنْ اَلْقَی اِلَیْکُمُ السَّلاَمَ لَسْتَ مُؤْمِناً تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَیَوٰةِ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللهِ مَغَانِمُ کَثِیرَةٌ کَذَالِکَ کُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ...(نساء/۹۴)

-مالِ غنیمت حاصل کرنے کی غرض سے جنگ کے تقدس کو پائمال نہ کرنا چاہئے۔

-مالِ دنیا کی کشش سے جنگجو بھی محفوظ نہیں ہیں۔

-سرمایہ میں مال کے اضافہ کے بجائے مسلمانوں میں ایک شخص کا اضافہ بہتر ہے۔

-مسلمان کشی کا خطرہ، منافق مسلمانوں کے نفوذ کے خطرہ سے زیادہ ہے۔

-دنیا پرستی اور ایمان کی کمزوری کا سابقہ رکھنے والوں کو دوسروں سے قوی اور گہرے ایمان کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔

-جذبات کے بجائے عقل، صبر و تحمل اور تحقیق سے کام لینا چاہئے۔

کفار کو تحقیق کی مہلت دو:

قرآن مجید فرماتا ہے: ''اگر کسی مشرک نے تم سے پناہ چاہی، تو اسے پناہ دیدو تا کہ وہ خدا کے کلام کو سنے۔ اس کے بعد اسے پُر امن جگہ پہنچادو''۔ (۲۳۷)

۲۳۷-وَاِنْ اَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ (توبہ/۶)

سیاسی، حفاظتی اور بین الاقوامی منکرات

منکرات صرف انفرادی اور اخلاقی گناہوں تک محدود نہیں ہیں، بلکہ سیاسی منکرات بذات خود گناہ کبیرہ ہونے کے علاوہ دیگر تمام گناہوں کا پیش خیمہ بھی ہیں۔ سیاسی مسائل کے بارے میں سیکڑوں آیات وروایات بیان ہوئی ہیں، دین کو سیاست سے الگ جاننے والوں کو چاہئے کہ ان آیات کو قرآن مجید سے حذف اور انبیاء کے عمل کو غلط قرار دیں۔ ہم یہاں پر چند سیاسی منکرات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱- طاغوت اور نااہل لوگوں کی قیادت قبول کرنا:

توحید کی دعوت کے بعد انبیائے الٰہی کا پہلا فریضہ طاغوت سے لڑنا تھا ﴿ان اعبدوا اللّٰہ و اجتنبوا الطاغوت﴾(۲۳۸)

اگر طاغوت اور شیاطین نہ ہوتے تو لوگ فطری طور پر توحید کو قبول کرتے۔ خدائے تعالےٰ نے قرآن مجید میں خدا پر ایمان لانے سے پہلے طاغوت سے دوری اختیار کرنے کو ضروری اور مقدم قرار دیا ہے۔ دنیا کے مسلمانوں کی موجودہ مشکل یہ ہے کہ مذکورہ دونوں الٰہی احکام - طاغوت سے دوری اختیار کرنے اور خدا پر ایمان لانے - میں سے صرف دوسرے حکم پر عمل کرتے ہیں، یعنی خدا پر ایمان رکھتے ہیں لیکن طاغوت سے دوری اختیار نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ بظاہر نماز پڑھتے

۲۳۸- نحل/۳۶

ہیں، لیکن طاغوت اُن پر مسلط ہے۔ امام خمینیؒ فرماتے ہیں: اسلام دو قسم کا ہے:

۱۔ ''اسلام ناب محمدیؐ'' (خالص محمدیؐ اسلام) جس کی ہیبت سے کفار کانپ اٹھتے تھے۔ مسجد النبیؐ نے، جو درختوں کے ستونوں پر مشتمل تھی، طاغوت کے ایوانوں کو متزلزل کر کے رکھ دیا تھا۔

۲۔ ''امریکی اسلام''۔ جس کا نمونہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں آج وہی مسجد النبیؐ سیکڑوں سنگ مرمر کے ستونوں پر مشتمل ہے لیکن کسی ایک شخص کو بھی متزلزل نہیں کرسکتی!

خدائے تعالیٰ حضرت موسیٰ سے فرماتا ہے: ''فرعون کی طرف جاؤ، کیونکہ اس نے سرکشی کی ہے''۔ (۲۳۹)

قرآن مجید میں گناہگاروں (۲۴۰)، کافروں (۲۴۱)، مفسدوں (۲۴۲)، مسرفوں (۲۴۳)، افراطیوں (۲۴۴)، غافلوں (۲۴۵)، شہوت پرستوں (۲۴۶) اور کمینوں (۲۴۷) کی اطاعت سے واضح طور پر منع کیا ہے۔ اگر صرف انہی چند آیتوں پر عمل کیا جائے تو اسلامی ممالک کے تمام حکام اور بادشاہوں کو اپنا بوریا باندھنا پڑے گا۔

طاغوت کی اطاعت ہی گناہ نہیں ہے بلکہ اس کی مدد کرنا، اس کے کام پر راضی ہونا، اس کے لئے دعا کرنا، اسکے زندہ رہنے کی تمنا کرنا، اس کے لئے مسکرانا، اس کا احترام کرنا، اس کی ملاقات

۲۳۹۔ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (طٰہٰ/۲۴)

۲۴۰۔ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا (انسان/۲۴)

۲۴۱۔ اَوْ كَفُوْرًا (انسان/۲۴)

۲۴۲۔ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (بقرہ/۶۰)

۲۴۳۔ وَلَا تُطِيْعُوْا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ (شعراء/۱۵۱)

۲۴۴۔ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (کہف/۲۸)

۲۴۵۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ... (کہف/۲۸)

۲۴۶۔ وَاتَّبَعَ هَوٰهُ (کہف/۲۸)

۲۴۷۔ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ (قلم/۱۰)

کے لئے جانا، اس کی بیعت کرنا، اسے رخصت کرنا، اس کی تشویق کرنا اور اس کے مقابل خاموشی اختیار کرنا بھی گناہ ہے۔(۲۴۸)

۲-غیر ملکی ایجنٹوں کو قبول کرنا:

قرآن مجید نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا ہے: ''اغیار کو اپنا مشیر اور صلاح کار نہ بناؤ''۔(۲۴۹)

افسوس کا مقام ہے کہ آج کل اسلامی ممالک کے ڈرپوک حکام، نیز مسلمانوں کی غفلت اور دشمنوں کی بیداری کے سبب نوبت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اغیار کے ایجنٹوں نے مشیر، ماہر، مشرق شناس اور سیاح جیسے مختلف چہروں میں اسلامی ممالک کے اندر نفوذ پیدا کر کے ان ممالک کے تانے بانے ہاتھ میں لے لئے ہیں اور قدرتی منابع، انسانی طاقت اور غیر معمولی ذہن والے اشخاص کے بارے میں معلومات جمع کرنے میں کامیاب ہورہے ہیں۔ ان لوگوں نے ہمارے قلمی نسخے اور آثار قدیمہ کی گراں بہا چیزیں چرالی ہیں۔ ہمارے غیر معمولی افراد کو اپنے مقاصد کی خدمت گزاری پر مأمور کر چکے ہیں اور یہ مصیبت اس حد تک آگے بڑھ چکی ہے کہ اسلامی دنیا کے بعض ممالک کے حکام بے ارادہ گماشتوں کی طرح اسلام کے دشمنوں کی کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔

۳-چاپلوسی اور سازش:

دشمنوں کی بنیادی آرزو یہ ہے کہ ہم اسلام کے اصول اور اقدار کو چھوڑ کر ان سے ساز باز کرلیں۔(۲۵۰)

قرآن مجید فرماتا ہے: ''ہر قسم کی غیر معقول تجویز کے جواب میں پوری طاقت کے ساتھ کہو کہ ''ہم تم لوگوں سے جدا ہیں''۔(۲۵۱)

۲۴۸-مندرجہ بالا مسائل میں سے ہر ایک کے لئے ایک یا کئی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

۲۴۹-یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ (آل عمران/۱۱۸)

۲۵۰-وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ (قلم/۹)

۲۵۱-لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (کافرون/۶)

ہر وہ عمل، معاہدہ، قانون اور رابطہ، جس کا نتیجہ مسلمانوں پر کفار کا تسلط ہو، حرام ہے۔ قرآن ارشاد فرماتا ہے: ''خدائے تعالیٰ نے کسی بھی صورت میں کفار کو مسلمانوں پر تسلط جمانے اور نفوذ حاصل کرنے کی گنجائش نہیں رکھی ہے''۔ (۲۵۲)

ہر ایسے اجتماع، کانفرنس، انجمن یا سیمینار میں شرکت کرنا حرام ہے، جس سے قانونِ الٰہی، اولیائے خدا، مقاصد الٰہی اور راہ خدا کمزور پڑتی ہو۔ (۲۵۳)

۴- افواہیں پھیلانا:

ہر اس خبر کو پھیلانا منع ہے، جس سے مسلمانوں میں خوف پیدا ہو، سماج متزلزل ہو جائے یا مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں (۲۵۴)۔ اسلام نے افواہوں کے ذریعہ سماج میں انتشار وافراتفری پھیلانے والے افراد کے لئے سخت سزائیں معین کی ہیں۔ (۲۵۵)

مسلمانوں کو چاہئے کہ کسی خبر کو سننے کے بعد اسے ماہروں، سیاست دانوں اور ایماندار فقہاء کے حوالہ کریں تاکہ اس کے تجزیہ کے بعد حق وباطل کو جدا کر کے لوگوں تک پہنچایا جائے۔ اس کے علاوہ ضروری نہیں ہے کہ ہر سچی خبر بھی ہر جگہ اور ہر شخص کو بتائی جائے۔ قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے: ''بعض مسائل سے آگاہ ہونا تمہارے لئے نقصاندہ ہے''۔ (۲۵۶)

۵- جاسوسی:

جاسوسی بھی ایک سیاسی منکر ہے۔ آج کی دنیا میں جاسوسی نت نئے اور پیچیدہ طریقوں سے انجام پاتی ہے اور یہ کام ماہر مترجموں کو سونپا جاتا ہے۔

۲۵۲- وَلَنْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکَافِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلاً (نساء/۱۴۱)

۲۵۳- فَلاَ تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ (انعام/۶۸)

۲۵۴- اِذَا جَائَھُمْ اَمْرٌ مِنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوا بِہٖ (نساء/۸۳)

۲۵۵- وَالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَۃِ (احزاب/۶۰)

۲۵۶- اِنْ تُبْدَلَکُمْ تَسُؤْکُمْ (مائدہ/۱۰۱)

۶-دشمن کے حق میں پروپیگنڈا:

ہر قسم کی وہ تبلیغ جس سے کفار غالب اور مسلمان ذلیل ہوں، حرام ہے، اور قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے: ''کچھ منافقین مسلمانوں سے کہتے تھے: کفار سے ڈرو کیونکہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں، لیکن مسلمان نہیں ڈرتے تھے بلکہ ان کا ایمان قوی ہوتا تھا''۔(۲۵۷)

۷-اللہ کے مقرر کردہ رہبروں کو تسلیم نہ کرنا:

سب سے اہم سیاسی منکر، خدا کے مقرر کردہ قائدین اور رہبروں کی اطاعت نہ کرنا ہے۔سورۂ بقرہ میں طالوت وجالوت کی داستان تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔اس کے ایک حصے میں آیا ہے: اُن کے پیغمبر نے ہر چند فریاد بلند کی کہ خدا نے جناب طالوت کو تمہاری قیادت کے لئے بھیجا ہے، لیکن لوگ اس بہانے سے کہ وہ فقیر وگمنام تھے، اُن کے حکم کو ماننے پر آمادہ نہ ہوئے(۲۵۸)۔ جب حضرت موسیٰ تورات حاصل کرنے کے لئے کوہ طور پر تشریف لے گئے تھے اور اپنے بھائی ہارون کو اپنی جگہ جانشین مقرر فرمایا تھا تو لوگ سامری کے پیچھے چلے گئے اور ہارون کو چھوڑ دیا۔ جناب ہارون نے جتنی بھی فریاد بلند کی انھیں اتنی اذیت پہنچائی گئی کہ قرآن مجید کے مطابق قریب تھا کہ قتل کر دیے جاتے۔(۲۵۹)

ایسے تلخ حوادث اسلام میں بھی پیش آئے ہیں۔پیغمبر اسلامؐ نے غدیر خم میں ایک لاکھ سے زائد افراد کے درمیان حضرت علی ابن ابیطالبؑ کو اپنے بعد خلیفہ اور جانشین مقرر فرمایا، لیکن لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہ کی۔(۲۶۰)

۲۵۷-اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ (آل عمران/۱۷۳)

۲۵۸-بقرہ/۲۴۷

۲۵۹-اعراف/۱۵۰

۲۶۰-لم یمتثل امر رسول اللہ

۸- حاکم الٰہی کو دق کرنا:

اولیائے الٰہی کے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔

داستان:

دو صحابیوں کے درمیان آبیاری کے مسئلہ میں جھگڑا ہوا۔ دونوں نے پیغمبر اسلامؐ کو حَکَم قرار دیا۔ آنحضرتؐ نے دو طرف کے بیانات سننے کے بعد حکم جاری کیا۔ محکوم ہونے والے شخص نے پیغمبر اسلامؐ پر تہمت لگائی کہ آپ نے فیصلے میں حق کا خیال نہ رکھا۔ آیت نازل ہوئی کہ: ''خدا کی قسم تمہارے فیصلے کے مقابل میں سر تسلیم خم کرنے والوں کے علاوہ کوئی ایمان نہیں رکھتا''۔ (۲۶۱)

۹- کفار کی حاکمیت تسلیم کرنا:

سب سے اہم سیاسی منکر کفار کی ولایت وحاکمیت کو قبول کرنا ہے۔ قرآن مجید نے بارہا اس کی ممانعت کی ہے۔ (۲۶۲)

اس سلسلے میں قرآن مجید فرماتا ہے: '' جو بھی ان کی سرپرستی قبول کرے وہ مسلمان نہیں ہے''۔ (۲۶۳)

قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے: ''جب وہ تمہیں دوست نہیں رکھتے ہیں، تو تم انھیں کیوں چاہتے ہو''۔ (۲۶۴)

اگر مسلمان یہ خیال کریں کہ یہود و نصارا انھیں دل سے چاہتے ہیں، تو انھیں اپنے ایمان پر شک کرنا چاہئے۔ جیسے کہ ارشاد ہے: ''یہود و نصاری ہرگز تم سے راضی نہیں ہوں گے، مگر یہ کہ تم اُن

۲۶۱- فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُونَ حَتّیٰ یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ (نساء/۶۵)

۲۶۲- لاَ تَتَّخِذُوا الْیَهُودَ وَالنَّصَارَیٰ اَوْلِیَاءَ (مائدہ/۵۱)

۲۶۳- وَمَنْ یَتَوَلَّهُمْ مِنْکُمْ فَاِنَّهُ مِنْهُمْ (مائدہ/۵۱)

۲۶۴- هَااَنْتُمْ اُولاَءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلاَ یُحِبُّونَکُمْ (آل عمران/۱۱۹)

کے پیرو بن جائیں''۔(۲۶۵)

۱۰-خدا کے مخلص اولیاء سے بدظنی:

قرآن مجید نے فرمایا ہے:''اگر بنی اسرائیل پر کوئی مشکل گزرتی تو اسے بدشگونی سمجھ کر کہتے تھے: یہ تلخ حوادث موسیٰؑ کی وجہ سے ہیں''۔(۲۶۶)

حقیقت میں بدشگونی فطری قوانین کا انکار اور خدا پر ایک قسم کی تہمت، افتراء اور شک ہے، چہ جائیکہ یہ بدشگونی اور بدفال حضرت موسیٰؑ جیسے اولوالعزم پیغمبرؑ کے بارے میں ہو۔

۱۱-لوگوں کا قتل اور کھیتوں کی تباہی:

جن دیگر اہم منکرات کے بارے میں قرآن مجید میں ذکر ہوا ہے، ان میں وہ ناحق قتل اور کھیتوں کی نابودی ہے جو فاسد افراد اپنے مقاصد اور طاقت کو حاصل کرنے کے لئے انجام دیتے ہیں۔(۲۶۷)

بعض اوقات حکام اپنی حکومت کے تحفظ یا اجنبیوں کی طرف سے معین کردہ منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تمام قدرتی منابع و معادن اور انسانی طاقت کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

۱۲-خاموشی اور لاپروائی:

دنیا بھر میں محروموں اور مستضعفین پر ہونے والے گوناگون انسانیت سوز مظالم کے مقابلے میں سربراہوں اور حکام کی طرف سے اختیار کی گئی خاموشی بڑے سیاسی منکرات اور گناہوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنے وجود کے تحفظ یا بڑی طاقتوں کے خوف سے مظلوموں کی فریاد سنکر بھی

۲۶۵-لَنْ تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (بقرہ/۱۲۰)

۲۶۶-يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ (اعراف/۱۳۱)

۲۶۷-وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ (بقرہ/۲۰۵)

خاموش رہتے ہیں۔ (۲۶۸)

۱۳- اختلاف:

اہم سیاسی وسماجی منکرات میں سے ایک اختلاف بھی ہے۔ قرآن مجید نے جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کا سبب اختلاف، نافرمانی اور ان کی سستی بیان کیا ہے۔ (۲۶۹)

قرآن مجید میں اختلاف کو شرک کے ایک نمونہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور ارشاد ہوا ہے: ''مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ، یہ وہی گروہ ہے جس نے اپنے دین میں اختلاف پیدا کیا''۔ (۲۷۰)

۱۴- غلامی:

جابروں اور ظالموں کا ایک منکر اور گناہ، لوگوں کو اپنا غلام بنانا ہے۔ فرعون فخر کرتا تھا کہ موسیٰؑ اور ہارونؑ کی قوم اس کی غلام تھی (۲۷۱)۔ قرآن مجید نے پیغمبروں اور علماء تک کو اس بات کی اجازت نہیں دے دی ہے کہ لوگوں کو اپنا غلام اور بندہ بنائیں۔ (۲۷۲)

فوجی، سیاسی اور علمی اسرار کو فاش کرنا بھی ایک اہم سیاسی منکر ہے۔ یہاں پر ہمارا مقصد تمام سیاسی منکرات بیان کرنا نہیں ہے، اسلئے بطور نمونہ اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

۲۶۸- قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے: مَالَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ (نساء/۷۵)

۲۶۹-...إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ (آل عمران/۱۵۲)

۲۷۰-...وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ * مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ (روم/۳۱،۳۲)

۲۷۱-...وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ (مؤمنون/۴۷)

۲۷۲- مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ...(آل عمران/۷۹)